ماہنامہ
حنا
دسمبر 2017
PDF
DECEMBER 2017

نہایت اہم التماس

قارئین انتظار کے لیے معذرت خواہ ہیں لیکن آپ بخوبی واقف ہیں کے دُنیا میں ہر کوئی اپنے کاروبار کے لیے محنت کرتا ہے تاکہ منافع حاصل کر سکے لیکن اگر ہماری وجہ سے کسی کے کاروبار کو نقصان کا اندیشہ ہو تو ہمیں جان بوجھ کر ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ دیکھیں ہر ڈائجسٹ کے پبلشر بہت محنت کے ساتھ ہر مہینے ڈائجسٹ شائع کرتے ہیں تاکہ وہ مارکیٹ میں فروخت ہو سکے اور اُن کو منافع حاصل ہو سکے لیکن آج کے اس انٹرنیٹ دور میں جب وہی ڈائجسٹ یا رسالہ مارکیٹ میں پوری طرح آنے سے قبل ہی آن لائن پی ڈی ایف میں مل جائے تو مارکیٹ سے خریداری بہت کم رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے پبلشر کا بہت نقصان ہوتا۔ لہذا اس سارے معاملے کو خاطر میں رکھتے ہوئے urdusoftbooks.com کی انتظامیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کے آئندہ ماہ سے کوئی بھی ڈائجسٹ رواں مہینہ کی 30 تاریخ سے پہلے Upload نہیں کیا جائے گا تاکہ پبلشرز کا نقصان نہ ہو۔

خوشخبری

انشاالله آئندہ urdusoftbooks.com پر تمام ڈائجسٹ بغیر واٹر مارک کے Upload ہوا کریں گے تاکہ قارعین کو پڑھنے میں دکت کا سامنا نہ کرنا پڑے

قارئین سے مزید درخواست ہے کہ urdusoftbooks.com کے لیے اپنے ویب براوزر سے Adblocker ڈس ایبل کر دیں تاکہ ویب سائٹ پر سپانسر اشتہارات نظر آسکیں اور ویب سائٹ کو تھوڑی سی آمدن ہو سکے انہی سپانسر اشتہارات کی آمدن سے ویب سائٹ کے ماہانہ اخراجات پورے کیے جاتے ہیں لہذا آپ کا تھوڑا سا تعاون urdusoftbooks.com کو مستقل آن لائن رکھنے میں بہت مددگار ثابت ہوگا۔ شُکریہ

ہر گھر کیلئے

ماہنامہ

جلد 39 شمارہ 12

دسمبر 2017ء

قیمت -/60 روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

☆☆☆

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماھنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! دسمبر 2017ء کا آخری شمارہ پیش خدمت ہے۔

اسلام آباد میں ایک مذہبی جماعت کی جانب سے دھرنے کو آج بارہ روز گزر گئے ہیں اور شہری پریشان ہیں۔حکومت اور دھرنے کے قائدین میں مذاکرات کا اب تک کوئی نتیجہ نہیں نکلا ہے۔ایک بہت بڑی سرکاری حماقت کے نتیجے میں عوامی ردعمل کے نتیجے میں یہ دھرنا دیا گیا ہے۔ملک بھر میں جس کے بے شمار حمایتی ہیں۔عقل مندی کا تقاضا تھا کہ حکومت اپنی غلطی تسلیم کر لیتی اور ذمہ داران کو فوراً سزا دیتی۔یہی دھرنے کے قائدین کا مطالبہ ہے۔یہ وہی مطالبہ ہے جو وزیراعلیٰ پنجاب نے ایک میٹنگ میں کہا تھا کہ وفاقی وزیر قانون کو عہدے سے ہٹا دیا جائے۔اس وقت حالت یہ ہے کہ دھرنے سے ریاست بے بس نظر آ رہی ہے۔جبکہ اسلام آباد ہائی کورٹ نے بھی دھرنا ختم کرانے کا حکم دیا ہوا ہے لیکن حکومت اس حکم کی تعمیل بھی نہیں کرا سکتی اور مذاکرات کے ذریعے مسئلے کا حل نکالنے کی کوشش کر رہی ہے۔ہمارا حکومت سے سوال ہے کہ انتخابی اصلاحات کے بل میں ختم نبوتؐ کے حلف نامے میں ترمیم کس کے کہنے پر اور کیوں ہوئی۔یہ مسئلہ جب حتمی طور پر طے ہو چکا ہے تو کیوں اس کو چھیڑا گیا؟ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ عوام کو اس سوال کا تسلی بخش جواب دے اور ذمہ داروں کو ان کی اس کوتاہی کی سزا دے۔وزیر قانون کی ذمے داری یہ ہے کہ اگر وہ قصور وار نہیں تو بھی اس کی اخلاقی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے تحقیقات کے مکمل ہونے تک اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے دیں۔اگر وہ بے قصور ہوں تو حکومت انہیں دوبارہ وزارت دے دے۔اس طرح دھرنے کے شرکاء کا مطالبہ بھی پورا ہو جائے گا اور آئندہ کسی کو اس طرح مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے کی جرأت بھی نہ ہوگی۔

(می رقصم):۔ بشریٰ سیال اپنے بہنوئی کی وفات کی وجہ سے اس ماہ ناولٹ ''می رقصم'' کی قسط لکھ نہیں پائیں، اگلے ماہ انشاء اللہ قسط شامل اشاعت ہوگی۔

اس شمارے میں:۔ حمیرا نوشین، اُم ایمان اور سباس گل کے مکمل ناول، صدف آصف اور تحسین اختر کے ناولٹ، تمثیلہ زاہد، فصیحہ آصف اور فرح طاہر کے افسانے، اُم مریم اور نایاب جیلانی کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار طاہر محمود

حمد باری تعالیٰ

... جمیع صفات و کمال کا

ادارک کو ہے ذات مقدس میں دخل کیا
ادھر نہیں گزار گمان و خیال کا

حیرت سے عارفوں کو نہیں راہ معرفت
حال اور کچھ ہے یاں اپنوں کے حال و قال کا

ہے قسمت زمین و فلک سے غرض نمود
جلوہ وگرنہ سب میں ہے اس کے جمال کا

مرنے کا بھی خیال رہے میر گر تجھے
ہے اشتیاق جان جہاں کے وصال کا

میر تقی میر

نعت رسول مقبولؐ
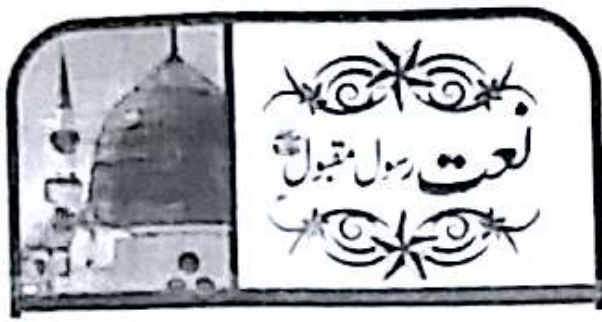
... تو ہے نور البشر تجھ پہ لاکھوں سلام

تو ہے شفیع الامم تو ہے بحر کرم
تو ہے ابر کرم تجھ پہ لاکھوں سلام

تو امام الرسل ہر دوارض و سماء
تو حبیب خدا تجھ پہ لاکھوں سلام

تو ہے شہر علم تو ہے فخر البشر
تو ہے بحر سخاء تجھ پہ لاکھوں سلام

کیوں نے تجھ پہ فدا ہو دل و جاں مری
تو ہے جان منیر تجھ پہ لاکھوں سلام

منیر عالم

پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں

ادارہ

سخاوت

ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔

''اے ابوذر (رضی اللہ عنہ)! مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے پاس کوہ احد کے برابر سونا ہو، اور تیسرے دن تک اس میں سے میرے پاس ایک اشرفی بھی بچ رہے، سوائے اس کے جو ادائے قرض کے لئے ہو، تو اے ابوذر میں اس مال کو دونوں ہاتھوں سے خدا کی مخلوق میں تقسیم کر کے اٹھوں گا۔'' (صحیح بخاری، کتاب الاستقراض ص 321)

ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چھ اشرفیاں تھیں، چار تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خرچ کر دیں اور دو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بچ رہیں، ان کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام رات نیند نہ آئی۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔

''معمولی بات ہے، صبح ان کو خیرات کر دیجئے گا۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اے حمیرا! (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا لقب ہے) کیا خبر ہے میں صبح تک زندہ رہوں یا نہیں۔''

قناعت و توکل

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے دن کے واسطے کسی چیز کا ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

یعنی جو چیز ہوتی کھلا پلا کر ختم فرما دیتے، اس خیال سے کہ کل پھر ضرورت ہو گی، اس کو محفوظ نہ رکھتے تھے، یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غایت درجہ توکل تھا کہ جس مالک نے آج دیا ہے، وہ کل بھی عطا فرمائے گا، یہ صرف اپنی ذات کے لئے تھا، ورنہ ازواج کا نفقہ ان کے حوالے کر دیا جاتا تھا کہ وہ جس طرح چاہیں تصرف میں لائیں، چاہیں رکھیں یا تقسیم کر دیں، مگر وہ بھی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں ایک بار دو گونین درہموں کی نذرانہ کے طور پر پیش کی گئیں، جن میں ایک لاکھ درہم سے زیادہ تھے، انہوں نے طباق منگوایا اور بھر بھر کر تقسیم فرما دیا، خود روزہ دار تھیں، افطار کے وقت ایک روٹی اور زیتون کا تیل تھا، جس سے افطار فرمایا۔

باندی نے عرض کیا۔

''ایک درہم کا اگر آج گوشت منگا لیتیں تو آج ہم اسی سے افطار کر لیتے۔''

ارشاد فرمایا۔

''اب طعن دینے سے کیا ہو سکتا ہے اسی

وقت یاد دلا دیتی تو میں منگا دیتی۔'' (خصائل نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''مجھ کو یہ بات خوش نہیں آتی کہ میرے لئے کوہ احد سونا بن جائے اور پھر رات کو اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس رہے، بجز ایسے دینار کے جس کو کسی واجب مطالبہ کے لئے تھام لوں اور یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمال سخاوت وجود وعطا کی دلیل ہے، چنانچہ اسی کمال سخاوت کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقروض رہتے تھے، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وقت وفات پائی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرہ اہل وعیال کے اخراجات میں رہن رکھی ہوئی تھی۔ (نشر اطیب)

انکسار طبعی

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بروئے عادت سخت گو نہ تھے اور نہ تکلف سخت گو بنتے تھے اور نہ بازاروں میں خلاف وقار باتیں کرنے والے تھے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے تھے بلکہ معاف فرما دیتے تھے، غایت حیا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ کسی شخص کے چہرے پر نہ ٹھہرتی تھی اور کسی نا مناسب بات کا اگر کسی ضرورت سے ذکر کرنا ہی پڑتا تو کنایہ فرماتے۔

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بڑھ کر دل کے کشادہ تھے، بات کے سچے تھے، طبیعت کے نرم تھے، معاشرت میں نہایت کریم تھے اور جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت کرتا، اس کی دعوت منظور فرماتے اور ہدیہ قبول فرماتے اگرچہ (وہ ہدیہ یا طعام دعوت) گائے یا بکری کا پایہ ہی ہوتا اور ہدیہ کا بدل بھی دیتے تھے اور دعوت غلام کی اور آزاد کی اور لونڈی کی اور غریب کی سب کی قبول فرما لیتے اور مدینہ کی انتہائی آبادی پر بھی اگر مریض ہوتا، اس کی عیادت فرماتے اور معذرت کرنے والے کا عذر قبول فرماتے اور کبھی اپنے اصحاب میں پاؤں پھیلائے ہوئے نہیں دیکھے گئے، جس سے اوروں پہ جگہ تنگ ہو جائے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتا اس کی خاطر کرتے اور بعض اوقات اپنا کپڑا اس کے بیٹھنے کے لئے بچھا دیتے اور گدا تکیہ خود چھوڑ کر اس کو دے دیتے اور کسی شخص کی بات بیچ میں نہ کاٹتے اور تبسم فرمانے میں اور خوش مزاجی میں سب سے بڑھ کر تھے، جب تک کہ حالت نزول وحی یا وعظ یا خطبہ کی نہ ہوتی (کیونکہ ان حالتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک جوش ہوتا تھا) جس میں تبسم اور خوش مزاجی ظاہر نہ ہوتی تھی۔ (نشر الطیب)

دیانت وامانت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت حق کا آغاز فرمایا تو ساری قوم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمن بن گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، لیکن اس حالت میں بھی کوئی مشرک ایسا نہ تھا، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیانت وامانت پر شک کرتا ہو، بلکہ یہ لوگ اپنا روپیہ پیسہ وغیرہ لا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے پاس امانت رکھواتے تھے اور مکہ میں کسی دوسرے کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر امین نہیں سمجھتے تھے۔

ہجرت کے موقع پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو پیچھے چھوڑنے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ تمام لوگوں کو امانتیں

واپس کر کے مدینہ آئیں۔ (مدارج النبوۃ)

تواضع

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''مسلمانو! میری تعریف حد سے زیادہ نہ کرو، جس طرح عیسائیوں نے ابن مریم علیہ السلام کی تعریف کی ہے، کیونکہ میں خدا کا بندہ ہوں، [illegible]

[illegible] (ترمذی)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عصاء پر ٹیک لگائے ہوئے ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کھڑے ہوگئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جس طرح عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، اس طرح تم نہ کھڑے ہوا کرو اور فرمایا، میں خدا کا بندہ ہوں، اسی طرح کھاتا ہوں جس طرح بندے کھاتے ہیں اور اسی طرح بیٹھتا ہوں، جس طرح بندے بیٹھتے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بردباری اور متواضعانہ عادت کریمہ کی وجہ سے تھا۔ (مدارج النبوۃ)

حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک سفر میں چند صحابہ رضی اللہ عنہا نے ایک بکری ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا اور اس کا کام تقسیم فرمالیا، ایک نے اپنے ذمہ ذبح کرنا لیا، دوسرے نے کھال اتارنا، کسی نے پکانا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''پکانے کے لئے لکڑی اکٹھا کرنا میرے ذمہ ہے۔''

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔

''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کام ہم خود کرلیں گے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ تم لوگ اس کو [illegible]

[illegible]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بازار آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سرا ئیل...... کو چار درہم میں خریدا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وزن کرنے والے سے فرمایا۔

''قیمت میں مال کو خوب خوب کھینچ کر تولو۔'' (یعنی وزن میں کم یا برابر نہ لو، بلکہ زیادہ لو۔)

وہ شخص وزن کرنے والا حیرت زدہ ہو کر بولا۔

''میں نے کبھی بھی کسی کو قیمت کی ادائیگی میں ایسا کہتے نہیں سنا۔''

اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

''افسوس ہے تجھ پہ کہ تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں پہچانتا۔''

پھر تو وہ شخص ترازو چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست

مبارک کو بوسہ دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک کھینچ کر فرمایا۔

''یہ عجمیوں کا دستور ہے کہ وہ اپنے بادشاہوں اور سربراہوں کے ساتھ ایسا کرتے ہیں، میں بادشاہ نہیں ہوں، میں تو تم ہی میں سے ایک شخص ہوں۔''

(یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازراہ تواضع فرمایا، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت [illegible]

[illegible]

ہیں کہ میں نے آگے بڑھ کر ارادہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرا نبیل کو لے لوں مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''سامان کے مالک کا ہی حق ہے کہ وہ اپنے سامان کو اٹھائے، مگر وہ شخص جو کمزور ہے اور اٹھا نہ سکے تو اپنے اس بھائی کی مدد کرنا چاہیے۔''

(مدارج النبوۃ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پرانے پالان پر حج کیا، اس پر ایک کپڑا پڑا ہوا تھا، جو چار درہم کا بھی نہ ہوگا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگ رہے تھے ''یا اللہ اس حج کو ایسا حج فرمائیو، جس میں ریا اور شہرت نہ ہو۔'' (شمائل ترمذی)

جب مکہ فتح ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ اس میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عاجزی اور تواضع سے سر کو پالان پر جھکا دیا تھا، یہاں تک کہ قریب تھا کہ اس کے اگلے لکڑی کے سرے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر لگ جائے۔ (کتاب الشفاء)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ محبوب کوئی شخص دنیا میں نہیں تھا، اس کے باوجود پھر بھی وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر اس لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات پسند نہ تھی۔ (شمائل ترمذی)

ایک مرتبہ نجاشی بادشاہ حبشہ کے کچھ ایلچی [illegible]

[illegible]

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی خدمت کی سعادت ہمیں عنایت فرمایئے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''انہوں نے ہمارے صحابہ کی بڑی خدمت اور تکریم کی ہے، میں پسند کرتا ہوں کہ ان کا بدلہ ادا کر دوں۔'' (مدارج النبوۃ)

صاف دل ہونا

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تاکید فرمائی کہ ''میرے صحابہ میں سے مجھ سے کوئی شخص کسی کی کوئی بات نہ پہنچایا کرے کیونکہ میرا دل چاہتا ہے کہ جب میں تمہارے پاس آؤں تو میرا دل تم سب کی طرف سے صاف ہو۔'' (ابوداؤد، ترجمان السنہ، کتاب الشفاء)

☆☆☆

گرجا گھر کا دربان

ابن انشاء

پچھلے دنوں ہمارے مخدوم جناب سید ہاشم رضا نے کہ باغ و بہار شخصیت کے مالک ہیں، ہمیں یہی ایک کہانی سنائی اور ہم وہ کہانی آپ کو سناتے ہیں، تقریب اس کی یہ ہے کہ پچھلے دنوں ہماری دو نئی کتابیں چھپ کر آئی ہیں، بلکہ نواب تیس مار خاں کے کارناموں کو شامل کر کے جو قسطوں میں ان ہی کالموں میں چھپتے رہے ہیں، تین کہنا چاہیے، بہر حال یہاں جن دو کتابوں کا ذکر ہے، ان میں ایک تو سفر نامہ ہے ''آوارہ گردی کی ڈائری'' اور دوسری ''اردو کی آخری کتاب'' اس ''آخری کتاب'' کی تعریف میں ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتے کہ ٹیکسٹ بورڈ نے اسے دیکھتے ہی نامنظور کر دیا ہے یعنی یکسر رد کر دیا ہے، اس کتاب میں تاریخ، جغرافیہ، ریاضی، گرامر اور حکامات وغیرہ سب ہی کچھ ہیں اور آخر میں امتحانی سوالات کا پرچہ بھی دیا گیا ہے، سوالات تو اس میں آپ کی دلچسپی کے اور بھی بہت سے ہیں، مثلاً پانی پت کی پہلی لڑائی کہاں ہوئی تھی؟ مثلث کے چاروں ضلعے برابر کیوں نہیں ہوتے؟ خط نستعلیق خط استوا اور خط وحدانی کا فرق بتاؤ اور محمود غزنوی نے ہندوستان پر سترہ کیا کیے تھے؟ وغیرہ لیکن سید صاحب نے ہمیں وہ کہانی جس سوال کے جواب میں سنائی وہ یہ ہے۔

''کہ تم ان پڑھ رہ کر اکبر بننا پسند کرو گے یا پڑھ لکھ کر اس کا نورتن؟''

☆☆☆

راوی ہیں سید صاحب کہ ایک شخص ایک گرجا کا دربان تھا اور ایک زمانے سے چلا آرہا تھا، کرنا خدا کا یہ ہوا کہ اس کا پرانا پادری مر گیا اور نیا پادری ایسا آیا جسے علم سے بہت محبت تھی، اس نے آتے ہی حکم دیا کہ جتنے ان پڑھ ملازمین اور متوسلین اس گرجا میں ہیں سب برخاست، دربان صاحب بہت گھبرائے اور عرض کیا کہ ''حضور! ہمارے کام میں لکھنے پڑھنے کا کیا دخل ہے؟ ہمیں تو دروازے کی چوکیداری کرنی ہوتی ہے، لوگوں کے جوتے چھاتے ٹوپیاں وغیرہ لے کر رکھنی ہوتی ہیں، اب تک یہ نہیں ہوا کہ اس میں غلطی ہوئی ہو، یعنی ہم نے ایک کی ٹوپی دوسرے کو دے دی ہو، اپنے فیصلے پر نظر ثانی فرمائیں۔''

لیکن نیا پادری چونکہ خود عالم فاضل تھا لہٰذا ان پڑھ ہونے کو نا قابل معافی جرم سمجھتا تھا، نہ مانا اور کہا ''یہ رہی تمہاری تنخواہ کل سے کام پر مت آنا۔''

کہانی یوں چلتی ہے کہ وہ شخص دل برداشتہ ہو کر گرجا سے نکل آیا اور دفع الوقتی کے لئے اسے سگریٹ کی طلب ہوئی، سامنے کی گلی میں کوئی دکان نہ تھی، اگلی گلی میں بھی نہ تھی، اِدھر اُدھر کے چوک بھی خالی تھے، سگریٹ ملا، لیکن کوئی آدھ میل دور جا کر، اس شخص نے سوچا کہ ایسے اور بھی لوگ ہوں کے جن کو سگریٹ کے لئے دور جانا پڑتا ہوگا کیوں نہ سگریٹ کا خوانچہ لگایا جائے۔

صاحبو! اس شخص نے گھوم پھر کر سگریٹ بیچنا شروع کی، اور چونکہ یہ ضرورت کی چیز تھی، اس کی اچھی خاصی بکری ہونے لگی، لوگ دور جانے کی زحمت سے بچ گئے، اس میں ایسی برکت ہوئی کہ اس نے گلی میں چھوٹی موٹی دکنیا کھال لی، پھر وہ دوکان بڑی ہوگئی اور عملہ و ملا بھی رکھنا پڑا، اور یہ شخص چند برس میں مالا مال ہوگیا، اس کے سگریٹ ایک قریبی بینک میں بھی جاتے تھے اور اس شاخ کے منیجر سے بھی اس کی صاحب سلامت ہوگئی تھی، ایک روز منیجر نے پوچھا کہ۔

''تم اپنے پیسے کس بینک میں رکھتے ہو۔''

اس شخص نے بتایا کہ۔

''کسی بینک میں نہیں بلکہ تکیے میں چھپا کر رکھتا ہوں۔''

منیجر نے کہا کہ۔

''ان کو ہمارے بینک میں رکھو، چوری چکاری کا خطرہ بھی نہ ہوگا اور سود بھی ملے گا۔''

اس شخص نے کہا۔

''لیکن میری ایک شرط ہے؟''

''وہ کیا؟''

''وہ یہ کہ میں کسی کاغذ یا چیک پر دستخط نہیں کروں گا۔''

منیجر نے بہت کہا لیکن وہ شخص اپنی شرط پر اڑا رہا چونکہ کئی ہزار پونڈ کے ڈیپازٹ کی بات تھی، منیجر نے یہ عجیب و غریب شرط مان لی۔

اس شخص نے کہا کہ۔

''میں خود ہی جمع کرانے آیا کروں گا اور خود ہی نکلوانے آیا کروں گا، آپ میری شکل اچھی طرح ذہن نشین کرلیں، نہیں تو میری تصویر کھنچوا رکھیں۔''

یوں یہ سلسلہ بہت دن تک چلتا رہا، ایک روز منیجر نے اس سے کہا کہ۔

''سیٹھ بیٹھو! چائے پی کر جانا۔'' وہ بیٹھ گیا۔

منیجر نے کہا۔

''آپ کی شرط تو ہم نے مان لی لیکن آپ اتنی زحمت کیوں اٹھاتے ہیں، دستخط کرنے سے اتنا ڈرتے کیوں ہیں؟ بس چیک پر دستخط کر کے بھیج دیا کیجئے، سب ہی کرتے ہیں، بڑا آسان کام ہے۔''

اس شخص نے کہا کہ۔

''لیکن مجھے دستخط کرنا کہاں آتا ہے، میں تو سراسر ان پڑھ ہوں۔''

منیجر بہت متعجب ہوا اور کہنے لگا۔

''میں آکسفورڈ یونیورسٹی سے اکنامکس کا گریجوٹ ہوں اور میری تنخواہ یہ ہے، آپ کی آمدنی ان پڑھ ہونے کے باوجود میری تنخواہ سے چار گنا زیادہ ہے، اگر آپ پڑھے لکھے ہوتے تو جانے کیا ہوتے۔''

اس شخص نے کہا کہ۔

''میں بتاتا ہوں کہ پڑھا لکھا ہوتا تو کیا ہوتا، میں سامنے کے گرجا کا دربان ہوتا۔'' ☆☆☆

چوبیسویں قسط کا خلاصہ

منیب چوہدری کے خلع کے کیس اور نوٹس پہ عباس اپ سیٹ ہے، وہ ہرگز بھی حرم کو طلاق دینے پہ آمادہ نہیں، ایسے میں اویس اس کا چھوٹا بھائی جو حجاب کا خواہش مند ہے اور حجاب کی نسبت کہیں اور طے ہونے پہ سیخ پا ہے، عباس کو منیب چوہدری کی بات ماننے کا کہہ کر حیران کر دیتا ہے، مگر اس کا منصوبہ جان کر عباس بلا پیش و پس طلاق دے ڈالتا ہے۔

[illegible]

اپنے عزیزوں میں سے کسی نوجوان کا قدر کے لئے انتخاب کر لیتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

پچیسویں قسط
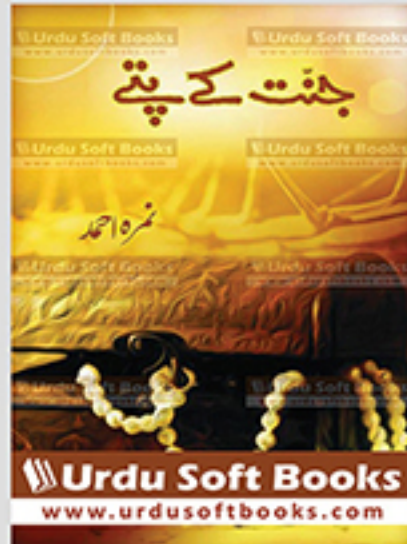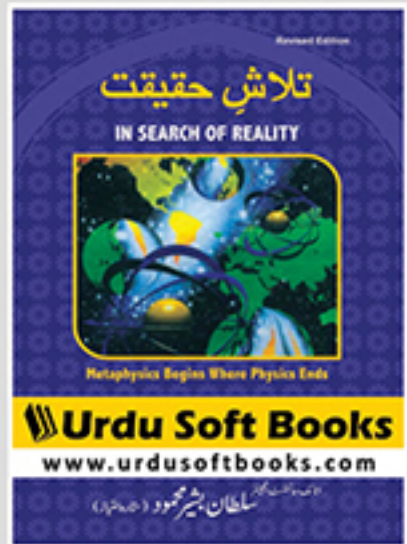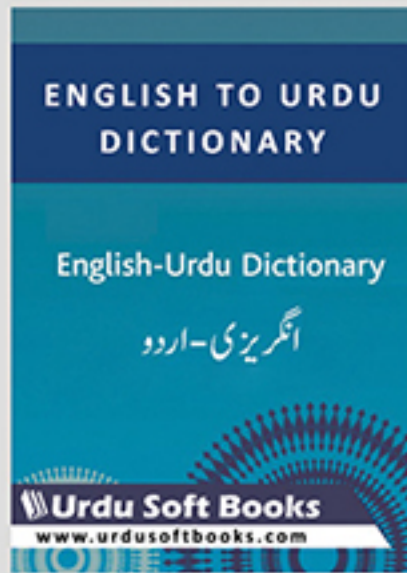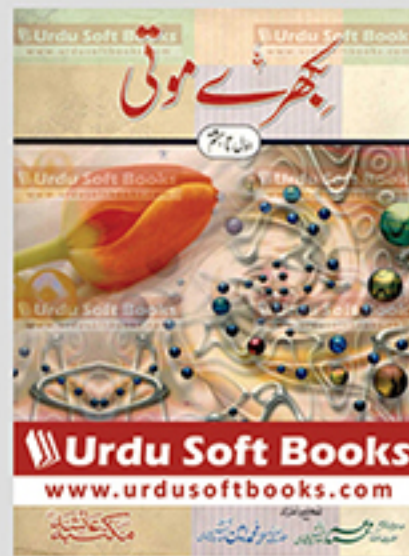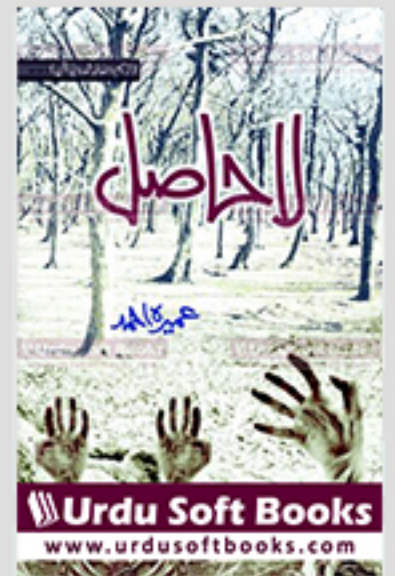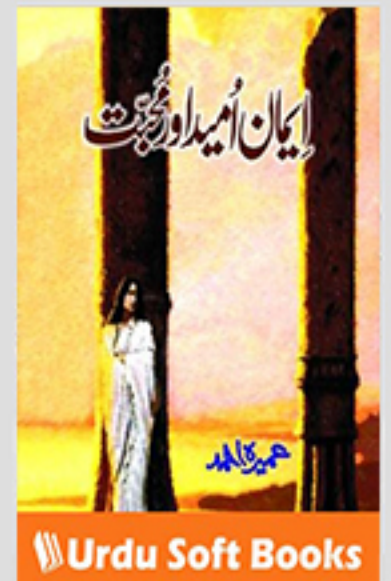
وہ ہنوز سناٹے کی زد پہ تھا، ہنوز غیر یقین، بھونچکا...... ششدر...... کمرے کی فضا میں سناٹا در آیا، یہ خاموشی سلیمان خان کے لئے بہت تکلیف دہ تھی، یہ وقفہ بھی ان کے لئے کسی اذیت سے کم نہ تھا، درمیانی کیفیت...... جس میں دل کی گھبراہٹ عروج پر جا پہنچی ہے، وہ جتنے بھی خاص تھے، اہم تھے، معتبر تھے، مگر اس پل انہیں سرخرو کرنے والا، سامنے سر جھکائے گم صم بیٹھا تھا، انتظار کی زحمت کوفت کی طرف بڑھی تو وہ کھنکارے اور جیسے کوئی طلسم ٹوٹ گیا، کوئی سنہرا ان دیکھا جال تھا جس نے اس کے اعصاب جکڑ لئے تھے، وہ جال ٹوٹا بکھر گیا، وہ حوسوں میں لوٹا تو چہرے پہ تمتماہٹ سی بکھر گئی، آنکھوں میں البتہ غیر یقینی ہنوز تھی، وہ انہیں ڈر کے جھجک کے خائف ہو کے دیکھتا رہا۔

''مجھے لگتا ہے آپ کو میری بات یا تو سمجھ نہیں آئی یا پھر پسند نہیں آسکی، کیوں ایس پی منصف حمدان! ایسا ہی ہے؟'' وہ بولے تو ان کے لہجے میں بھاری پن تھا، حمدان جیسے سناٹے سے باہر آیا، اس کے وجود کو خفیف سا جھٹکا لگا، ایسے گویا خوش بختی کا از خود کھلا دروازہ اس کی غیر معقول غیر یقینی سے بند ہونے جا رہا ہو، ایسے جیسے قسمت نوازتے نوازتے اچانک انداز بدل لے، یوں ہی گویا کوئی معجزہ ہونے کو ہو اور ناشکری کا کوئی انداز معجزے کو مصیبت میں بدل دے، وہ ایسے ہی تھرایا، ایسے ہی سٹپٹایا، گھبرایا، بوکھلایا۔

''نو...... نو سر...... ایسی بات کوئی بھی نہیں، مجھے سمجھ بھی آئی ہے اور بات...... سر...... یہ تو میرے لئے اونر ہے، اعزاز ہے، حیران میں اس لئے ہو گیا کہ آپ اتنا بڑا منصب مجھے عطا کر رہے ہیں، جبکہ مجھے بہت سرسری سا جانتے ہیں آپ۔'' وہ بوکھلا کر وضاحتیں دینے لگا تو سلیمان خان نے گہرا متاسفانہ سرد سانس کھینچا اور خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

''اس منصب کے لئے میں نہیں تمہیں رب نواز رہا ہے منصف حمدان، قسمت کی بات ہے ساری ورنہ میری بیٹی کی تو نسبت بھی بچپن میں اس کے پھپھی زاد سے طے ہو گئی تھی، کچھ مسائل کی وجہ سے مجھے فیصلہ تبدیل کرنا پڑا ہے، آپ کو جتنا جانتا ہوں کافی ہے، آپ کی حب وطنی فرض شناسی رحم لی اور انتھک محنت ہی میرے لئے آپ کی پہچان کے لئے بہت ہیں، مجھے خوشی ہے کہ آپ نے فیصلہ تسلیم کر لیا اور میرا مان نہیں توڑا، جیتے رہو بیٹا!'' وہ اس کا کاندھا تھپک کر مسکرائے، حمدان جھینپ کر مسکرایا، سر جھکا لیا، اس کے اندر عجیب سی سنسناہٹ ہو رہی تھی، پٹاخے سے چھوٹ رہے تھے، ایک دم کچھ کا کچھ ہو گیا تھا، وہ حواس بحال نہیں رکھ پا رہا تھا، اس کا دل انوکھے ارتعاش پر دھڑکنے لگا، بلکہ بے تحاشا بے ہنگم دھڑکنے لگا۔

''آپ چائے لو بیٹے......! اور اپنی فیملی یا فرینڈز میں سے جس کو چاہے انوائیٹ کر لو، فیملی میں سے خاص کر...... بی کوز آپ کے والدین ہونے کے ناطے ان کا یہ حق ہے، ہر کام بہت سادگی سے ہو گا، بی کوز میں سادگی کا ہی قائل ہوں۔'' انہوں نے ملازمہ کا بڑھایا مگ خود اسے پیش کیا، وہ مجحوب سا ہو گیا تھا، جس کے متعلق خواب میں تصور میں بھی ایسا نہیں سوچا تھا، قدرت کی عطا بے بہا کے نتیجے میں وہ پوری کی پوری اس کی ہونے جا رہی تھی، حمدان خواب آسا کیفیت کے زیر اثر آ گیا تھا، وہ وہاں سے نکلا تو اس کے قدم کہاں پڑ رہے ہیں، اسے ہوش نہیں تھی اتنی بڑی خوشی کا اول تو

اسے یقین نہیں آ رہا تھا، آ رہا تھا تو سنبھالنی نہیں آ رہی تھی، اس خوشی کی حفاظت کیسے کرنی ہے اس بات کی بھی اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی، آج سے ایک ہفتے بعد...... اس کا شانزے سے نکاح تھا، ایک ہفتے بعد شادی تھی شانزے سے، یہاں تک کہ کارڈ تک بٹ چکے تھے، شادی کی تیاریاں سب مکمل تھیں، کل اس کے سامنے ہی کنیز نے جہیز کے کپڑوں کا سوٹ کیس تیار کر کے بند کیا تھا، فرنیچر اک دو دن تک اس کے کمرے میں سیٹ کروا دیا جاتا، کمرے کی سجاوٹ کے لئے پھولوں تک کا آرڈر منیب نے بک کروا دیا تھا، اس کی مہندی کی سب تیاری مکمل تھی، ایسے میں وہ بیلے کی کلیوں سے نازک سی لڑکی، جس کا حسن بھور چاندنی کے جیسا اجلا اور بے داغ روشن تھا، اچانک بنا مانگے اس کی جھولی میں ڈالی جا رہی تھی، تو کیا...... وہ پھر بھی نہ ڈرتا...... وہ پھر بھی خائف نہ ہوتا کہ یہ کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو جائے، منیب چوہدری سلیمان خان کے اہم پارٹی رہنما تھے، مگر حمدان کا جو تعلق سلیمان خان سے استوار ہوا تھا، اس میں منیب چوہدری کا کوئی حوالہ کوئی تعلق استعمال نہ ہوا تھا، اس نے اپنی ذاتی حیثیت سے ان سے مراسم قائم کیے تھے، یہی وجہ تھی کہ سلیمان خان منیب کو اس کے والد کی حیثیت سے نہیں جانتے تھے۔

اس نے فیصلہ کیا، وہ منیب چوہدری کو لاعلم رکھے گا، نکاح ہو جانے تک منیب کو اس سارے واقعہ سارے بے حد اہم واقعہ سے لاعلم رکھے گا۔

☆☆☆

ریزہ ریزہ کانچ کی صورت میں بکھر جاتا ہوں
اس کی یاد میں جب حد سے گزر جاتا ہوں
اب گریزاں ہے ملنے سے جو کہتا تھا مجھے
تم سے ملتے ہی میں کچھ اور نکھر جاتا ہوں
روز کھاتا ہوں میں اس کو نہ یاد کرنے کی قسم
روز وعدے سے میں اپنے ہی مکر جاتا ہوں

وہ بے دم بستر پہ پڑی تھی، نیم مردہ، سامنے کھڑکی کھلی تھی اور باہر موسم کے طوفانی مزاج کو اس تک پہنچا رہی تھی، طوفان پچھلے دو گھنٹوں سے جاری تھا، اس میں کوئی کمی نہ آئی تھی، بجلی اسی رفتار سے گویا سر پہ لشکتی تھی، بادل کیسے گرج رہے تھے، آسمان کتنا ہیبت ناک ہو گیا تھا، ایک ایسا ہی طوفان اس کے اندر بھی آیا ہوا تھا، وہ کیسے اس طوفان کی زد میں بے بس ہچکولے کھاتی پھرتی تھی، اس بے درد کی سرد آواز ابھی تلک اطراف میں بکھری تھی۔

''آپ کی مستقل مزاجی کو کیا نام دیں، ہم تو خود شرمندہ ہو جاتے ہیں خولہ بی بی، بس ایک بات کہیں گے، وہ یہ کہ اب بیٹی کی شادی کرنے لگے ہیں، خود کو اس فیز سے باہر نکال لیں کسی دن آپ کی یہ بے اختیاری ہمیں کسی اور نقصان سے ہمکنار نہ کر دے۔'' ان کا لہجہ روڈ زیادہ تھا کہ بے اعتنا...... وہ فیصلہ نہ کر پائی، پہلی بار اپنے صاحب اپنے سجن اپنے یار کے مزاج کے موسم کو پہچاننے سے قاصر ہو گئی۔

''بیٹی......؟ کون سی بیٹی......؟''

وہ بے خیال تھی، حواس باختہ تھی، سوال کیا اور خود ہی ڈر گئی، وہ تو ایسی جوگن تھی جس نے جوگی کے لئے باقی سب کچھ پھونک ڈالا تھا، ایسا منتر پڑھا تھا کہ یار کے سوا سب بھول گئی۔

''صد افسوس...... خیال نہ تھا آپ ایسا سوال بھی کریں گی۔'' ادھر تاسف و ملال کا حال نہ تھا کوئی، ادھر رنج سا رنج تھا۔

''آپ بتائیں صاحب آپ خود شادی کر رہے ہیں؟'' وہ پژمردہ رہ کر بولی، آواز میں کہیں اشتعال بھی تھا، دوسری جانب اس سے بڑھ کر ردعمل سامنے آیا جتنا بھی وہ اس کی خفگی کا تصور کر سکتی تھی۔

''اگر کر بھی رہے ہیں تو آپ سے مطلب؟'' انہوں نے اکتاہٹ سے بے زاری سے جواب دیا تھا، وہ گنگ رہ گئی، اس سے بڑا دکھ اور کوئی نہیں کہ جسے آپ اپنا سب کچھ مانیں جس کی خاطر سب کچھ دان کر دیں حتی کہ زندگی بھی زندگی کی ہر خوشی بھی اپنی ذات تک، وہ آپ سے ایسے لاتعلق ہو، ایسے لاپرواہ یا پھر بے زار ہو، اس سے بڑا دکھ ہو سکتا ہے؟ نہیں اس سے بڑا دکھ کوئی نہیں ہو سکتا۔

''صاحب ہم سے غلطی ہو گئی تھی، آپ ہمیں معاف بھی کر سکتے تھے، آپ نے ہماری غلطی کو ہماری سزا بنا دیا، اب ہماری جگہ کسی اور کو کیسے دے سکتے ہیں، ایسا نہ کریں پلیز۔'' وہ روتے ہوئے بے حال ہونے لگی، دوسری جانب وہ چڑ چڑے سے ہو گئے، یہ جانے بنا کہ وہ عورت ڈر کی کیسی ناقابل بیان کیفیت میں مبتلا ہے، وحشت کی کس انتہا پہ جا پہنچی ہے۔

''آپ پاگل ہو چکی ہیں ٹوٹلی...... ورنہ آپ کم از کم آپ کا ایسی باتیں کرنا بھاتا نہیں ہے۔'' آج وہ غصے میں تھے، بہت بے لحاظ بول رہے تھے، ورنہ انہوں نے ہمیشہ بہت رسان سے تحمل سے بات کی تھی، دل کا خیال کرتے ہوئے، مگر اس پل یہ سارے احساس مفقود تھے، اس کی آنکھیں آنسوؤں سے دھندلا گئیں، بالکل ویسے جیسے گلاس ونڈو کے پار دھند کی دبیز چادر میں لپٹے اونچے اونچے یوکلپٹس کے درخت اپنے خدوخال نمایاں کرنے میں ناکام تھے، تیز سرد ہوا رگوں کو کاٹتی تھی، وہ تھکے قدموں سے چلتی کھڑکی تک آئی اور کھڑکی کھول دی، درختوں میں سرسراتی تیز ہوا اور دبیز دھند کے سوا وہاں کوئی نہ تھا، اس نے ہاتھ اٹھا کر آنسو صاف کیے، رستے سے دھند چھٹ رہی تھی اور سڑک کے اصراف کھڑے درختوں کے ہیولے نمایاں ہونے لگے تھے، معاً ٹپ ٹپ بوندیں گرنے لگیں، اس کی سماعتوں پہ کھڑکی پہ دستک دیتی بارش کی آواز ٹکرائی، بارش اور تاریک رات اسے آج بھی خوفزدہ کر دیتی تھی، اس نے جھرجھری سی لی نگاہ نہ چاہتے ہوئے بھی باہر چلی گئی، اونچے لمبے درخت بارش اور ہواؤں کی زد میں آگے آگے کو جھکے جا رہے تھے، خوف مزید دل میں جاگزیں ہوا برس ہا برس قبل ایسا ہی موسم تھا، چھاجوں مینہ برس رہا تھا، ہواؤں کا شور اور کڑکتی بجلی ساون جاتے جاتے اپنا رنگ دکھا رہا تھا، رات کی بارش کتنی خوفناک ہوتی ہے، اوپر سے مون بھی گھر پہ نہ تھا، وہ اسے فون کر کر کے ہاری مگر رسپانس نہیں ملتا تھا، خوف اور وحشت کا احساس ایسا شدید کہ وہ ان کے آنے تک ہوش کھو چکی تھی۔

کتنی نازک مزاج تھی وہ...... اور وہ اس کی نازک مزاجی سے ذرا بھی نہ گھبراتا تھا، نہ گھبرانے

والا اب جڑنے لگا تھا، وہ بدل گیا تھا، وہ کیوں نہ بدل سکی، وہ تو وہی تھی، دیوانی..... وہ تو ویسی ہی تھی،..... جنونی..... کہ۔

مانگے تو اگر جان بھی
ہنس کر تجھے دے دیں
تیری تو کوئی بات بھی
ٹالی نہیں جاتی.....
آنکھوں سے میرے اس لئے لالی نہیں جاتی
کوئی شام بھی تیری یاد سے خالی نہیں جاتی

اس نے فون بند کر دیا، پہلی بار اس عہد کے ساتھ کہ اب وہ اس ستمگر کو یاد نہ کرے گی، ایسے نہ کرے گی کہ اس کی بے اعتنائی سہنی پڑے، اس کی جھڑکیاں سننا پڑیں، کتنا مشکل تھا یہ..... دل پھٹتا تھا۔

یہ اب جو موڑ آیا ہے
یہاں رک کر
کئی باتیں سمجھنے کی ضرورت ہے
سنا ہے ریگ صحرا کے سفر میں
راستے میں دو قدم بھٹکیں
تو منزل تک پہنچنے میں
کئی فرہنگ کی دوری نکلتی ہے
سو اب جو موڑ آیا ہے
یہاں رک کر
کئی باتیں سمجھنے کی ضرورت ہے

دل فریاد کناں تھا مگر وہ قائم رہنا چاہتی تھی اپنے فیصلے پہ جانتی بھی تھی کہ پلٹنے کا راستہ نہیں، وہ آگ بھرا ہے، جل چکا، خاک اڑتی ہے، آگ راستے پہ برف جم چکی ہے، وہ برف پہ چلتی رہی تھی، پاؤں زخمی تھے، خوں آلود مگر چلتی تھی، فیصلہ کٹھن تھا، بہت کٹھن، اس کی سانس اکھڑنے لگی، کھانسی کا بہت شدید حملہ ہوا تھا، آنکھوں سے جو بے تحاشا آنسو بہہ رہے تھے، اس میں اس کی بے بس بے کسی اور نارسائی کا کرب اور حقیقت کی سفا کی کی اذیت رقم تھی۔

اب کے مجھ کو دیکھ کر وہ دیکھتا رہ جائے گا
اس قدر بدلیں گے خود کو وہ سوچتا رہ جائے گا
میرے چہرے پر بھی ہوں گے بے رخی کے زاویے
ایسا ہے کہ مجھ کو مجھ میں ڈھونڈتا رہ جائے گا
اس کی گلی سے گزر میرا اب کبھی ممکن نہیں
وہ اپنے گھر کی کھڑکیوں سے جھانکتا رہ جائے گا

کیوں آنسوؤں کی دھول میں زندگی کو جھونک دوں
دل کا کیا ہے ٹوٹتا ہے ٹوٹتا رہ جائے گا

آج وہ ماتمی لباس پہننے والی تھی، صاحب کی قبر بنانے والی تھی، آج قصہ تمام ہوا تھا، آخری بار رونا تو اس محبت کا حق تھا، جو اس نے پاگل پن میں کی تھی، ہاں آخری بار حق بنتا تھا اور وہ خائن نہ تھی کہ بد دیانتی کرتی وہ حق ادا کر دینا چاہتی تھی۔

☆☆☆

سنا ہے ایک عمر ہے
معاملات دل کی بھی
وصال جاں فزا تو کیا فراق جاں گسل کی بھی
سو ایک روز کیا ہوا وفا پہ بحث چھڑ گئی
میں عشق کو امر کہوں وہ میری ضد سے چڑ گئی
میں عشق کا اسیر تھا وہ عشق کو قفس کہے
کہ عمر بھر کے ساتھ کو وہ بدترین ہوس کہے
شجر حجر نہیں ہیں ہم کہ ہمیشہ پاگل رہیں
نہ ڈھور ہیں کہ رسیاں گلے میں مستقل رہیں
محبتوں کی وسعتیں ہمارے دست و پا میں ہیں
بس اک در دے نسبتیں مکان و مکاں میں ہیں
میں کوئی پینٹنگ نہیں کہ اک فریم میں رہوں
وہی جو من کا گیت ہو اس کے پریم میں رہوں
تمہاری جو بھی سوچ ہو میں اس مزاج کا نہیں
اسے وفا سے بیر ہے یہ بات آج کی نہیں
نہ اس کو مجھ پر مان تھا نہ مجھ کو اس پہ زعم ہی
جو عہد ہی کوئی نہ ہو تو کیا غم شکستگی
سو اپنا اپنا راستہ ہنسی خوشی بدل نہ لیں
وہ اپنی راہ چل پڑے میں اپنی راہ پہ چلوں
بھلی سی ایک شکل تھی بھلی سی ایک دوستی
اب اس کی یاد رات دن نہیں مگر کبھی کبھی

دوپہر ڈھل رہی تھی اور دھوپ کی تیزی ہنوز برقرار تھی، اس نے تھکے انداز میں دریا کے ویران کنارے بیٹھ کر اپنا ہاتھ ٹھہرے ہوئے پانی میں ڈالا، جو اس کی طرح جامد اور بے تاثر تھا، سفیدے اور سرد کے درختوں کے درمیان دریا کا پانی ڈھلتی دوپہر کی پر حبس دھوپ میں لمحہ بھر کو چمکتا دکھائی دیتا اور پھر وہی بے شباتی چھا جاتی، کچھ فاصلے پر سرخ سیبوں سے لدا باغ تھا، وہ کب کا یہاں بیٹھا تھا، دل مضمحل اور اعصاب شکستہ لئے، خود کو سمجھا سمجھا کر بھی تھک گیا کہ وہ نصیب میں ہی

نہ تھی، اول روز سے ہی اس کا نام اس کے ساتھ کسی بھی انداز میں جڑ نہ پایا تھا، حتیٰ کہ محبت کے راستے پہ چلنے کو بھی دونوں کے دل ایک ساتھ نہ دھڑک سکے۔

ساتھ والے حلیم صاحب متعدد بار اس سے اچھے رشتے کے لئے کہہ چکے تھے، چھ بیٹوں کے باپ پہ بھاری ذمہ داریاں تھیں، ریٹائرڈ فوجی تھے، گزر بسر کا ذریعہ پنشن کے علاوہ گھر کی بیٹھک میں کھولی کریانے کی معمولی سی دوکان تھی، یا پھر بچیاں سلائی کڑھائی کے ہنر سے جو جمع کرتیں جہیز بنانے پہ لگا دیتیں، بہت شریف آدمی تھے، صوم وصلوٰۃ کے پابند...... عمر سے جتنی بار بھی مناسب رشتے کا کہا اس نے ان کی مدد کا یقین دلا دیا، کل انہوں نے ایک بار پھر اسے اپنی دوکان پہ ہی آواز دے کر پاس بلا لیا تھا۔

''کیسے مزاج ہیں عمر صاحب؟'' انہوں نے پرتپاک مصافحہ کرتے اندر کی سمت منہ کر کے چائے بجھوانے کا کہا، عمر نرمی سے مسکرانے لگا۔

''الحمدللہ! لیکن پلیز چائے کے لئے زحمت نہ کریں میں ابھی کھانا کھا کر نکلا ہوں چائے تو کھانے کے بعد لازمی پیتا ہوں۔''

''ایک چائے سے کیا فرق پڑ جاتا ہے، چلیں میں ٹھنڈا نکالتا ہوں۔'' وہ اٹھ کر کھڑے ہونے لگے تو عمر نے بے اختیار ان کا بازو پکڑ لیا۔

''پلیز...... اس وقت گنجائش نہیں، پھر کبھی ضرور پیئوں گا، آپ محسوس نہ کریں۔'' اس کے لہجے میں اصرار تھا، حلیم صاحب کو واپس بیٹھنا پڑا۔

''دیکھ لو بیٹے! آپ ہر بار تکلف برت جاتے ہو۔'' وہ بے دل ہوئے تھے عمر بے ساختہ ہنسا۔

''ایسی ہرگز بات نہیں ہے بزرگوار...... کام کاج سنایئے کیسا جا رہا ہے؟''

دور کھیتوں کے اوپر سورج کی سرخ سی گیند نیلے آسمان پر واضح تھی، چڑیوں کے غول پلٹ کر اپنے آشیانوں کی طرف لوٹ رہے تھے، وہ انہی پرندوں کو دیکھ رہا تھا جو نارنجی سورج کے سامنے سے گزرتے تو اسی رنگ میں رنگے محسوس ہونے لگتے، حلیم صاحب اس کی دلچسپیاں پوچھ رہے تھے، وہ بے دھیانی میں جواب دیئے گیا، اس کے بعد وہ فیملی کی طرف آ گئے۔

''آپ کے والدین کا تو انتقال ہو چکا، اللہ جوار رحمت کرے انہیں، فیملی میں دور نزدیک کوئی تو ہوگا بیٹے؟''

''جی بس ایک خالہ ہیں۔'' عمر نے گہرا سانس بھرا، وہ جیسے مطمئن ہوئے۔

''اچھا مگر انہیں کبھی دیکھا نہیں آتے جاتے۔''

''آئی تھیں کچھ عرصہ قبل۔''

''اچھی بات ہے، اب کے آئیں تو ملوانا ہمیں بھی، کچھ بات کرنی ہے۔'' اب کے وہ مسکرا رہے تھے، عمر پہلی بار چونکا۔

''خیریت؟''

''ہاں بیٹے...... الحمدللہ بالکل خیریت۔'' وہ کھل کر مسکرانے لگے۔

عمر بچہ نہ تھا، سمجھ گیا وہ کیا چاہتے ہیں، اس روز وہ بہت مضطرب رہا، ایک تو لائٹ نہیں تھی

دوسرا آسمان تاریک ہو چلا تھا، ملگجے اندھیرے میں اندر کمرے کی دیوار پہ لگے کلاک میں وقت ٹھہرا ہوا لگ رہا تھا۔

وہ خود کو تھکا ہوا پژمردہ محسوس کرنے لگا، کیا وہ ایک پر امید بزرگ کی امید کو توڑ دیتا؟ وہ خود کو اتنا کم ظرف کیسے کرتا، ساری رات وہ جاگا۔

اگلے دن بارش صبح سے ہونے لگی، کمرے میں بیٹھا وہ بارش کی آواز سنتا رہا تھا اس نے مڑ کر صحن کی طرف دیکھا، بارش کے گدلے پانی میں تنکے کاغذ کے ٹکڑے بسکٹ وغیرہ کے ریپر تک بہلے چلے آرہے تھے۔

''وہ حلیم صاحب کو کیا جواب دے؟ جنہوں نے آج ڈھکے چھپے الفاظ میں مدعا بیان کیا تھا تو کل کھل کر بات کریں گے۔''

سوال اپنی جگہ اٹکا تھا، ذہن بھی اس میں الجھ رہا تھا، خاص دیر الجھتا رہا، یہاں تک کہ بارش برس برس کر تھم بھی گئی، اب بوندوں کی ہلکی پھلکی کن من پھوار کی صورت اترتی دکھائی دیتی تھی، اس نے ہونٹوں کے درمیان سلگتا سگریٹ نکال کر پھینکا جوتے تلے مسل دیا۔

''تم نہیں تو کوئی بھی سہی، اس سے کیا فرق پڑتا ہے حجاب بیگم۔'' فیصلہ ہو گیا مگر اضطراب بڑھ گیا تھا، اضطراب کا کیا تھا آخر ایک روز ڈھل ہی جاتا اس نے خود کو تسلی دے لی تھی۔

☆☆☆

ہمیں چھوڑ چھاڑ کے بھیڑ میں
اب کس لئے ہو پکارتے
یہ جو ہجر ہے یہ تو روگ ہے
یہ جو روگ ہے یہی ہجر ہے
تو یہ طے ہوا کہ کبھی کبھی
کوئی خواب دیکھ کے روئیں گے
کبھی یاد آیا جو دشت دل
تو سحاب دیکھ کے روئیں گے
یہ کتاب دیکھ کے روئیں گے
جو ڑے ہوئے ہیں بہار کے
وہ گلاب دیکھ کے روئیں گے

سگریٹ ان کے ہاتھ کی انگلیوں میں پھنسا سلگ سلگ کر ختم ہوتا رہا تھا مگر توجہ کی بھیک میسر نہ تھی، ویسے ہی جیسے انہوں نے اس سوالی بن جانے والی کو توجہ سے نوازنا ترک کر ڈالا تھا، وہ جسے ہر مان ہر احساس بخشتا تھا، بے اعتنائی پہ اترے تو حد کر دی، وقت اگر پلٹتا پیچھے مڑ سکتا تو دیکھا جا سکتا تھا، کیسے کیسے حسین لمحات دونوں کی زیست کو مہکا کے گزر چکے تھے۔

''آج آفس نہ جائیں پلیز۔'' اس کو ان پہ زیادہ لاڈ آتا تو پہلی فرمائش آفس سے آف کرنے کی ہوا کرتی، مون اس روز بہت اہم میٹنگ میں شامل ہونے والے تھے، جبھی مان کر نہ دیتے

تھے۔
''میری طبیعت بالکل اچھی نہیں صاحب! مذاق نہ سمجھیں رک جائیں۔'' وہ اس کے پیروں میں بیٹھی تھی جوتے موزے ضد کرکے خود پہنایا کرتی، مگر آج پہنے ہوئے بھی اتار رہی تھی، مچلتی تو بچوں کو مات دے جایا کرتی۔
''خولہ ضد نہیں کرتے ہر وقت...... مذاق کا یہ وقت نہیں نہ ناراضگی دکھانے کا، آپ کو منانے بیٹھ گیا تو آفس سے چھٹی سمجھو۔'' وہ ٹائی کی ناٹ کستا ہوا، سرسری انداز میں بولا، پیر پیچھے کھینچ لئے کہ اس کی پہنچ سے دور ہوتا، مگر اسے لگا وہ اس کی پہنچ سے دور نہیں ہو سکتا۔
''نہ یہ ناراضگی ہے نہ ضد، بس آج آپ کو ہر صورت روکنا ہے۔'' وہ ضد کرکے بھی ضد مان نہیں رہی تھی۔
''یکا یک بلکہ راتوں رات یہ کیسی ہڑک اٹھی ہے کہ ابھی فیصلہ سنا رہی ہو اور اپنے بیچارے سرتاج کو بتانا بھی گوارا نہ کیا۔'' وہ ہارے ہوئے انداز میں گہرا سانس بھر کے بولا، خولہ سمجھ گئی جیت اس کی ہوتی ہے ناز سے گردن اکڑا کر مسکرانے لگی، فون بہت اسٹائل سے اس کی جانب بڑھایا۔
''منع کریں میٹنگ سے کہ نہیں آسکتے۔'' مون نے فون لے لیا، مصنوعی تاسف سے گہرا سانس بھرا۔
''ہاں جی، منع ہی کریں گے، کہیں گے، نہیں آسکتے، ابھی اپنی بیوی کا جی لگانا ہے، یہ آفس وغیرہ کا نمٹنا پھر سہی۔'' وہ اسے دیکھتا ہوا شرارت سے بولا، جواب میں اس کے چہرے پہ کتنے ہی رنگ بکھر گئے تھے، حسین، دلفریب، دھنک جیسے۔
''ہمیشہ ایسے ہی اچھے رہا کریں نا صاحب۔'' وہ ان کے کاندھے سے لگ گئی، ناز سے گویا ہوئی، اس نے اک نگاہ اسے مسکرا کر دیکھا۔
''ایسا ہی اچھا ہوتا ہوں میں ہمیشہ۔''
''جی نہیں۔''
''جی ہاں۔'' وہ بھی اس کے انداز میں جواب دے کر تکرار کرنے لگا تو وہ بے ساختہ کھلکھلائی، ہنسی کی یہ جھنکار ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کی سماعتوں میں محفوظ ہوگئی، قدر بالکل ویسے ہی کھلکھلایا کرتی تو اسے جانے کیوں وہ کٹھور بے حس عورت بھی یاد آجاتی۔

آج آئی ہے لب ساز پہ جھنکار کی بات
اس میں پیکار کے قصے ہیں نہ تلوار کی بات
صرف اک گمشدہ فردوس کا افسانہ ہے
صرف اک پاس سے گزرے ہوئے کردار کی بات
چونکتی صبح کے چہرے پہ خمار یک نشب
چاندنی رات میں خیام کے اشعار کی بات
جس کو چھو بھی نہ سکے کوئی سمجھ بھی نہ سکے
اتنی نازک ہے تیرے روپ میں تیرے پیار کی بات

''جی صاحب! آپ نے بلایا؟'' ان کو چونکانے کا باعث آیا ماں کی آواز تھی، جو دستک دے کر مخل ہو چکی تھیں، انہوں نے سرد آہ بھری اور سگریٹ ایش ٹرے میں مسل ڈالا۔

''قدر کو میرے پاس بھیجیں اور ہاں، آج شام کو قدر کا نکاح ہے، بشیر کو میں نے ہدایات دے دی ہیں سب، بالکل سادگی سے ہوگا سب کچھ، باقی آپ سنبھال اور دیکھ ہی لیں گی۔''

آیا ماں کا تو منہ کھل گیا، جبکہ وہ کتنے نارمل انداز میں بات مکمل کر کے اٹھ کر یوں الماری کھول کر کھڑے ہو گئے، جیسے معمول کے مطابق کہا ہو، کھانا لگا دیں، یا فون چارجنگ پہ لگایا ہے اتار کر مجھے دے دیں وغیرہ وغیرہ، آیا ماں کچھ دیر اسی عجب سی کیفیت میں مبتلا رہیں پھر چونکیں، افتاں و خیزاں باہر نکل گئیں، ان کے چہرے پہ کتنے ہی رنگ تھے، حیرت کے، بھولی بسری خوشی کے، اچانک آ پڑنے والے اپنی اس ننھی پری سے جدائی کے ملال کے رنگ، ان کے لئے تو قدر ہی ان کی کل کائنات تھی، زندگی میں جتنا قدر نے انہیں ستایا زچ کیا تنگ کیا تھا، انہوں نے اتنی ہی اس سے محبت کی، اتنی ہی اس پہ جان لٹائی، بچپن میں جب وہ اپنے ننھے ننھے پیروں پہ بھاگتی ہوئی آ کر ان کے گلے میں اپنے گداز بازو حمائل کرتی اور گلابی رسیلے ہونٹوں سے ان کے چہرے پر نرم بوسہ ثبت کرتی تو ان کے اندر سکون اتر آیا کرتا، انہیں لگتا نئے کھلنے والے گلاب نے انہیں چھوا ہے، ان کا گال مہک جاتا، تپتی دوپہر میں یکلخت چھا جانے والے بادل، اچانک برس پڑنے والی بارش اور فرصت کے لاتعداد احساس ان کے اندر جنم لیتے، اس پل خوشی سے بڑھ کر اداسی کا احساس اندر جاگزیں ہوا تھا، گو کہ وہ بڑی ہو گئی تھی، جانتی تھیں اک دن شادی بھی ہو گی مگر اتنی اچانک، ابھی تو ان کے خیال میں بہت چھوٹی تھی وہ، بیس کی بھی پوری نہ ہوئی تھی، انہیں لگا صاحب جلدی اور اچانک فیصلہ کر رہے ہیں، ملول ہونے کی اصل وجہ بھی یہی تھی۔

بہت دھیمے قدموں سے وہ اندر آئیں، بہت آہستگی سے بغیر دستک دیئے دروازہ کھول دیا، وہ سامنے ہی کھڑی تھی، کھڑکی کے پاس، کھلی کھڑکی سے باہر دیکھتی ہوئی، وہ انہیں اداس لگی، بہت اداس۔

اس کھڑکی سے فٹ پاتھ کا ایک حصہ جس کے کنارے کوئی قدیم درخت جھکا ہوا نظر آتا تھا، وہ کب سے اس زاویئے پہ کھڑی اس قدیم درخت کو فٹ پاتھ کے اس حصے کو بارش میں بھیگتا ہوا دیکھتی رہی تھی، کبھی کسی گزرنے والے کے قدم ذرا سی دیر کو بارش کے پانیوں میں رستہ بناتے اور غائب ہو جاتے، صبح سے بارش وقفے وقفے سے جاری تھی، کبھی تیز تو کبھی آہستہ، آیا ماں کی سمت ایک سرسری نگاہ ڈالی اور پھر سے نظریں باہر نکا دیں۔

''بٹیا رانی! صاحب بٹا آپ کو بلاتے ہیں۔'' آج ان کے لہجے میں انداز میں نظروں میں کہیں زیادہ پیار اور لگاوٹ تھی کیوں تھی قدر نے محسوس تک نہ کیا۔

''خیریت......؟ پپا گھر پہ ہیں؟'' وہ حیران سی حیران ہوئی، آیا ماں نے صرف سر ہلایا، وہ ہنکارا بھر کے کچھ سوچنے لگی پھر بیڈ پہ پڑا اپنا دوپٹہ اٹھا کر اوڑھتی باہر نکل آئی، آیا ماں وہیں کھڑیں ملول نظروں سے اسے دیکھتی رہیں، یہ سوچ کر پریشان کہ ان کی بچی پہ یہ خبر جانے کس انداز میں اثر کرے، قدر باپ کے کمرے کے باہر بند دروازے پہ وہ کچھ دیر ٹھہری، آہستہ بالکل آہستہ دستک

دی۔

''آ جاؤ بیٹے! آپ کا ہی انتظار کر رہا ہوں۔'' اندر سے ان کی بھاری بوجھل آواز سنائی دی تو اس نے دروازہ دھکیل دیا تھا۔

''السلام علیکم پپا!'' وہ انہیں دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کرنے لگی۔

''وعلیکم السلام، جیتی رہو۔'' انہوں نے اٹھ کر اس کی پیشانی چومی، سر پہ ہاتھ رکھا بلکہ اپنے ساتھ لگا لیا، وہ ایک دم جیسے تروتازہ ہو گئی، مہک اٹھی، باپ کی توجہ باپ کا پیار اسے یونہی کھلا ہوا گلاب کر دیا کرتا تھا، بچپن سے وہ محرومی کاٹتی آئی تھی، آس پاس جتنے بچوں کو دیکھتی ان کی زندگی اس سے یکسر مختلف تھی، نخرے اٹھاتا باپ، منتیں کرتی ماں، اس کے پاس کچھ نہ تھا، لڑتا جھگڑتا مگر پیار کرنے والا بھائی، خیال رکھنے والی بہن، اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔

''مجھے معلوم ہوتا آج آپ گھر پہ ہیں تو ناشتہ آپ کے ساتھ کرتی۔'' وہ ان کے ساتھ لگی لگی صوفے پہ آ بیٹھی، انہوں نے ہنکارا بھرا۔

''ہم کھانا اکٹھے کھائیں گے بیٹے۔'' وہ شاید مسکرائے، اسے شائبہ سا ہوا۔

''رئیلی؟'' وہ خوش ہوئی، بے تحاشا خوش ہوئی۔

''آپ سارا دن گھر پہ ہوں گے پپا۔'' انہوں نے اثبات میں سر ہلایا اور جیسے کچھ سوچنے لگی۔

''آپ نے کہا تھا آپ علی شیر سے شادی نہیں کرو گی۔'' انہوں نے ایک دم اسے مخاطب کر لیا، وہ چونکی، ٹھٹھکی اور انہیں ڈر کر دیکھنے لگی، کمرے میں خاموشی اور معنی خیز سناٹا پھیل گیا، اس کا سہما سہما دل اس خاموشی سے قطرہ قطرہ خوف کشید کر رہا تھا، وہ کسی میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھی، اب اس کے ہاتھ ساکن تھے، اب وہ منتظر تھی ان کی اگلی بات کی جو جانے کیا تھی مگر اس کا خدشات کا بوجھ لئے لرزتا دل گواہی دیتا تھا، خیریت نہیں تھی، اس کے لئے اچھی خبر نہیں تھی۔

''ہم آپ کی علی شیر سے شادی نہیں کر رہے بیٹے، مگر ہم آپ کی شادی کر رہے ہیں۔'' انہوں نے بم پھوڑ دیا، وہ پھر خاموش ہو گئے، اس کے ردعمل کے انتظار میں شاید، مگر وہاں صرف خاموشی تھی اور ہوا سے پھڑ پھڑاتے میگزین کے صفحے، اس کے تاثرات مبہم سے لگے انہیں، شاید وہ ان کی بات سمجھنے سے پک کرنے سے قاصر رہے تھی، یا پھر اس کے احساسات یکدم جامد ہو گئے تھے، وہ سمجھ نہیں سکے اور اپنی بات جاری رکھی۔

''میں سمجھتا ہوں آپ کے لئے باپ ہونے کی حیثیت سے بہترین فیصلہ بہترین انتخاب کیا ہے، ابھی شاید آپ کو میرا فیصلہ اور انتخاب دونوں بھلے محسوس نہ ہوں مگر ایک وقت آئے گا آپ کو خود احساس ہو گا کہ......''

''ایسا نہ کریں پپا......! پلیز۔'' وہ جیسے ایک دم اس شاک سے نکلی اور سسک پڑی، انہوں نے اک نگاہ اس کے متغیر چہرے کو دیکھا اور گہرا سانس کھینچا۔

''خود کو نارمل رکھو بیٹے، آپ سلیمان خان کی بیٹی ہو، جس کے اسٹیمنے کی اک دنیا گواہ ہے، ہر فیصلے میں خیر پوشیدہ ہوتی ہے، اس خیر کو تلاش کر کے مطمئن ہونا چاہیے، زندگی اتنی ارزاں نہیں کہ یوں ناامیدی پہ لگا دی جائے، اندھیرے ہر سو پھیل جائیں تب بھی روشنی کی امید رکھنی چاہیے۔''

اس نے جیسے سنا ہی نہیں، اس نے جیسے سمجھا ہی نہیں، اس کی آنکھوں میں ہر سو دھند پھیلتی جا رہی تھی، وہ بار بار آستین سے آنکھیں رگڑتی مگر پھر آنسو آ جاتے، یہ کیا ہو گیا تھا، اتنا بڑا نقصان، اس نے یہ تو کبھی نہیں چاہا تھا کہ علی شیر اس سے ایسے چھن جائے، ایسے کھویا جائے یوں دور ہو جائے کہ پھر ملنے کی امید بھی باقی نہ رہے، وہ اسے ڈھونڈتی پاگل ہو جائے، اک وحشت کے عالم میں وہ یکدم اٹھ کر کھڑی ہو گئی، سلیمان خان نے چونک کر اس کی غیر ہوتی حالت پہ نظر کی، اس نے ہاتھ سے میگزین اور اچھال دیا تھا، صفحے پھڑ پھڑائے اور ساکت ہو گئے، میگزین اوندھا گرا تھا۔

''میں آپ کا یہ فیصلہ نہیں قبول کر سکتی پپا، اسے بدل دیں، پلیز بدل دیں۔'' وہ ہچکیوں سے رونے لگی، آنسو اس کی پلکوں سے بند توڑ کر کسی ریلے کی طرح بہہ نکلے، ہر انداز سے وحشت مترشح تھی، سلیمان خان کی آنکھوں سے تشویش جھلکی، البتہ ماتھا شکنوں سے اٹ گیا ہونٹ بھینچ گئے، چہرے پہ تناؤ آ گیا، باہر پتھریلے فرش پہ بارش تابڑ توڑ برس رہی تھی، اندر اس کے آنسو، نہ ماربل کے فرش کو کوئی نقصان پہنچتا تھا نہ سلیمان خان کے فیصلے میں آنسوؤں سے ترمیم آتی تھی۔

''آج شام نکاح ہے، کچھ دیر میں بیوٹیشن آ جائے گی، تیاری میں کس قسم کی ضد نہیں دکھانا قدر، یاد رہے یہ میری عزت کا معاملہ ہے اور میری عزت اس وقت تمہارے ہاتھ میں ہو گی۔'' انہوں نے ایک اور بم گرایا وہ سکتے میں آ گئی، سناٹے میں گھر گئی، اس نے چاہا وہ خود کو نارمل رکھے مگر اندر کہیں وحشت کا جنگل اگ آیا تھا، کانٹے دار جنگل، دکھ اور بے بسی بے کسی لاچاری کا احساس اسے کچوکے لگانے لگا، اب اسے سمجھ آئی تھی، ساری رات اس کی بے چینی اور اضطراب میں کیوں کٹی تھی، ذرا آنکھ اگر لگتی بھی تو ڈراؤنے خواب نظر آنے لگتے، کبھی وہ جنگل میں راستہ بھولتی تو کبھی لق دق صحرا میں ننگے پیر دوڑتی پھرتی۔

''آپ مجھے سزا دینا چاہتے تھے پپا، آپ نے مجھ سزا دے دی، مگر کاش آپ اس سزا کی تجویز کا حق مجھے دیتے تو میں اپنے لئے موت تجویز کرتی، آپ مجھے کسی اندھے کنویں میں پھینک دیتے مگر یہ سب نہ کرتے؟'' وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی پلٹ کر بھاگتی وحشت بھرے انداز میں پھر اپنے کمرے میں آ گئی، اس نے وحشت زدہ ہو کر دروازہ بند کر دیا اور بلکنے لگی۔

''میں مر جاؤں گی، میں خود کو مار لوں گی پپا، مگر آپ کو جیتنے نہیں دوں گی۔'' وہ چلائی تھی اور پاگلوں کی طرح کوئی ایسی چیز ڈھونڈنے لگی، جس سے خود کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکے۔

☆☆☆

بنو بیٹھی ہے کمرے میں
ہنسی ہے من من میں
سجن گھر جانا ہے
لاؤ ری لاؤ شگنوں کی مہندی
مہندی لگا کے وداع کر دو
پھولوں سے گلا بھر دو
سجن گھر جانا ہے

سجن گھر جانا ہے
اونچی آواز میں اس نے خود ہی آڈیک پہ گیت لگا رکھا تھا اور پورے گھر میں لہکتی پھر رہی تھی، کنیز دیکھتیں تو کبھی اس کی خوشی محسوس کر کے مسکرا دیتیں کبھی فضول حرکتوں پہ شرمندہ ہو کر نظریں چرانے لگتیں، ایک گلہ بھی آیا دل میں غانیہ نے کیسی تربیت کر دی اس بیٹی کی، جبکہ اپنی دونوں بیٹیاں تو یکسر مختلف مزاج رکھتی ہیں، میری بیٹی سے کیا دشمنی نکالی، اتنا خیال نہ آیا، صرف تربیت کا اثر رنگ نہیں جماتا، اک فطرت بھی ہوا کرتی ہے، جس کا رنگ اتنا گہرا ہوا کرتا ہے، کہ اس پہ دوسرا کوئی رنگ چڑھتا ہی نہیں۔
ہائے نی میرا بالم
ہائے بڑا ظالم
مینوں کدی وی نئیں کردا پیار
ہائے نی میرا بالم
ہائے بڑا ظالم
وہ چونک گئیں، ان کی لاڈلی پراندہ لہراتے ہوئے ناکام شرمانے کی کوشش کرتی گنگنا رہی تھی، انہوں نے گہرا سانس بھرا اور نظریں چرالیں۔
''بیبو چائے پیئیں گی؟'' حرم کچن سے پکار کر پوچھ رہی تھی، انہوں نے فی الفور آمادگی ظاہر کی۔
''ہاں بنالو، سر میں بہت درد ہے۔''
''جی بیبو۔'' وہ نرمی سے مسکرائی، کیسی من موہنی بچی تھی، چہرے کا سبک تاثر کیسا سکون بخشتا تھا، جیسے چلچلاتی دھوپ میں پہاڑوں کے درمیان بہتا ٹھنڈا میٹھا چشمہ اور ایک شانزے تھی، بولتی تو پتھر پھوڑتی محسوس ہوتی، آواز بھی الفاظ بھی، نرمی کہیں بھی نہ تھی، نہ چہرے پہ نہ آنکھوں میں نہ لہجے میں، جس کا ثبوت بھی فی الفور سامنے آیا۔
''میرے لئے بھی بنالینا، خود تو خیال آئے گا نہیں، ہر بار کہنا ضروری ہے۔''
اکھڑا لہجہ، کھردری آواز، کرخت تاثرات، کنیز ایک بار پھر جی بھر کے شرمندہ ہوئیں، مگر پھر مطمئن ہو گئیں، ایسی لڑکی کو کون برداشت کرتا، یا کرتا تو ٹیڑھی پسلی کو سیدھا کرنے کے چکر میں توڑ کر رکھ دیتا، کہ سیدھی ہونے والی تو وہ تھی نہ، صد شکر گھر کا لڑکا مل گیا، خوبرو شاندار ہر لحاظ سے قابل، برداشت بھی کرے گا قبول بھی، ماں تھیں جیسی مرضی نیک فطرت تھیں، مگر اولاد کے معاملے میں والدین کی کچھ مجبوریاں ہوتی ہیں، وہ بھی اس معاملے کو صرف نظر کرنے پہ مجبور تھیں۔
''شادی میں چند دن رہ گئے ہیں مگر ابھی تک کسی نے ڈھولکی نہیں رکھی، یہاں کسی کو خوشی ہو تو کوئی ایسا کرے بھی، ارے طلاق کا کیسا غم، وہ تو خود گلے پہ لات رکھ کے لی ہے، پھر ان ڈراموں کا مقصد کیا ہے آخر؟''
وہ پھر انگارے چبا رہی تھی، کنیز جلدی سے اٹھ کر باہر آئیں، مقصد اس کی تنبیہ تھا، ان کے خیال میں وہ کبھی کبھی حد سے بڑھ جاتی تھی، زبان درازی میں بھی دل آزاری میں بھی۔

''بیٹے ڈھولک کا ہی انتظام نہیں ہو رہا تھا، میں نے تو کئی دن کا کہہ رکھا تھا نائن سے مگر دو ڈھولک ہیں، میراثیوں کی دونوں شادی والے گھر گئی ہوئی ہیں، بہر حال میں نے شہر سے منگوائی ہے، آجائے گی آج رات تک۔''

غانیہ کتنے تحمل سے رسان سے جواب دے رہی تھیں، کنیز کو غانیہ کے اسٹیمنا پہ حیرت ہوئی، اتنی غصیلی بات پہ بھی وہ کیسے کنٹرول رکھ لیتی تھی خود پہ۔

''آجاؤ کنیز، یہیں چائے پی لیتے ہیں، موسم بھی اچھا ہو رہا ہے، لگتا ہے کہیں بارش ہوئی ہے آج۔'' انہیں دیکھ کر وہ مسکرا کر گویا تھیں، کنیز گہرا سانس بھرتی تخت پہ آگئیں، غانیہ نے گاؤ تکیہ انکی جانب سرکایا، شام خوش گوار تھی، ہلکی مگر ٹھنڈی چلتی ہوا نے اس نارنجی شام کو خوب صورت بنا دیا تھا۔

''اپنے لاڈلے سپوت کو کہاں غائب کروا دیا ہے، جھلک تک دیکھنے کو نہیں ملتی، دور تو مجھ سے ایسے بھاگتا ہے جیسے واقعی جان چھڑا لے گا ایک بار شادی ہو جائے، ایسے پر کتروں گی کہ پھر اڑنے کے قابل بھی نہ رہے گا۔''

حرم چائے لے آئی تھی، ساتھ میں ہلکے پھلکے اسنیکس، نمکو، کباب کیک اور سموسے یہ سب اہتمام اس نے گھر پہ کیا تھا، کوکنگ کا اسے ویسے ہی بہت شوق تھا، نت نئی ریسپیز ٹرائی کرتی رہتی، اب ہر شے بیکری سے زیادہ اچھی بنا لیا کرتی کہ کھانے والے یقین نہ کر پاتے اس کے اپنے ہاتھوں کے کملات ہیں، شانزے کھانے پینے پہ جان دیتی تھی، اب اندر بیٹھی کیسے رہتی وہیں چلی آئی مگر زبان کی تیز دھار تلوار رک نہیں سکتی تھی، غانیہ کا رنگ نا چاہتے ہوئے بھی پھیکا پڑ گیا، کنیز نے بیٹی کو گھور کر دیکھا، جس کی مطلق پرواہ نہ کی گئی، وہ ایک کے بعد دوسرا اسنیک کھانے میں مگن تھی۔

''زبان سنبھال کر بات نہیں کر سکتیں، یہ کیا طریقہ ہوا بھلا؟ اس گھر کی بہو ہو تم مت بھولا کرو۔'' کنیز کو غصہ آگیا تھا، ان کے خیال میں وہ حد سے نکل رہی تھی۔

''بہو ہوں جبھی سر اٹھا کر جینا اور رہنا چاہتی ہوں، غلام نہیں کہ سر جھکاؤں دب جاؤں۔'' جواباً وہ ماں کو بھی منہ توڑ جواب دے چکی تھی، کنیز خفیف اور لاجواب ہوتیں، شرمندگی الگ تھی، اس وقت تو چپ سادھ لی تھی مگر تنہائی ملتے ہی نصیحت ضرور کی۔

''سر اٹھانا تو تکبر کی علامت ہے بیٹی اور غرور ہمیشہ نقصان سے دوچار کرتا ہے، پھل ہمیشہ جھکے درخت پہ دیکھو گی تم، خود کو بدل لو تو تمہارے حق میں بہتر ہے، خدا نے کرے کہ پچھتانا پڑے۔'' ان کے لہجے میں نامعلوم دکھ آن بسا، جبکہ وہ تکبر سے فخر سے مسکرائی، گردن اکڑا لی۔

''میں کیونکر پچھتاؤں گی مام؟ آپ سے دور رہی مگر اس سے اچھی رہی جیسی آپ مجھے رکھ سکتی تھیں، میرے پاس آج سب کچھ ہے، جو نہیں اور جس کی چاہ ہے وہ مل رہا ہے، پچھتائیں میرے دشمن، یعنی مامی اور اس کا ٹبر۔'' وہ بات کرتی کرتی طنز کے تیر چلا کر محظوظ ہوتی ہنسنے لگی، کنیز کو جانے کیوں خوف محسوس ہوا، ان کا دل کیا اس کے منہ پہ تھپڑ مار دیں، کسی طرح بھی سہی مگر یہ ہنسی روک دیں۔

''تیرا تو لاڈ اٹھا اٹھا کر بیڑا غرق کر دیا ویرے نے اور یہ زیادتی کی انہوں نے۔'' انہیں

تاسف وملال نے آن گھیرا، شانزے نے البتہ منہ بگاڑ لیا۔
''چلیں شاباش ہے، جلنے والوں میں آپ کا بھی شمار ہوا، ممی پلیز اب میری خوشی کو غارت نہ کریں۔'' اس کے بے لحاظ لہجے میں تنفر دوڑ گیا، کنیز نے متاسفانہ سرد آہ بھری اور اسے سنجیدہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔
''لگتا نہیں تم پہ اثر ہو مگر اک بات پھر بھی کہوں گی، زندگی جب ہنسائے تو سمجھ لینا چاہیے تمہاری کسی اچھائی کا بدل دیا گیا ہے، یا رب تمہیں نواز رہا ہے، اس نوازش کو عاجزی سے سنبھالو اور اگر زندگی رلائے تو سمجھ لو اب تمہیں اچھائی پہ آنا ہے، اچھائی کو عام کرنا ہے۔''
''ممی......'' وہ نخوت سے انہیں دیکھنے لگی۔
''اس وقت میرا سونے کا ٹائم ہے، ایسی مشکل باتیں پھر کبھی سن لوں گی، پلیز نیور مائینڈ او کے؟ یہ دروازہ جاتے ہوئے بند کر جائیے گا۔''
وہ کیسی بدلحاظی بے شرمی سے انہیں کمرے سے جانے کا کہہ رہی تھی، ان کے چہرے پہ کتنے ہی رنگ آئے ٹھہر گئے، کچھ کہے بغیر وہ اٹھی تھیں اور کمرے سے نکل گئیں، باہر موسم پہلے سے بڑھ کر حسین تھا، مگر انہیں لگا، سارے رنگ کائنات سے اٹھ گئے ہیں، بے ثباتی کا رنگ ٹھہر گیا ہے بس۔

☆☆☆

میں اس کا نام لیتا ہوں
تو ہونٹوں پر
تبسم کی دھنک لہرانے لگتی ہے
میں اس کو یاد کرتا ہوں
تو اک مانوس سی خوشبو
مجھے مہکانے لگتی ہے
وہ میرے دل میں رہتا ہے
گل امید کی صورت
دنیا کی شب تاریک میں خورشید کی صورت

بس نے اسے گاؤں جاتی پکی سڑک پہ اتارا اور دھول اڑاتی ہارن بجاتی موڑ مڑ گئی، دھوپ تیز اور سخت تھی مگر اس کا موڈ بڑا خوشگوار تھا، دوپہر کے بعد شام ڈھلنے کو تھی، اسے کوئی تانگہ یا رکشہ نہ ملا، بیگ کاندھے پہ لٹکائے گاؤں جانے والی پگڈنڈی پہ ہولیا، اس کا مزاج کل شام سے بڑا خوشگوار ہو گیا تھا، پچھلے کئی دنوں سے شادی کی تاریخ طے ہونے کے بعد سے جو غم کی گھٹاؤں سے تاریکی اس نے روح پہ چھاتی محسوس کی تھی مسرت کے نور میں دم توڑ چکی تھی، ایک معجزہ، جس کے رونما ہونے کی نوید ملی تھی مگر وہ قسمت کی کسی ستم ظریفی سے خائف دھڑکتے دل سے کسی خوشی کو محسوس کرنے میں متامل تھا، معجزہ رونما ہو جانے پہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا، نکاح ہو چکا تھا، بہت سادگی سے خاموشی سے، وہ چاہتا تو قدر سے ملاقات کر سکتا تھا، سر سلیمان نے اس کی اجازت دی تھی مگر وہ حوصلہ نہیں کر سکا، جھینپ گیا، مسکرائے گیا، وہاں سے رخصت ہوا تو قدم زمین پہ نہ پڑتے

تھے، جو راز دار دوست ساتھ تھے اتنے بڑے کارنامے پہ اتنی بڑی کامیابی پہ ٹریٹ کا مطالبہ کر رہے تھے، اس نے پیسے دے کر ٹرخا دیا کہ خود جو مرضی کھا لو۔

''کیوں..... تجھے بھابھی سے ملنے جانا ہے؟ سنا ہے بہت نوعمر اور حسین ہیں وہ۔'' سعد اسے چھیڑ رہا تھا، وہ کچھ نہیں بولا، جب زیادہ تنگ کیا تو جان چھڑانے کو کہہ دیا۔

''پتا نہیں، میں نے دھیان سے نہیں دیکھا۔'' جواب میں اس کے وہ لتے لئے گئے کہ الامان، وہ خوش تھا مگر اس خوشی میں تشویش اور تفکر بھی شامل ہو رہا تھا، منیب چوہدری کا خوف، غانیہ کے حوالے سے تشویش، شادی سر پہ تھی، اسے روکنے کا کیا جواز بنتا۔

دھوپ میں جلتی کچی پکی گلیوں سے ہوتا جب وہ گھر والی سڑک پہ مڑا تو عین چوک میں ڈھیر ساری گہما گہمی نظر آئی، سامنے وہاں سے دور تک بچھی چارپائیاں اور چارپائیوں پہ بیٹھے مرد حضرات، جو گرم حقوں سے لطف اٹھا رہے تھے، ایک طرف ترتیب سے پکتی دیگیں، شور مچاتے بچے، اس پہ نگاہ پڑتے ہی ایک خوشگوار ہلچل مچ گئی۔

''او لاڑا آ گیا..... لاڑا۔'' بچوں نے غل مچا دیا، اس کے گرد جمع ہو کر ناچنے لگے، بزرگ مسکرانے لگے، اٹھ اٹھ کر اسے باری باری ملتے گلے لگاتے مبارک باد سے نوازنے لگے، حمدان کے اندر موجود تشویش مزید گہری ہو گئی، اسے لگا وہ ایک عجیب مشکل میں گرفتار ہو چکا ہے، وہاں سے جان چھڑا کر بامشکل اندر آیا کہ نوجوان اور بزرگ اسے اپنے پاس بٹھانے پہ مصر تھے۔

''اوئے توں کیوں بچا جانداایں، ہجے تے تینوں تیری ووہٹی نئیں ملنی۔'' محلے کے نوجوان نے شرارت کی، ایک بزرگ نے اس کا ہاتھ جکڑ لیا۔

''جان دیوؤ بزرگو! منڈا گرمی چوں آیا اے، نال تون دیوؤ اینوں، شغل مغل فیئر کر لینا۔'' دوسرے نوجوان نے اس کی حمایت کی تب اس کی جان چھوٹی، پہلا سامنا ہی غانیہ سے ہوا، جو آنگن میں بیٹھی چاول صاف کرتی ملازمہ کو ہدایات دینے میں مصروف تھیں، اسے دیکھا تو ایک دم کھل اٹھی۔

''ماں صدقے..... میرا شیر آ گیا۔'' لپک کر قریب آئیں اسے گلے لگایا، ماتھا چوما، وہ پسینے پسینے ہو رہا تھا۔

''آؤ..... کمرے میں چلو..... پہلے نہاؤ پھر کھانا کھانا۔'' انہوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا، حمدان نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''مجھے کچھ نہیں کرنا، ان سب سے بھی اہم معاملہ درپیش ہے والدہ، آپ پہلے میری بات سن لیں پلیز۔'' انداز ایسا تھا کہ غانیہ تو لمحوں میں مضطرب ہوئیں، تشویش میں گھر گئیں۔

''ک..... کیا ہوا..... سب خیر ہے نا بیٹے؟'' ان کی آواز لڑکھڑائی، حمدان بس انہیں کھینچتا کمرے میں لے آیا تھا۔

''پتا نہیں، آپ خود فیصلہ کر لیں خیریت ہے کہ نہیں۔'' وہ گہرا سانس بھر کے کہتا بیگ اتار کر رکھنے لگا، غانیہ سہمی نظروں سے اسے دیکھتی تھیں۔

''میں..... شانزے سے شادی نہیں کر سکتا، سمجھ لیں اس پوزیشن میں نہیں رہا ہوں، یہ سب

کیسے روکنا ہے مگر روکنا ہے، یہ سمجھ نہیں آرہا۔''

غانیہ نے سنا سمجھا اور جیسے کھڑی نہیں رہ سکیں، ان کا رنگ ایکدم بے تحاشا پیلا پڑ گیا تھا، کچھ بولنے کے قابل بھی نہ رہیں، بس پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھے گئیں، گویا یقین نہ آتا ہو وہ ایسا بھی کہہ سکتا ہے، ایسا بھی کر سکتا ہے۔

''یہ میری مجبوری تھی والدہ، کہ نکاح کرنا پڑا، آپ کو پپا کو سمجھائیں کہ......''

''مجبوری میں ہوا یا خوشی میں، جیسے چوروں کی طرح یہ نکاح کر کے آئے ہو اسی خاموشی سے اسے ختم کردو منصف حمدان، یہ منیب چوہدری یعنی تمہارے والد کا فیصلہ ہے، اور میرے فیصلے پتھر پر لکیر ہوتے ہیں، تم بھی جانتے ہو گے اور تمہاری ماں کو بھی علم ہے، تمہاری شادی شانزے سے ہی ہوگی، سمجھے؟'' وہ جانے کب آئے تھے، کتنی بات سنی تھی، اپنا سنگلاخ فیصلہ سنا کر آندھی طوفان کی طرح پلٹ گئے تھے، غانیہ کے ساتھ حمدان بھی سناٹے میں گھر گیا تھا۔

(جاری ہے)

☆☆☆

جنوری کا شمارہ سال نو اور سالگرہ نمبر ہوگا۔

اس میں دیگر دلچسپیوں کے ساتھ ساتھ قارئین کی شمولیت کے لئے حسب روایت سروے بھی شامل ہوگا۔

سوالات یہ ہیں۔

۱۔ گیا سال کیا دے کر گیا، کوئی ملال، کوئی خوشی، کوئی خوبصورت احساس؟

۲۔ فارغ وقت میں آپ کی بہترین تفریح یا مشغلہ، کون سی چیز آپ کو زیادہ خوشی دیتی ہے؟

۳۔ کچھ لوگ زندگی کے اتار چڑھاؤ کا مقابلہ اس خوبی سے کرتے ہیں کہ ان کو دیکھ کر دوسروں کو بھی حوصلہ ملتا ہے، کوئی ایسی ہی شخصیت یا کردار جس نے آپ کو متاثر کیا؟

۴۔ 2017ء کے شروع میں آپ نے خود سے کئی عہد و پیماں کیے ہوں، ان میں سے کتنے پایہ تکمیل تک پہنچے اور کتنے ادھورے رہے؟

۵۔ آپ کا اور حنا کا ساتھ کتنا پرانا ہے، کوئی رائے یا تجویز؟

ان سوالات کے جوابات ہمیں بیس دسمبر تک بھجوا دیں شکریہ۔

حمیرا نوشین

''امی یہ والا سوٹ درمیان سے نکال دیں نہ رنگ اچھا ہے نہ ڈیزائن، کپڑا بھی بہت ہلکا ہے۔'' افراح نے آگے بڑھ کر اورنج کلر کا سوٹ اٹھا کر سائیڈ پر رکھ دیا تو سلمٰی اسے گھورنے لگیں۔

''مہارانی یہ سوٹ اور کلر تمہاری پسند سے ہی خریدا گیا ہے اڑھائی ہزار کا سوٹ تمہیں ہلکا لگ رہا ہے، تمہارے باوا کے کپڑے کی مل نہیں ہے کہ ایک جوڑا پسند نہیں آیا تو وہاں سے دوسرا لے لیا۔'' خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے انہوں نے دوبارہ سوٹ اٹھا کر کپڑوں میں رکھا، افراح نے پھر سے سوٹ اٹھانا چاہا تو انہوں نے اس کے بڑھتے ہوئے ہاتھوں کو پیچھے کیا۔

''خبردار جواب ان سوٹوں میں کوئی مین میخ نکالی جو سوٹ خریدے ہیں وہی رکھے جائیں گے ایسا سمجھا ہے کہ جیسے باپ درختوں سے نوٹ توڑ توڑ کر لا رہا ہے۔'' انہوں نے اسے ڈانٹ پلائی

''امی ٹھیک کہہ رہی ہیں افراح! آخر یہ سب سوٹ تمہاری پسند سے ہی تو خریدے گئے ہیں پھر اب تمہیں ان میں کیا قباحت نظر آ رہی ہے۔'' چھوٹی بہن نے بھی سمجھانے کی کوشش کی۔

''دکان پہ تو سوٹ بہت پیارا لگ رہا تھا مگر اب دیکھنے میں بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا اس لئے اس کو نکال دیں جو چیز خود کو اچھی نہ لگے وہ دوسرے کو خاک اچھی لگے گی،

''چپ کر کے بیٹھی رہو اب ہر بات میں تمہاری مرضی نہیں چلے گی غضب خدا کا رشتہ سے لے کر شادی تک کے مطالبات ہی ختم ہونے میں نہیں آ رہے۔'' انہوں نے جھاڑ پلائی تو وہ منہ بسورتی وہاں سے اٹھ کر چل دی۔

☆☆☆

شاہد حسین کی تیسری اور سب سے لاڈلی

مکمل ناول

بیٹی نے گریجویشن مکمل کی تو ماں نے مزید پڑھنے پر قدغن لگا دی اور پورے شدومد سے رشتہ کی تلاش شروع کر دی۔

افراح نے بہت زور لگایا کہ مجھے ماسٹرز تو کرنے دیں مگر اس کی ایک نہ چلی ہر بات میں حمایت کرنے والے ابا نے بھی اس معاملے میں خاموشی اختیار کر کے اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا جب اس نے دیکھا کہ ماں کسی طور اس کے آگے پڑھنے کے حق میں نہیں ہے تو اس نے بھی شادی کے لئے کڑی شرائط رکھ دیں۔

''تو ٹھیک ہے پھر اگر مجھے یہاں سے نکالنے کا اتنا ہی شوق ہے ناں تو پھر شادی کسی دور دراز شہر میں کریں جہاں سے میں مہینوں بعد اپنی شکل دکھانے آؤں۔''

''دماغ تو ٹھکانے پر ہے تمہارا یہ کیسی شرط ہے لوگ آج کل قریب قریب شہر میں رشتے تلاش کرتے ہیں کہ پریشانی سے بچیں، ایک ہی شہر میں رشتہ طے ہونے کے خواہاں ہوتے ہیں بلکہ اب تو یہ حالات ہیں کہ لوگ ایک ہی محلے میں آس لگا کر بیٹھے ہوتے ہیں کہ خرچ سے بھی بچ جائیں اور بچی بھی نگاہوں کے سامنے رہے نہ لوگوں کے پاس فالتو وقت ہے نہ پیسہ۔'' انہوں نے حقیقت بیانی سے کام لیتے ہوئے فوراً اس کی خواہش کا گلا گھونٹا۔

''ابا میں نے اپنی خواہش بتا دی ہے امی سے کہہ دیں میں اس میں چنداں تبدیلی نہیں کروں گی۔''

''تم فکر نہ کرو چندا اس بارے میں سوچ لیتے ہیں۔'' ابا نے فوراً اس کے زخم پر مرہم رکھا۔

شاہد حسین کے سارے کزنز کراچی حیدر آباد والی سائیڈ پر تھے، پہلی دو بچیوں کا جب رشتہ کیا تو کئی کزن ان سے ناراض ہوئے کہ رشتہ داروں کا پہلا حق ہوتا ہے مگر سلمٰی خاتون نے دور کا سوچ کر انہیں نظر انداز کر دیا تھا۔

''آٹھ گھنٹوں کا سفر طے کر کے میری بچی تو ہلکان ہو جائے گی اور پھر جتنا پیسہ کرائے میں خرچیں گے بچی کو انسان کچھ دے دلا کر فارغ ہو شادی کے بعد بیٹی کے سسرال والوں کے سو طرح کے خرچے ہوتے ہیں خوشی غمی ہر حال میں جانا پڑتا ہے نہ جاؤ تو بیٹیوں کو طعنے سننے کو ملیں اور پھر بھئی مجھ سے تو یہ برداشت نہیں ہوتا کہ میں مہینوں اپنی بچیوں کی شکل کو ترسوں، دور سے کون روز روز بیٹی کو بھیجتا ہے نہ بھئی دور کی رشتے داری مجھے قبول نہیں آج کل کے دور میں قریب کی رشتہ داری بھلی ہے، سو بکھیڑوں سے جان چھوٹ جاتی ہے۔''

شاہد حسین ان کی بات سن کر خاموش ہو گئے بات بھی صحیح تھی مہنگائی کے دور میں دور بیٹی بیاہنا آسان کام نہ تھا، دور شہر میں رشتہ کر کے بہت سے خرچوں کو دعوت دینے کے مترادف تھا مگر اب کی مرتبہ بیٹی کے منہ سے خواہش سن کر وہ کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

''بیٹی کی بے وقوفانہ باتوں میں نہ آ جانا، وہ نادان ہے کم عمر ہے دور کی رشتے داری کے مسائل کو نہیں سمجھتی، تم عقل سے کام لینا۔'' سلمٰی نے شوہر کے چہرے کے تاثرات سے فوراً اندازہ لگا کر انہیں باور کرایا تھا۔

شاہد حسین اپنی نازوں پلی بیٹی کی بات بھلا ٹال سکتے تھے بیوی سے بالا بالا ہی فون کر کے اپنے تایا زاد کے کان میں بات ڈال دی کہ ہم آج کل چھوٹی والی کے لئے لڑکے کی تلاش میں ہیں ان کے تایا زاد فوراً ہی اشارہ سمجھ گئے کہ وہ اپنوں میں رشتہ کرنے کے خواہاں ہیں ورنہ اس سے پہلے تو دونوں بیٹیوں کی منگنی کرنے کے بعد ہی اطلاع دی وہ بھی سب کچھ چھوڑ چھاڑ پنجاب آنے کو تیار ہو گئے۔

☆☆☆

صبح سے شاہد حسین کافی متحرک دکھائی دے

رہے تھے کھانے کا مینو بھی اچھا خاصا سیٹ کر ڈالا، دونوں بیٹیوں کو بھی صبح سے ہی بلا لیا سلمیٰ خاموشی سے کھانا پکانے میں لگی رہیں کہ انہیں اکثر ہی ایسی دعوتوں کے دورے پڑتے تھے کسی نہ کسی دوست کو معہ فیملی اچانک ہی کھانے پر مدعو کر لیتے کشادہ ہاتھ و کشادہ دل تھے، سلمیٰ کو ان کے آنے سے چند گھنٹے پہلے ہی مطلع کرتے اور وہ گھن چکر بن جاتیں مگر آج تو انہوں نے چند گھنٹے پہلے مطلع کرنا بھی ضروری نہ سمجھا۔

شام کو جب وہ شمس الحق ان کی بیگم دردانہ اور خوبرو فرزند کے ہمراہ داخل ہوئے تو ان کا ماتھا ٹھنکا گرمجوشی سے جٹھانی کو گلے لگایا خوب گلے شکوے ہوئے کہ دوریوں نے آپس میں ملنا ہی ختم کر دیا، گھر میں کافی عرصے بعد رونق لگی تھی سب کے چہروں پر مسکراہٹ تھی اور سب سے زیادہ جاندار مسکراہٹ تو ساتھ آئے شمس الحق کے فرزند کے چہرے پر تھی کہ جس کی آنکھوں کی چمک اور لبوں پر دلآویز مسکراہٹ کم ہونے میں ہی نہیں آ رہی تھی اور یہ پہلا موقع تھا جب افراح گھبرا کر کمرے سے ہی نکل گئی تھی ورنہ وہ مقابل کی ایسی گستاخی پر وہ لتے لیتی کہ موصوف کے چودہ طبق روشن ہو جاتے رات گئے محفل برخاست ہوئی تو سلمیٰ نے شاہد حسین کو آڑے ہاتھوں لیا۔

''میں پوچھتی ہوں ساری زندگی تمہارے ساتھ گزار دی مگر تم نے کبھی مجھے اپنے ارادوں کی ہوا تک نہ لگنے دی کیا یہی عمر بھر کی رفاقت کا صلہ ملا ہے کہ سب کچھ طے کر لیا اور مجھے خبر تک نہ ہونے دی۔'' آنکھوں میں آنسو امڈنے کو بے تاب ہوئے اور شاہد حسین ان کی آنکھوں کی نمی کی تاب نہ لاتے ہوئے فوراً گویا ہوئے۔

''ارے سلمیٰ بیگم کچھ بھی طے نہیں ہوا تم ناحق پریشان ہوتی ہو تمہاری مرضی کے خلاف اگر میں کوئی قدم اٹھاؤں تو جو چور کی سزا وہ میری سزا۔''

''اچھا۔'' سلمیٰ نے بے یقینی سے ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''سوچ لو، چور کی سزا تو جیل ہے کاٹ لو گے جیل کی سلاخوں میں زندگی۔''

''تمہارے ساتھ کاٹ تو رہا ہوں تم تھانیدارنی کی طرح ہر وقت میرے پیچھے پڑی رہتی ہو یہ گھر میرے لئے کسی جیل سے کم ہے کیا۔'' ان کی زبان پھسلی اور سلمیٰ نے کڑے تیوروں سے گھورا انہوں نے جھٹ کانوں کو ہاتھ لگائے تو وہ نا چاہتے ہوئے بھی مسکرا دیں۔

''شمس الحق بھائی سے میں نے ابھی کچھ طے نہیں کیا ہے اشارۃً بات کی تھی تو وہ لڑکے اور بھابھی کو بھی ساتھ لے آئے مگر تمہاری رضامندی کے بغیر تو میں ہرگز کوئی فیصلہ نہ کروں گا، لڑکا ملٹی نیشنل کمپنی میں کسی اعلیٰ عہدے پر فائز تنخواہ ہماری سوچوں سے بھی زیادہ ہے خوبرو شخصیت کا مالک ہے کوئی عیب نہیں کوئی نقص نہیں، کمپنی کی طرف سے سال ہوا کوٹھی بھی مل چکی ہے آخری بچہ ہے باقی سب اپنے اپنے گھروں میں خوش ہیں اچھی طرح دیکھ لو، سوچ لو کوئی زور زبردستی نہیں اپنی افراح عیش کرے گی بھائی بھابھی کی خوش مزاجی سے تو تم واقف ہی ہو، ان کی طرف سے کوئی مسئلہ درپیش نہ ہوگا ہر طرح سے اپنی افراح کا خیال رکھیں گے اور پھر یہ بھی ضرور سوچنا کہ اپنی افراح کی خواہش بھی دور کی رشتہ داری کی ہے۔'' شاہد حسین نے تفصیل بتائی تو وہ سوچ میں پڑ گئیں، یہ سچ تھا کہ رشتہ ہر لحاظ سے موزوں تھا خود لڑکے کو دیکھ کر سلمیٰ کا دل خوش ہو گیا تھا باادب و باشعور اس کی گفتگو سے ہی اس کی شخصیت کا اندازہ ہو گیا تھا سب کچھ ٹھیک تھا مگر یہ دوری درمیان میں حائل نہ ہوتی تو وہ کب کی حامی بھر چکی ہوتیں، بس رشتہ میں رکاوٹ کی ایک بڑی وجہ یہی تھی جسے وہ کسی طور نظر انداز نہیں کر سکتی تھیں

شاہد حسین کروٹ بدل کر لیٹے تو انہوں نے بھی تھک کر آنکھیں موندلیں۔

☆☆☆

''افراح!'' اپنی سوچوں میں منہمک کیاریوں میں لگے پودوں کو پانی دینے میں مگن تھی کہ کھلے سرخ تازہ گلاب نے اسے یکدم اپنی جانب متوجہ کرلیا وہ پانی کا پائپ کیاری میں ڈال کر اس کی مہک کو بند آنکھوں کے ساتھ اپنی سانسوں کو مہکانے لگی۔

''واہ...... سبحان اللہ، اللہ جی آپ کی صناعی پر بے اختیار جھوم جانے کو جی چاہتا ہے۔''

''بالکل درست کہا آپ نے۔'' ایک سرگوشی اس کے بالکل قریب سے ابھری وہ اچھل پڑی۔

''یہ کہاں سے یکدم نمودار ہوگیا۔'' اس نے سوچتے ہوئے دوبارہ پائپ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

''سبحان اللہ...... سبحان اللہ...... اللہ جی آپ کی صناعی پر بے اختیار جھوم جانے کو جی چاہتا ہے۔'' شمریز اسے پرشوق نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا تو پائپ اس کے ہاتھوں میں لرز کر رہ گیا اس کی شرارتی نگاہیں اسے کنفیوژ کر رہی تھیں۔

''کیا بات ہے کل بھی آپ خاموش تھیں اور آج بھی خاموشی کا پیراہن اوڑھے ہوئے ہیں کیا ہمارا آنا آپ کو اتنا ہی برا لگا۔''

''نہیں نہیں مجھے تو آپ کے آنے کی بے حد خوشی ہوئی ہے۔'' وہ جھٹ سے بولی مبادا وہ سمجھیں کہ وہ لوگ مہمان نواز ہی نہیں۔

''اچھا...... آپ کہتی ہیں تو یقین کر لیتے ہیں۔''

''آپ اتنی جلدی کیسے جاگ گئے آپ کے شہر کے لوگوں کی صبح تو اتنی جلدی نہیں ہوتی۔''

''بڑی معلومات ہیں ہمارے شہر کے بارے میں۔'' اس نے مسکرا کر اسے پھر کنفیوژ کر دیا۔

''بات تو ٹھیک ہے پر کیا کریں کسی کے خوبصورت خیال نے نیند کو پاس ہی نہیں آنے دیا۔'' کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے شمریز نے آگے بڑھ کر سرخ گلاب توڑلیا۔

''ارے یہ کیا کیا پھول تو کیاری میں ہی مہکتے اچھے لگتے ہیں۔''

''بے شک پھول کیاری میں ہی خوشنما لگتے ہیں مگر کیا کروں خوبصورت چیزوں سے دوری مجھ سے برداشت نہیں ہوتی، یہ پھول میرے قریب مہکے گا تو سارا دن مسرور رہوں گا۔'' ذومعنی لہجے میں بات کی تو افراح نے پائپ کیاری میں ڈال کر اندر کی طرف قدم بڑھا دیئے، شمریز کی ذومعنی بات نے اس کے دل کی دھڑکنوں کی دوڑ لگا دی تھی، وہ اس کی لڑکھڑاتی چال کو دیکھ کر مسکرا دیا۔

☆☆☆

افراح پوری دلجمعی سے اپنے متوقع سسرالیوں کے کپڑے پریس کر رہی تھی کہ شمریز اس کے پاس چلا آیا وہ اس سے جتنا گھبراتی تھی وہ اتنا ہی اس کے ساتھ وقت گزارنا چاہتا تھا اس کی آنکھوں میں پھیلے رنگوں کو جان کر اس کی نگاہوں کا سامنا کرنے سے کتراتی تھی۔

''کیا ہو رہا ہے ڈیئر۔''

''نظر نہیں آتا کیا۔''

''نظر تو بہت کچھ آ رہا ہے مگر آپ ہی ناواقف بنی ہوئی ہیں۔'' شمریز نے سوئچ آف کیا اور ہاتھ پکڑ کر سامنے صوفے پر لا بٹھایا اور اپنی لو دیتی نگاہیں اس پر مرکوز کر دیں افراح اس کی اتنی بے باکی پر حیران و پریشان نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ کر اٹھنے ہی لگی تھی کہ اس نے دونوں ہاتھ اس کے اطراف صوفے پر رکھ دیئے اور اس کے سامنے جھک گیا۔

وہ اس کے اتنا قریب تھا کہ اس کے سانسوں کی تپش سے اس کا چہرہ دہک اٹھا، سکائی بلیو شرٹ پہنے بکھرے بال اور خوابیدہ آنکھیں افراح کو اطراف سے غافل کرنے لگیں۔

''کیا کر رہے ہیں آپ ہوش میں تو ہیں۔''
وہ اسے دھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئی تو شمریز نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''ہوش ہی تو گنوا دیئے ہیں تم نے میرے، جب سے آیا ہوں تمہاری صورت دیکھ کر اپنے حواس کھو بیٹھا ہوں، تمہارے ملکوتی حسن نے مجھے اسیر کر لیا ہے، زندگی میں بہت حسن دیکھا ہے مگر جس پر دل مچل جائے جس کے ساتھ کی شدت سے تمنا کرنے لگے وہ چہرہ صرف تمہارا ہے بولو افراح کیا ان گہری آنکھوں میں مجھے ڈوب جانے کا حق مل سکتا ہے اس صبیح چہرے کو میں صبح و شام اپنی نگاہوں میں جذب کرنا چاہتا ہوں، تم میرے جذبوں کو جانتے ہوئے بھی نظر انداز کر رہی ہو کیا اتنا ہی برا ہوں میں۔''

آپ سے تم کا فاصلہ اس نے لمحوں میں طے کر کے اپنے دل کے جذبے اس کے سامنے عیاں کر دیئے تھے وہ اس کے اس انداز پر قدرے پریشان تو ہوئی مگر اس کے منہ سے اپنے لئے اظہار سن کر دل چہک اٹھا تھا وہ اسے کیسے بتاتی کہ پہلی نظر کی محبت کی وہ قائل ہو گئی تھی دل اس کے نام کی گردان کرنے لگا تھا۔

محبت کے حسین جذبوں نے اس کے نام ہونے کی قسم کھا لی تھی، دل کی دھڑکنوں نے صرف اسی کے نام پر دھڑکنے کا قصد کر لیا تھا، آنکھیں حسین خواب بننے لگی تھیں۔

''بڑے تو آپ واقعی ہیں جو اتنی جلدی کسی کے دل کے مکین بن بیٹھے کسی کی نیندوں کو چرا کر اب چین سے آپ بھی نہیں سو سکیں گے۔'' وہ کہہ کر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چل دی کمرہ بند کر کے اس نے اپنی بے ترتیب دھڑکنوں کو اعتدال پر لانے کی کوشش کی اماں تائی کو لے کر بازار گئی تھیں شاہد حسین اور شمس الحق اپنے کسی پرانے شناسا سے ملنے گئے ہوئے تھے اور شمریز نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اظہار عشق کر دیا، اس کے لبوں پر شرمیلی مسکان تھی۔

کہتے ہیں عشق اور مشک چھپائے نہ چھپے، سلمٰی نے بیٹی کی آنکھوں میں اترتے رنگوں کو بڑے غور سے پڑھا تھا اور وہ جو مکمل انکار کا ارادہ کیے بیٹھی تھیں افراح کی نگاہوں نے ان کے ارادوں کو ڈگمگا دیا تھا شمریز کا خوبرو سراپا ان کی نگاہوں میں گھوم گیا مہرو ماہ کی جوڑی کا خطاب ان پر خوب سجے گا، خوش اخلاق، ملنسار اپنا گھر بار میری افراح خوب عیش کرے گی، ان کی سوچوں پہ بیٹی کی پسند غالب آتی جا رہی تھی مگر اپنے دل کا کیا کرتیں جو کسی طور افراح کو نگاہوں سے دور کرنے کا تصور بھی نہیں باندھ رہا تھا۔

''نہیں...... نہیں میری سب سے چھوٹی بیٹی، نازوں پلی، آنکھوں کا نور میں اپنے سے دور نہیں کر سکتی۔''

''کن سوچوں میں گم بیٹھی ہو کس کی یاد ستائے۔'' شاہد حسین ان کے قریب گنگنائے تو وہ اپنی سوچوں سے واپس پلٹیں اور انہیں گھورتے ہوئے بولیں۔

''سٹھیا گئے ہو کیا جوان بیٹی اور مہمان گھر میں موجود ہیں ان کی چہلیں سوجھ رہی ہیں۔''

''کیوں بھئی یہ کہاں لکھا ہے کہ جوان بچوں کی موجودگی میں کوئی اپنی زوجہ سے دل لگی کا اظہار بھی نہیں کر سکتا۔'' وہ اپنا چشمہ اتار کر بیڈ پر تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

''تم سے کون بیکار کی بحث کرے بھلا فضول باتوں میں تم سے کوئی جیت سکا ہے۔'' وہ برا سا منہ بنا کر وہاں سے اٹھنے لگیں تو شاہد حسین نے ہنستے ہوئے ان کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ اپنے پاس بٹھا لیا انہوں نے کھا جانے والی نگاہوں سے

انہیں دیکھا۔
''بیٹھ جاؤ تم سے ضروری بات کرنی ہے۔''
''کہو۔'' وہ لٹھ مارنے والے انداز میں بولیں۔
''بھائی بھابھی کی دو دن بعد واپسی ہے کیا سوچا ہے تم نے۔''
''کس بارے میں؟''
''تم اچھی طرح جانتی ہو میں کس بابت بات کر رہا ہوں۔''
''اور تم بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ میرا جواب کیا ہے۔''
''بے وقوفی نہ کرو اچھی طرح سوچ لو ایسے رشتے نصیب سے ملتے ہیں ناشکری کر کے پچھتاؤ گی۔''
''اللہ نہ کرے جو میں پچھتاؤں میری افراح کے لئے رشتوں کی کمی ہے کیا۔'' وہ تنک کر بولیں۔
''رشتوں کی بے شک کمی نہ ہو مگر اپنی افراح کبھی خوش نہیں رہ سکے گی میں باپ ہو کر اس کی آنکھیں پڑھ سکتا ہوں تو تم ماں ہو کر کیسے انجان بن رہی ہو۔'' انہوں نے حقیقت سامنے رکھی۔
''چار دن کی پسند ہے دو دن میں بھول جائے گی۔'' وہ کہہ کر وہاں سے اٹھیں اور شاہد حسین تاسف سے ان کی پشت دیکھ کر رہ گئے وہ کسی طور بھی اس رشتے کے لئے قائل ہوتی نظر نہ آ رہی تھیں کریں تو کیا کریں وہ پریشان سے سوچوں میں گھرے تھے۔

☆☆☆

افراح نے جب دیکھا کہ ماں کسی طور اس رشتے کے لئے راضی نہیں ہے تو اس نے خود ان سے بات کرنے کی ٹھان لی۔
''امی آخر آپ کو مسئلہ کیا ہے کیوں اس رشتے سے انکاری ہیں۔'' وہ جھنجھلائی۔
''وجہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔''
''یہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ میں اتنی دور چلی جاؤں گی تیزی کا زمانہ ہے اب وہ وقت گزر گیا کہ مہینوں ایک دوسرے کی شکلوں کو ترستے تھے، میں آپ سے ملنے آتی رہوں گی کراچی سے ہمارے شہر کا راستہ بائے ایئر منٹوں میں طے ہوگا جب میرا آپ سے یا آپ کا مجھ سے ملنے کو دل کرنے کرے گا میں فوراً پہنچ جاؤں گی تائی امی اتنی اچھی ہیں وہ کبھی بھی میرے جلدی جلدی آنے پر اعتراض نہیں کریں گی اور پھر شمریز افورڈ بھی کر سکتا ہے۔'' اس نے اپنے تئیں ماں کی سوچوں کا حل نکالا۔
''میری زندگی میں تم تینوں بچیوں کے علاوہ اور کون سی خوشی ہے تمہارے دم سے ہی میرے کلیجے میں ٹھنڈک ہے، میری آنکھوں کی روشنی ہو تم، تینوں تم دیکھتی نہیں ایک دن رملہ اور کونہ دیکھوں تو کیسی بے چین ہو جاتی ہوں۔'' ان کی آنکھیں دھندلا گئیں افراح نے جھٹ ان کے ہاتھ پکڑ لئے۔
''مجھ سے بھی آپ روز ہی ملا کریں گی میں اپنی پیاری امی سے دن میں کئی مرتبہ سکائپ پر باتیں کروں گی آپ کو تو پتا ہی ہے ناں اس میں تصویر کے ساتھ آواز بھی آتی ہے لگتا ہی نہیں کہ کوئی ہم سے ہزاروں میل کے فاصلے پر ہے یہی محسوس ہوتا ہے کہ ہر دم ہمارے آس پاس موجود ہیں۔''
اس نے ایک اور دلیل سے ماں کو قائل کرنا چاہا تو سلمیٰ اس کے چہرے کو بغور دیکھنے لگیں شمریز کے ذکر پر اس کا چہرہ کیسا کھل رہا تھا خوبصورت تو وہ پہلے ہی تھی ان چند دنوں میں تو وہ مہکتا و کھلتا گلاب لگ رہی تھی انہوں نے جھٹ اپنی نظریں اس پر سے ہٹائیں مبادا نظر لگ جائے۔
بعض فیصلے انسان کو اپنی پسند و ناپسند اپنی

سوچوں کے خلاف کرنے پڑتے ہیں اپنی پسند، اپنی ترجیحات پر اپنے پیاروں کی خوشی غالب آ جاتی ہے ان کی بیٹی کی خوشی شمریز میں تھی اور وہ اپنی خوشی کی خاطر اپنی بیٹی کی خوشی کو پس پشت نہ ڈال سکیں اور انہوں نے شمریز کا رشتہ افراح کے لئے منظور کر لیا، جاتے سمے شمریز اس کی انگلی میں اپنے نام کی انگوٹھی اور دل میں چاہت کا پودا لگا کر گیا تھا افراح اس کی دیوانگی پر ہنس پڑی تھی۔

''آپ تو ایسے خوش ہو رہے ہیں جیسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو۔''

''محبوب کو پا لینا ایسا ہی ہے جیسے پوری دنیا کا تسخیر کر لیا ہو۔'' گمبھیر لہجے میں کی گئی سرگوشی افراح کے کی سماعتوں کو محسور کرتی رہی۔

دونوں طرف جھٹ پٹ شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں سلمٰی اور شاہد حسین کی آنکھیں افراح کے دور جانے کے خیال سے ہی جھلملاتی رہتیں اور وہ خوش کن خیالات میں ہی گھری رہتی ہر چیز افراح نے اپنی پسند سے خریدی تھی گو کہ شاہد حسین کی مالی حیثیت اپنے تایا زاد سے کئی گنا کم تھی مگر اپنی بچی کی خوشی کی خاطر انہوں نے ان کے شایان شان ہر چیز تیار کی سلمٰی کڑھتی رہیں کہ اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کر لو آخر کو وہ تمہارے بھائی ہیں تمہاری آمدنی کو خوب جانتے ہیں اور بھابھی بھی فون پر یہی تاکید کرتی ہیں کہ اللہ کا دیا ہمارے گھر میں سب کچھ ہے بس جس کی کمی تھی آپ کے گھر سے مانگ کر وہ بھی پوری ہو گئی کسی بھی قسم کی مشکل میں نہ پڑنا پھر یہ تردد کاہے کو کر رہے ہو۔

''دو بیٹیاں اسی شہر میں ہیں آئے روز ان کی آمد پر خرچے سسرال والوں کو بھگتنا کہاں سے کرو گے یہ سب، جو بھی جمع جتھا تھا سب چھوٹی پر لگا دیا اب قرض دار ہو کر ہائی بلڈ پریشر کے مریض بن جانا شوگر کا مرض تو تمہیں پہلے سے ہی لاحق ہے۔'' وہ جل کر بولیں تو شاہد حسین ان کی بات سن کر مسکرا دیے۔

''اللہ مالک ہے اپنی افراح کی خوشی کے لئے تو جان بھی حاضر ہے، بیٹیوں کی خوشیوں سے ہی تو ہماری خوشیاں وابستہ ہیں اپنی من پسند چیزیں پا کر افراح کے چہرے پر جو رونق آئی ہے ناں اسی کو دیکھ کر میرے پورے جسم میں طمانیت کی لہریں دوڑ جاتی ہیں۔'' بیٹی کے ذکر پر ان کے چہرے پر کیسی محبت رقص کر رہی تھی وہ ان کی طرف دیکھ کر رہ گئیں، وقت پر لگا کر اڑ گیا اور شادی کا دن آ پہنچا۔

نیتیں، چاہتیں آنے والے دنوں کے سکھ چین کی دعائیں دے کر انہوں نے افراح کو رخصت کیا تھا، پورا خاندان افراح کی قسمت پر رشک کر رہا تھا۔

سلمٰی بیگم نے دل پر پتھر رکھ کر یہ فیصلہ کیا تھا اور اب سوچ رہی تھیں کہ آخر انہوں نے اپنے دل کی چھوڑ کر افراح کے دل کی کیوں مانی۔

☆☆☆

سچ کہتے ہیں جیسا گمان رکھو گے ویسا ہی ہو گا اور افراح نے ہمیشہ ایک خوبرو، پڑھے لکھے اور مالی طور پر مستحکم ساتھی کے ہی خواب بنے تھے شمریز اس کی سوچوں سے بڑھ کر محبت و خیال رکھنے والا ساتھی ثابت ہوا تھا، خوشیوں کے لمحے کشید کرتے کب سورج پر ضعیفی آتی اور کب اپنی تابناکیاں بکھیرنے پھر سے جلوہ گر ہو جاتا اسے کچھ پتہ نہ چلتا، وہ شمریز کی ہمراہی میں گویا خواب نگر میں محو سفر تھی اور یہ سلسلہ اس وقت ٹوٹتا جب ماں کی آواز اس کے کانوں سے ٹکراتی کچھ دیر کے لئے اس پر بھی افسردگی کی چادر تن جاتی اس دن اس نے شاہد حسین اور سلمٰی سے بات کی تو ان کے کمزور زرد چہرے دیکھ کر اس کی آنکھیں بار بار پانیوں سے بھر جاتیں شمریز نے جب اس کا اترا چہرہ دیکھا تو بے قرار ہو گیا۔

''آج فضا میں نمی کی جھلک دکھائی دے

رہی ہے چاند بھی نکلا ہے تارے بھی پورے طمطراق سے جلوہ افروز ہیں، پھر زمین پر بستے لوگوں کے چہرے کی رونقیں کیوں ماند پڑی ہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا اور وہ جو کئی گھنٹوں سے نم آنکھیں لئے ادھر اُدھر گھوم رہی تھی اس کی ذرا سی ہمدردی پا کر آنکھیں ساون بھادوں کا منظر پیش کرنے لگیں وہ اس کے اس طرح رونے سے پریشان ہو گیا۔

''ارے..... ارے یہ کیا ہوا کچھ بتاؤ تو صحیح۔'' اشکوں کی ٹوٹتی لڑیوں کو اس نے اپنی انگلیوں میں پرو دیا۔

''میرا دل بہت اداس ہو رہا ہے امی ابا کی بہت یاد آ رہی ہے۔'' روتے ہوئے اس نے بتایا تو اس کا اٹکا سانس بحال ہوا۔

''بس اتنی سی بات۔''

''کل چلے چلتے ہیں انکل آنٹی سے ملنے۔'' وہ اتنے آرام سے بولا کہ اسے لگا وہ مذاق کر رہا ہے۔

''آپ سیریس ہیں۔''

''ہنڈرڈ پرسنٹ میری جان، بھئی دیکھو تم نے جو فرمائش کرنی ہے بلا تردد کہہ دیا کرو یوں آنسو بہا کر میری جان نہ نکالا کرو، تمہیں اچھی طرح پتا ہے کہ میں اپنی شریک سفر کو بالکل بھی اداس بلبل بنا نہیں دیکھ سکتا مجھے تو ہر دم چہچہاتی اپنی مینا ہی چاہیے۔'' وہ اتنی لگاوٹ سے بولا کہ افراح کے آنسوؤں نے قدم روک لئے وہ تشکر سے یک ٹک اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''اب کیا نظر لگاؤ گی مانا کہ یہ ڈارک بلیو کلر مجھ پہ بہت سوٹ کرتا ہے مگر اتنی چاہ سے نہ دیکھو کہ بندہ صبح آفس جانے کا ارادہ ترک کر کے اپنے محبوب کے پہلو سے لگا بیٹھا رہے۔'' شوخی سے کہتے ہوئے اس نے افراح کی ناک دبائی، تو اس نے خجل سی ہو کر نگاہیں جھکا لیں۔

پھر دو دن بعد وہ ماں کے گلے کا ہار بنی تھی، بہنیں اسے دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھیں اور شاہد حسین اسے خوش دیکھ کر رب کے حضور متشکر ہو گئے والدین کے دل اپنی اولاد کے لئے بڑے نازک ہوتے ہیں بیٹی کی پیدائش پر دل خوشی کے ساتھ ملول بھی ہو جاتا ہے کہ پرایا دھن ہے نجانے سسرال میں سکھ سے واسطہ پڑے یا آزمائشوں کی بھٹی میں جلنا پڑے ہزار اندیشے و وسوسے لے کر ماں باپ بیٹیوں کو خود سے جدا کر کے ان کے اصل ٹھکانے کی طرف رخصت کرتے ہیں شاہد حسین اس معاملے میں وہ خوش نصیب باپ تھے جن کی بیٹیاں اپنے گھروں میں سکھی اور آباد تھیں گو کہ افراح کی نسبت بڑی دونوں بیٹیوں کے گھروں میں مالی آسودگی ایسی نہ تھی مگر اچھے و خیال رکھنے والے ہمسفروں کے ساتھ زندگی کا سفر بڑے سہل انداز سے رواں تھا۔

''بس اب مہینہ سے پہلے میں ہرگز تمہیں جانے نہیں دوں گی۔'' سلمٰی نے اس کے ماتھے کا بوسہ لیا تو وہ ان کی بات سن کر ہنس پڑی۔

''امی کون سے دور میں رہ رہی ہیں آپ، وہ وقت گزر گیا جب بیٹیاں ماں باپ کے گھروں میں مہینوں رہتی تھیں اب ملنے کے لئے چلی آتی ہیں تو یہی بہت ہے۔''

''کیوں وقت کو کیا ہوا ہے، ماں باپ کی محبت کیا دل سے چلی گئی ہے جو میکے میں رہنے کو دل نہیں کرتا۔''

''ارے امی ایسی بات نہیں ہے سسرال بیٹی کی اپنی ذمہ داریاں ہوتی ہیں ان سے تو منہ نہیں موڑا جا سکتا ناں۔'' اس نے اٹھ کر بیگ کھولا اور سب کے گفٹ نکالنے لگی سلمٰی نے چپ سادھ لی بیٹی نے پل میں دل توڑ کر رکھ دیا تھا، یہ کیا کہ جس کی بیٹی ہے وہ دید کو ترس جائے، ان کی آنکھوں سے آنسو جھر جھر بہنے لگے تو تینوں ان کے ساتھ آ گئیں۔

''امی اب میں آپ کے پاس مستقل رہوں

گی آپ کو کیا پریشانی ہے بچے اور میں آپ کا خوب دل لگایا کریں گے اور سب سے بڑھ کر آپ کے داماد صاحب جو ہر وقت پھلجڑیاں چھوڑتے رہتے ہیں آپ دیکھنا ہنسی ہر وقت آپ کے ہونٹوں پر کھیلا کرے گی اور اس کمی کی یاد تک نہ آئے گی آپ کو۔'' سدرہ نے ان کا دل بہلایا وہ کرائے کے گھر میں رہتی تھی شاہد حسین کے کہنے پر وہ یہاں مستقل آنے کا ارادہ کر چکی تھی ایک تو کرائے کی مد میں جانے والی رقم سے وہ کمیٹی ڈال کر اپنے پلاٹ پر گھر تعمیر کر سکتے تھے اور کچھ ماں کی تنہائی کے خیال نے اس کے یہاں آ کر رہنے کے ارادے کو قوی کر دیا تھا۔

''تم کچھ بھی کہو دس اولاد بھی ہوں تو ہر ایک کی محبت اپنی ہوتی ہے۔'' وہ اب بھی دکھی تھیں۔

وہ بہنوں بہنوئی اور ماں باپ کے لئے ڈھیروں تحائف لے کر آئی تھی بہنیں تحائف وصول کر کے خوش ہو رہی تھیں بچے کھلونوں سے بہل گئے مگر وہ ماں تھیں ماں کا دل اولاد کی جدائی پر ان مادی چیزوں کو لے کر نہیں بہل سکتا وہ جب تک رہی ان کی آنکھیں نم ہی رہیں اور جانے کے بعد آنسوؤں کا ریلا بہتا ہی رہا وہ ان کی طرف سے افسردگی لئے شمریز کے ساتھ روانہ ہوئی تھی۔

کراچی آ کر وہ کتنے ہی دن امی کی افسردگی محسوس کر کے افسردہ رہی مگر پھر شمریز کی سنگت میں ماں کی اداسی پھیکی پڑنے لگی شمریز نے اسے پورا کراچی گھما ڈالا تھا اور کچھ دن بعد وہ ناردن ایریاز جانے والے تھے وہ اپنے آپ کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہی تھی کہاں تو امی اسے سکول و کالج کے ٹرپ کے ساتھ خرچے اور کسی حادثے کے خوف کے پیش نظر بھیجنے سے ہمیشہ انکار کرتی رہیں اور وہ دل مسوس کر رہ جاتی آنکھوں میں آنسو بھر آتے ابا کی طرف ملتجی نگاہوں سے دیکھتی تو وہ فوراً اسے اپنے ساتھ لپٹا لیتے۔

''بیٹا خرچے کی تو تم فکر نہ کرو جو بھی ہو تمہارا باپ حاضر ہے مگر وہ کیا ہے کہ آج کل حالات کچھ اس طرح کے ہو گئے ہیں کہ اولاد کو اس طرح تنہا گھر سے نکالتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔''

''تنہا کہاں جا رہی ہوں ساری کلاس فیلوز ہیں ٹیچرز ہیں سیکورٹی گارڈ ہے پھر کس بات کا ڈر۔'' وہ ان کے خدشوں کی بات سن کر جھنجھلا گئی۔

''بس بیٹا اس معاملے میں تم مجھے اپنی امی کا ہی ہم خیال سمجھو۔'' وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ بڑبڑا کر رہ گئی۔

''ساری عمر ہمیں اس گھر میں قید کر کے رکھیں گے کسی خوشی کا منہ نہیں دیکھنے دیں گی۔'' اس کی بڑبڑاہٹ سلمٰی کے کانوں میں بخوبی پہنچ رہی تھی مگر وہ نظرانداز کر کے اپنے کاموں میں لگی رہتیں۔

☆☆☆

شمریز نے نہ صرف اسے خوب سیر کرائی تھی بلکہ بے تحاشا شاپنگ بھی کروائی تھی وہ ناں ناں کرتی رہتی اور وہ اس کے لئے چیزیں خریدتا چلا جاتا، من چاہا محبوب اور اس پر اس کا ایسا والہانہ انداز وہ اپنے اوپر رشک کرتی رہ جاتی، سارا دن اپنے آپ کو سنوارنے میں لگی رہتی کام کاج میں اسے فی الحال کوئی دلچسپی نہ تھی، ورنہ ہی شمریز کی امی نے اسے ابھی تک کسی کام کے لئے کہا تھا دعوتوں کا سلسلہ جاری تھا وہ خوب تک سک سے تیار ہو کر دعوتیں اٹینڈ کر رہی تھی۔

آج ان کا شمریز کے بڑے بھائی کی طرف ڈنر تھا وہ صبح سے اپنی گوری رنگت کو دمکانے کی کوششوں میں لگی ہوئی تھی کبھی ابٹن دودھ میں ملا کر لگاتی تو کبھی عرق گلاب سے اپنے چہرے کو تر کر کے بیٹھ جاتی سلمٰی نے ہمیشہ انہیں قدرتی نسخوں کو استعمال کرنے کا کہا بازاری کریموں سے انہیں دور ہی رکھا سو وہ یہاں بھی انہی کو آزمانے پر تلی ہوئی تھی، دردانہ اس کو اپنا اتنا خیال

رکھنے پر مسکرا دیں۔

شادی کے اوائل مہینوں میں ہر لڑکی کی یہی حالت ہوتی ہے شام کو سارا دن کی محنت سے اس کی گوری وبے داغ رنگت کھل اٹھی تھی۔

لائٹ گرے کلر کی شرٹ پر اس نے بلیو کلر کا گاؤن پہنا تھا جس پر سلور نگینوں کا کام الگ ہی چھب دکھا رہا تھا اس پر مہارت سے کیے گئے میک اپ نے اس کے حسن کو دو آتشہ کر دیا تھا شمریز اسے دیکھ کر مبہوت رہ گیا۔

''یہ...... یہ تم ہو میری جان۔''

''جی جناب میں ہی ہوں اب آپ بھی جلدی سے تیار ہوں بھابھی کا دو بار فون آ چکا ہے آنٹی اور میں کب سے آپ کا ویٹ کر رہے ہیں۔'' وہ اٹھلائی۔

''بھئی میں کہیں نہیں جانے والا اور نہ ہی تم کہیں جا رہی ہو آج کا ڈنر کینسل، میں بھابھی کو فون کر کے کہہ دیتا ہوں کہ آفس سے آنے کے بعد میرے دل و دماغ پہ ایسا کسی نے حملہ کیا ہے کہ میں کہیں جانے کے قابل نہیں رہا لہٰذا دعوت کسی اور دن کے لئے اٹھا رکھیں۔'' مخمور نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اس نے افراح کو اپنے ساتھ لگانا چاہا تو وہ دو قدم دور ہوگئی۔

''ارے واہ کیسے کینسل کر دیں دعوت وہ بیچاری کتنے دنوں سے ہمیں انوائٹ کر رہی ہیں اور اب جب کہ سب کچھ ریڈی ہے تو آپ انکار کر رہے ہیں۔''

''بھئی یہ دعوت تم ہی کینسل کروا رہی ہو تمہاری تیاری دیکھ کر کہیں جانے کو دل ہی نہیں کر رہا دل چاہ رہا ہے رخ یار ہو اور میں ہوں۔'' وہ شوخ ہوا تو وہ جھینپ گئی۔

''زیادہ رومانٹک ہیرو بننے کی ضرورت نہیں ہے میں آنٹی اور انکل کے پاس آپ کا ویٹ کر رہی ہوں جلدی سے چینج کر کے آجائیں۔'' وہ اس کی نگاہوں سے گھبرا کر فوراً باہر بھاگی اور شمریز مسکرا کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

دعوت میں بھابھی نے خوب اہتمام کیا تھا سب بہت انجوائے کر رہے تھے خوش اخلاق و نفیس سی علینہ بھابھی اسے بہت توجہ دے رہی تھیں خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا جا رہا تھا۔

علینہ بھابھی کی کزن ان کے گھر پڑھائی کے سلسلہ میں رہ رہی تھی، سبھی خوش گپیوں میں مگن تھے شمریز خوب چہک رہا تھا، اس کی ہر دم افراح پہ ٹکنے والی نگاہیں اس وقت علینہ بھابھی کی کزن اسوہ پر جمی تھیں تیکھے نین نقوش اور شہابی رنگت والی اسوہ اپنی دلکش اداؤں سے خندہ لب شمریز سے محو گفتگو تھی کسی کو بھی شمریز کی اسوہ سے بے تکلفی گراں محسوس نہ ہو رہی تھی مگر افراح کو یہ بہت کھل رہی تھی اس کا دل اس پر رونق گیدر نگ سے ایکدم ہی اچاٹ ہو گیا حلق سے بمشکل چند نوالے اس نے اتارے اس کا دل چاہ رہا تھا یہاں سے اسوہ کو کسی طرح روپوش کر دے یا پھر خود اس منظر سے غائب ہو جائے، وہ دل میں پیچ و تاب کھاتی رہی اسے شمریز پر بہت غصہ آ رہا تھا گھر آ کر وہ چینج کر کے خاموشی سے کروٹ بدل کر لیٹ گئی، شمریز نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف بدلنا چاہا تو اس نے بری طرح سے ہاتھ جھٹک دیا۔

''کیا ہوا یہ اچانک سے اتنی سرد مہری کیوں۔'' وہ خاموش رہی تو وہ اچھل کر اس کی طرف آ گیا۔

''کیا ہوا افراح اتنی چپ چپ کیوں ہو کسی نے کچھ کہا ہے تم سے، کیا بھابھی کی دعوت تمہیں پسند نہیں آئی۔'' وہ اس کی خاموشی پر متعجب تھا۔

''بھابھی کی دعوت مجھے بہت پسند آئی ہے مگر آپ کی حرکات مجھے بالکل بھی اچھی نہیں لگیں۔'' وہ دانت پیس کر بولی تو اس کی حیرانی سے بھنویں سکڑیں۔

''کون سی حرکات؟''

''یہ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں گھر میں اپنی نئی نویلی دلہن کو نظر انداز کر کے غیر لڑکیوں سے فرینکلی انداز میں بات کرے گا اپنی بیوی کی موجودگی میں دوسری لڑکی کو نظروں کے حصار میں رکھے گا تو کیا میرا ناراض ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔'' وہ جیسے پھنکاری تھی، اس کی بات سن کر وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

''اوہ تو تم علینہ بھابھی کی کزن اسوہ کی بات کر رہی ہو یار تم نے دیکھا نہیں کتنی زبردست پرسنالٹی ہے اس کی، کیسا ہوشربا حسن تھا اس کا، اسے دیکھ کر کیا اطراف کا خیال رہتا ہے۔'' وہ لاپروائی سے بولا تو افراح نے صدمے و حیرانی سے اس کی طرف دیکھا اسے شمریز سے ہرگز اس جواب کی توقع نہیں تھی۔

''بھئی دیکھو خوبصورت چیزیں اور خوبصورت لوگ میری کمزوری ہیں میں ان کو کسی طور نظر انداز نہیں کر سکتا یہی وجہ ہے کہ تم آج میرے گھر اور میرے روم میں ہو تمہاری من موہنی صورت نے میرے دل کو فوراً چھو لیا تھا۔'' اس نے اس کے گلابی گال کو چھوا تو وہ جل ہی تو گئی بیوی کے ہوتے ہوئے دوسروں کی خوبصورتی کو سراہنا آپ کے خیال میں کیا جائز ہے۔

''جائز ناجائز کا تو مجھے نہیں پتا ہاں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ خوبصورت لوگوں کی ہمراہی مجھے سکون بخشتی ہے، اس لئے ان باتوں پر کڑھنا چھوڑ کر میری اس عادت کو بخوبی سمجھ لو، زندگی آسان گزرے گی۔'' وہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر دوسری جانب کروٹ بدل گیا تو افراح کو سانس لینا محال ہو گیا اس کی باتوں نے اس کی نیند اڑا کر رکھ دی تھی غصے و صدمے سے اس کا نفس بھول رہا تھا۔

☆☆☆

عورت کم آسائشات میں گزارا کرے گی بھوکا رہ لے گی مشکلات و کٹھنائیوں کا سفر صبر آزما لمحوں کا سفر صبر سے طے کرے گی مگر مرد کی بے توجہی اس کی بے وفائی اس کا ہرجائی پن اسے سالوں تو کیا مہینوں دنوں اور لمحوں میں ختم کر کے رکھ دیتا ہے اور یہی حال اس کا تھا اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ شمریز نے اس کے خوبصورت سراپے کا اسیر ہو کر اسے اپنایا ہے اپنی محبت اسے دان کی ہے وہ کسی اور کی طرف بھی ملتفت ہو سکتا ہے، ہر گزرتے دن نے اسے اس کی فطرت سے آشنا کرنا شروع کر دیا وہ ڈال ڈال منڈلانے والا بھنورا تھا، شادی تو اسے کرنی ہی تھی والدین کی مرضی اور پھر افراح کے حسن و معصومیت نے اسے مضبوط رشتے میں باندھ دیا مگر اپنی ازلی فطرت و عادت کو وہ بھلا کب ترک کرنے والا تھا، افراح کی خوبصورتی کا خمار آہستہ آہستہ اتر رہا تھا اور باہر کی رنگینیوں میں وہ ایک بار پھر مگن ہو چکا تھا، افراح کے لئے یہ سب کچھ ناقابل یقین اور ناقابل برداشت تھا، وہ کب یہ کسی طور پر برداشت کر سکتی تھی کہ اس کی زندگی کا ساتھی حسیناؤں کے جھرمٹ میں وقت گزارے، یہ نہیں تھا کہ وہ اس پر توجہ نہیں دیتا تھا جب گھر پر ہوتا اسے بھرپور توجہ دیتا خوبصورت لفظوں سے اس کے دل کو لبھانے کی کوشش کرتا گھمانے لے جاتا ہوٹلنگ کرواتا شاپنگ کرواتا مگر جہاں کوئی حسین لڑکی نظر آتی وہ اس سے غافل ہو جاتا، شاپنگ کے دوران وہ کتنی ہی مرتبہ حسین و ماڈرن لڑکیوں سے ہاتھ ملا کر گرمجوشی سے ملا تھا اور انہیں اپنی فرینڈ کہہ کر افراح سے تعارف کروایا تھا کوئی یونیورسٹی فیلو ہوتی کوئی آفس کولیگ ہوتی افراح کا دل کٹ کر رہ جاتا اس دن بھی یہی ہوا تھا وہ دونوں اوپن ایریا میں آئسکریم کھا رہے تھے کہ اچانک ہائے شمریز کہتی ہوئی وہ سلیولیس شرٹ پہنے الٹرا ماڈرن شمریز سے مخاطب ہوئی تھی وہ بھی گرمجوشی سے کھڑا ہوا تھا وہ باقاعدہ اس سے گلے ملی تھی افراح کا چہرہ سرخ ہو

گیا مگر ادھر کب پروا تھی وہ دونوں گزرے وقت کی باتوں میں مگن تھے باقاعدہ گلے شکوے ہو رہے تھے اسے اپنا آپ بہت عجیب لگ رہا تھا، وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو اس شرمین نامی لڑکی نے اس کو سرتاپا دیکھا۔

''ہوازشی؟''

''مائی وائف۔''

''اوہ مائی گاڈ تم نے شادی کر لی اور مجھے انفارم تک نہ کیا میں سمجھی شاید تم حسب عادت اپنی کسی گرل فرینڈ کے ساتھ بیٹھے ہو۔'' اس نے افراح کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی تھام لیا، شمریز نے اس کی بات پر قہقہہ لگایا تھا۔

''یور وائف از سو پریٹی۔''

''ہوں، تمہیں پتا ہے حسن میرے آگے ہاتھ باندھے کھڑا ہوتا ہے۔''

''یہ تو ہے لیکن تم میرے انگلینڈ سے آنے کا انتظار تو کر لیتے۔'' وہ نروٹھے پن سے بولی۔

''تم وہاں گوروں کی بانہوں میں رقص میں مصروف تھیں تو میں یہاں تنہا کیا کرتا۔''

''اوہ تم نے میری وہ پارٹی والی ویڈیو دیکھی ہوگی جس میں، میں جاسن کے ساتھ ہوں۔''

''یس۔'' شمریز نے گردن ہلائی۔

''ویسے بندہ اب بھی حاضر ہے۔'' وہ اس کی طرف جھکا تو دونوں نے قہقہہ لگایا افراح کے لئے سانس لینا محال ہو گیا۔

گھر آ کر وہ کتنے ہی دن بجھی بجھی رہی ذہن میں ان دونوں کی باتیں ضرب لگاتی رہی، اس نے تو اپنے گھر میں مرد کے روپ میں اپنے باپ کو دیکھا تھا جن کی ہمراہی میں اماں بے پناہ خوش تھیں۔

انہیں ابا کی بھرپور محبت و عزت حاصل تھی ابا کو امی کے بنا ایک پل چین نہ آتا تھا امی شرمندہ ہو ہو جاتیں وہ بہنیں دبی دبی ہنسی ہنستی رہتیں امی ابا کی طرف سے ہمیشہ مطمئن رہیں کہ یہ صرف میرے ہیں حالانکہ امی گندمی رنگت کی مالک تھیں جبکہ ابا بے تحاشا حسن کے مالک تھے افراح نے سارا روپ باپ کا چرایا تھا اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اپنے لئے ایک ایسا ہم سفر منتخب کر چکی ہے جس کی سنگت میں اسے روز سولی پر چڑھنا ہوگا جس کے منہ سے غیر عورتوں کی تعریفیں سننے کو ملیں گی اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اب یہ سب مزید برداشت نہیں کرے گی مجھے شمریز سے بات کرنی ہی ہوگی اس نے مصمم ارادہ کیا بلکہ پہلے آنٹی سے مجھے اس سلسلے میں بات کرنی چاہیے اس نے دل میں ٹھان لی۔

☆☆☆

موسم بدل رہا تھا خنکی کی جگہ گرماہٹ دبے پاؤں قبضہ کرنے آ رہی تھی سلمٰی بیگم دھوپ چھاؤں کے موسم سے اکتاہٹ کا شکار ہو رہی تھیں سدرہ کے بچے پورے صحن میں اودھم مچاتے پھر رہے تھے گھر کے ہر کونے میں ان کا شور پورے استحقاق سے گونج رہا تھا مگر سلمٰی بیگم کے دل کے سناٹے کسی طور کم نہ ہو پا رہے تھے۔

''افراح کو دیکھے کتنے دن ہو گئے تھے فون پر ہی مختصر سی بات کر کے بند کر دیتی ہے پتا نہیں میری بچی کس حال میں ہے سسرال میں جانے کیسا برتاؤ ہو رہا ہے میں میلوں دور کیسے اس کے حالات جان سکتی ہوں۔'' وہ اداسیوں کی آماجگاہ بنی مٹر چھیلنے میں مصروف تھیں۔

''واہ بھائی آج تو ہماری زوجہ محترمہ مٹر کے دانوں سے کھیلتی نظر آ رہی ہیں ورنہ تو جب دیکھو بستر پر مریض عشق دکھائی دیتی ہیں۔'' شاہد حسین ان کے قریب ہی تخت پوش پر براجمان ہو گئے سلمٰی نے ان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا ہنوز اسی کیفیت میں اپنے کام میں لگی رہیں۔

''سنو میں کئی دنوں سے تمہارے متعلق ایک بات سوچ رہا ہوں۔''

''کیا.....؟'' انہوں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔
''یہی کہ تمہاری روزہ کشائی کروا دی جائے۔''
''کبھی ڈھنگ کی بات نہ کرنا۔'' وہ ان کی بات سن کر جل گئیں۔
''بھئی میں سچ کہہ رہا ہوں جب سے افراح کی شادی ہوئی ہے تم نے چپ کا روزہ رکھا ہوا ہے اب اسے کھول ہی لو۔'' انہوں نے مٹر اٹھا کر سائیڈ پر رکھے اور ان کی طرف دیکھا۔
''شاہد حسین تم نے اور افراح نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا، اتنی دور جا بسی ماں کی کوئی پرواہ ہی نہیں قریب ہوتی تو جا کر دو گھڑی مل کر آنکھوں کو ٹھنڈا کر لیتی اب اتنی دور کیا خبر کیا ہو رہا ہے اس کے ساتھ۔''
''کیا مطلب؟'' انہوں نے بھنویں اچکائیں۔
''مطلب یہ کہ پتا نہیں انہوں نے میری بچی کو کس حال میں رکھا ہوا ہے اتنے دن ہو گئے شکل تک نہیں دکھائی اس نے اپنی۔''
''اپنوں میں گئی ہے بہت خوش ہے وہ، گھر کی ذمہ داریوں میں کبھی ٹائم نہیں بھی ملتا بات کرنے کا۔''
''اپنوں کا پتا شادی کے بعد چلتا ہے کہ کتنے اپنے بن کر دکھاتے ہیں نہ لڑکے کی عادتوں کا پتا نہ بھائی بھابھی کے مزاج کا، منہ دیکھے پر تو ہر کوئی خوش اخلاقی کی تختی سجا کر ملتا ہے، ویسے بھی مطلب نکلنے کے بعد مزاجوں کا پتا چلتا ہے سالوں ہو گئے ان سے دور رہتے، ہمیں کیا پتا بہوؤں کے ساتھ کیا سلوک ہے ان کا، کچھ بھی چھان بین نہیں کرنے دی تم نے شاہد حسین۔'' وہ ان سے خفا لگ رہی تھیں۔
''فضول خدشات ذہن سے جھٹک دو میں اچھی طرح بھائی بھابھی کو جانتا ہوں شمریز بھی اچھا لڑکا ہے مجھے یقین ہے وہ وہاں ایڈجسٹ کر گئی ہو گی، تم نے دیکھا نہیں تھا کہ جب وہ یہاں آئی تھی تو کیسی خوش دکھائی دے رہی تھی۔'' انہوں نے سلمٰی کو مطمئن کرنا چاہا۔
''خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' وہ ان کی طرف بے یقینی سے دیکھتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔
''اچھا سنو آج تو اپنے ہاتھوں سے بنا مٹر پلاؤ کھلا دو بہت دن گئے تمہارے مزیدار سے کھانے کھائے۔'' ان کا انداز التجائیہ اور شوخ پن لئے ہوئے تھا۔
''کیا کروں یہ زوبی کسی کام کو ہاتھ لگانے ہی نہیں دیتی اور کچھ میرا جی بھی اب کام میں نہیں لگتا لیکن خیر تم کہتے ہو تو آج پکا دیتی ہوں۔'' انہوں نے کچن کا رخ کیا تو شاہد حسین وہیں تخت پر دراز ہو کر بچوں کو کھیلتا دیکھنے لگے۔

☆☆☆

دردانہ اپنے بالوں میں ملازمہ سے مالش کروا رہی تھیں وہ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور پاس پڑے میگزین کی ورق گردانی کرنے لگی، دردانہ اسے دیکھ کر مسکرا دیں۔
''تم بھی بیٹا حاجرہ سے کبھی کبھار بالوں کی مالش کروا لیا کرو۔''
''جی آنٹی۔'' کہہ کر وہ خاموش ہو گئی جونہی حاجرہ ان کے پاس سے اٹھ کر گئی وہ ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔
''کیا بات ہے افراح کوئی پریشانی ہے تو مجھے بتاؤ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' دردانہ اس کا متفکر چہرہ دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔
''آنٹی عورت کی زندگی میں سکون ہونے میں مرد کا کتنا ہاتھ ہے۔''
''جتنا مرد کو پرسکون رکھنے میں عورت کا عمل دخل ہوتا ہے۔''
''اور اگر عورت اپنے شوہر کے تمام حقوق ادا کر رہی ہو اور مرد پھر بھی اس کی حق تلفی کر رہا ہو

تو آپ کیا کہیں گی اس بارے میں۔''
''بیٹا میں تمہارے ان سوالوں کا مطلب نہیں سمجھی۔'' وہ الجھیں۔
''آنٹی میں شمریز کی پسند سے اس گھر میں آئی ہوں مجھ میں کون سی کمی ہے جو شمریز دوسری لڑکیوں میں وہ خوبی تلاش کرتا ہے۔'' اس نے شمریز کی اصلیت کھول کر سامنے رکھی تو وہ بجائے گھبرانے کے مسکرا دیں۔
''اچھا تو تم شمریز کی لڑکیوں سے فرینکنیس پر پریشان ہو رہی ہو۔''
''آپ بے حیائی و حق تلفی کو فرینکنیس کا نام نہ دیں۔'' وہ تیز لہجے میں بولی تو دردانہ کو اس کا لہجہ ایک آنکھ نہ بھایا تاہم وہ ضبط کر گئیں۔
''دیکھو افراح یہ بڑا شہر ہے یہاں پر لوگوں کے دل بھی وسیع ہیں لڑکے لڑکیوں کے باہم ملنے جلنے کو معیوب نہیں سمجھا جاتا، تم چھوٹے شہر سے آئی ہو اس لئے سوچیں بھی محدود ہیں اب تمہیں آہستہ آہستہ اس ماحول کا عادی ہو جانا چاہیے، شمریز کی لڑکیوں سے صرف دوستی ہے اور دوستی رکھنا کوئی جرم نہیں، شریک سفر تو اس کی صرف تم ہی ہو تمہارے وہ سب حقوق ادا کر رہا ہے ہر لحاظ سے تمہیں آسودہ وخوش رکھا ہوا ہے پھر تمہیں اس سے یہ شکایت بے معنی ہے۔'' کہہ کر وہ اپنے بالوں میں دھیرے دھیرے برش پھیرنے لگیں ان کے چہرے پر پھیلے اطمینان کو دیکھ کر وہ حیران تھی وہ تو سوچ رہی تھی کہ اس کے شکوے پر وہ اس کی ہم خیال ہوں گی شمریز کو سمجھائیں گی مگر وہاں تو وہ الٹا اسی کو سمجھانے بیٹھی تھیں وہ سمجھ گئی کہ اولاد کے بگڑنے میں کافی حد تک ماؤں کا ہاتھ بھی ہوتا ہے اگر وہ شمریز کو شروع سے تنبیہہ کرتیں تو اس کی یہ عادت پروان ہی نہ چڑھتی مگر یہاں تو ماں اس عادت کو برا ہی خیال نہیں کر رہی تھیں بلکہ اسٹیٹس کا بڑے شہر کا فخر سمجھ رہی تھیں اگر بڑے شہر میں مرد وزن کی دوستی کو فخر کی علامت سمجھا جاتا ہے تو پھر ہمارے چھوٹے شہر ہی ٹھیک ہیں اس کھلم کھلا گناہ و بے حیائی تو سے تو بچے ہوئے ہیں۔
وہ ان کی طرف تاسف سے دیکھتی خاموشی سے کمرے سے نکل آئی کہ اب مزید ان سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

☆☆☆

عورت کو وہی مرد عزت اور محبت دے سکتا ہے جب اس کو عورت سے محبت اور عزت کا احساس بچپن سے دلایا جائے اور یہ احساس اس میں سرائیت کرنے والے اس کے والدین ہوتے ہیں افراح کو دردانہ کی سوچ پر حقیقتاً افسوس ہو رہا تھا ایک عورت کا دکھ سمجھنے کی بجائے، ڈھارس بندھے جملوں سے اس کا مان بڑھا دینے کی بجائے الٹا انہوں نے اسے قصور وار ٹھہرا دیا تھا اپنے خاوند کی خالص محبتوں کی تمنا و خواہش اس کی چھوٹی سوچ تھی اگر عورت کی یہ چھوٹی سوچ ہے تو پھر مرد بھی تو یہی چھوٹی سوچ رکھتا ہے کسی غیر مرد کی پرچھائیں بھی اپنی شریک حیات کے چہرے پر برداشت نہیں کر پاتا اسے اپنی زندگی اور گھر سے بے دخل کرنے میں لمحہ نہیں لگاتا تو پھر عورت کو اس کی چھوٹی سوچ کی سزا کیوں بھگتنی پڑتی ہے۔
''نہیں شمریز میں یہ سب کچھ برداشت نہیں کروں گی مجھے تمہارا ساتھ مکمل چاہیے تمہاری سوچوں پر صرف میرا تسلط ہو تمہارے قلب تک صرف میری رسائی ہو، تمہارے لبوں سے میں غیر عورتوں کے لئے توصیفی جملے و پسندیدگی کی نگاہیں قطعاً برداشت نہیں کروں گی۔'' وہ مسلسل سوچے جا رہی تھی، گاڑی کی پورچ میں رکنے کی آواز آئی تو وہ کمرے سے باہر نکل آئی رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے اس کا آفس کب کا بند ہو چکا تھا پتا نہیں کہاں اپنی شام اور آدھی رات گزار کر وہ گھر میں داخل ہوا تھا افراح نے اسے کمرے کے باہر ہی روک لیا۔

''کہاں سے آرہے ہیں آپ اس وقت؟''
وہ اس کے سامنے تن کر کھڑی ہوگئی۔
''کیوں؟ کیا تم میری روٹین سے واقف نہیں ہو۔'' وہ مسکرایا اور دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا افراح نے پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔

''جہاں آدھی رات گزاری ہے وہیں باقی رات بھی بسر کر لیتے میں روز روز کے اس تماشے سے تنگ آ چکی ہوں کیوں میری روز تذلیل کرتے ہیں کیوں مجھے اذیت کے گڑھے میں روز اتارتے ہیں چلے جائیں یہاں سے میں آپ کو اپنے پاس آدھی رات گزارنے کا حق بھی نہیں دوں گی۔'' وہ اونچی آواز سے چلائی، تو شمریز اس کے لہجے پر حیرانی سے اس کی طرف دیکھنے لگا، رات کے سناٹے میں اس کی آواز بری طرح گونج رہی تھی شمریز کو اس کا لہجہ تپا گیا۔
''سنو، اپنی اوقات میں رہو یہ گھر میرا ہے یہ کمرا میرا ہے اور تم میری بیوی ہو یہ میری مرضی ہے کہ میں اپنی بیوی کے پاس آدھی رات گزاروں یا مکمل۔'' وہ اس کے قریب ہوا اور ہاتھ پکڑ کر اندر کمرے میں لے کر داخل ہو گیا وہ اس سے تڑپ کر الگ ہوئی۔
''شمریز میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتی۔'' اس کا لہجہ آنسوؤں میں بھیگ گیا تو وہ ہنس پڑا۔
''تم چند ماہ میں گھبرا گئی ہو میری ماں کا حوصلہ دیکھو پوری زندگی ہوگئی تنہا راتیں گزارتے آج تک مکمل رات میری ماں کے نصیب میں میرے باپ نے نہیں لکھی۔''
''کیا؟'' وہ اس انکشاف پر بھونچکا رہ گئی۔
''جی۔'' مسکراتے ہوئے اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور بیڈ پر نیم دراز ہو کے ٹائی کی ناٹ کھولنے لگا۔
''بھئی اب یہ اپنے مرجھائے چہرے کو درست کرو اور میرے لئے کھانا گرم کر کے لے آؤ دونوں مل کر کھاتے ہیں۔''
''میں کھا چکی ہوں اگر آپ کو بھوک لگی ہے تو کچن میں جا کر خود لے کر کھالیں مجھے نیند آرہی ہے۔'' بے نیازی سے کہتی وہ بیڈ کی دوسری جانب آنکھیں موند کر لیٹ گئی، وہ اس کے قریب ہوا اس کے صبیح چہرے پر ہاتھ پھیرا بند پلکوں سے لبوں نے دھیرے سے چھیڑ خانی کی اور اٹھ کر واش روم چل دیا، افراح کی نیند بھک سے اڑ چکی تھی۔

''تو کیا اس گھر کے سبھی مرد عورت کا صبر اور ضبط آزمانے کے عادی ہو چکے ہیں۔'' وہ تاسف سے سوچتی رہی شمریز کی بات نے اس کے ذہن کے پرخچے اڑا دیئے تھے اسے دردانہ بیگم سے ہمدردی محسوس ہونے لگی مگر ساتھ ہی غصہ کے جذبات بھی غالب تھے کہ آخر انہوں نے حالات سے سمجھوتا کیوں کیا وہ اپنے حق کے لئے کیوں نہیں لڑیں اپنے شوہر کو غیر عورتوں کے حوالے کیوں کیا اور اگر شوہر کو سنبھال نہیں سکیں تو بیٹے کو تو سنبھال سکتی تھیں جس کرب سے وہ خود دن رات گزرتی ہیں اسی ذہنی اذیت و کرب سے وہ کسی دوسری عورت کو تو بچا سکتی تھیں پھر انہوں نے کوشش کیوں نہیں کی اپنی اولاد کی طنابیں اپنے ہاتھ میں تھامنے کی بجائے وقت کے دھارے پر کیوں چھوڑا۔
''کہیں وہ مجھے اس طرح بے چین دیکھ کر تسکین تو حاصل نہیں کرتیں کہ جس بے بسی کا شکار وہ ساری عمر رہیں اب وہی بے بسی و لاچاری میں نے کسی اور میں منتقل کر دی ہے، کتنی پرسکون لگتی ہیں کبھی دکھ کی ہلکی سی رمق بھی ان کے چہرے پر نظر نہیں آئی یا پھر انہوں نے اپنے دکھ کو میک اپ کی دبیز تہوں اور قہقہوں میں چھپا لیا ہے۔'' وہ خود ہی قیاس آرائیاں کرنے لگی۔
رات تاریکیوں کا سفر کرتی اجالے کو بانہوں

میں لینے کے لئے بڑھتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

سورج کی شفاف کرنیں اس کے دودھیا چہرے سے آ کر لپٹ رہی تھیں افراح نے آنکھیں کھول دیں روشن صبح باہیں وا کیے ہوئے تھی مگر اس کا دل کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح مرجھایا ہوا تھا وہ کسلمندی سے پڑی رہی رات کی الجھن اب بھی اس کے چہرے پر واضح دکھائی دے رہی تھی۔

''تم ابھی تک الجھی ہوئی ہو زندگی چند سالوں پر محیط ہے اس کو انجوائے کرنا سیکھو۔'' شمریز جو ابھی نہا کر نکلا تھا گیلے بالوں کو تولیے سے رگڑتا ہوا تولیہ افراح کی جانب اچھال کر بولا تو اس نے ناگواری سے گیلے تولیے کو دور پھینک دیا اور اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے شمریز کے قریب چلی آئی۔

''جب آپ جانتے ہیں کہ زندگی چند سالوں پر محیط ہے تو اس کو غافل رہ کر گناہوں میں لتھڑے ہوئے نہیں گزاری جا سکتی۔''

''اچھا۔'' وہ تحیر ہوا اور پرفیوم میں اپنے ساتھ افراح کو بھی بھگو ڈالا۔

''اتنی اچھی باتیں نہ کیا کرو مائی ڈیئر کہ بندہ دنیا سے کنارہ کر کے درویشی اختیار کر لے۔''

''درویشی اختیار کرنے کو کون کہہ رہا ہے دنیا میں رہتے ہوئے لغزشوں پہ قابو پانا ایسا مشکل نہیں بس تھوڑی سی کوشش کی ضرورت ہے۔''

''چلو ٹھیک ہے تم کوشش جاری رکھو ہو سکتا ہے تمہاری کوششیں رنگ لے آئیں اور میں فقط تمہارے پہلو میں ہی اپنی عمر بتا دوں۔'' اس نے افراح کو کندھوں سے پکڑ کر اس کی شربتی آنکھوں میں جھانکا۔

''چلو آؤ ناشتہ کرتے ہیں قسم سے بڑی زوروں کی بھوک لگ رہی ہے رات سے بھوکا رکھا ہوا ہے تم نے، اللہ پوچھے گا تم سے۔'' کہتا اسے اپنے ساتھ لگائے باہر لے گیا اور وہ مرے قدموں سے اس کے ساتھ گھسٹتی چلی گئی۔

☆☆☆

وہ لان میں کرسی پر بیٹھی سوچوں میں غلطاں تھی شمریز آفس سے آ کر فریش ہو کر دوبارہ گاڑی لے کر چلا گیا تھا، ہوا میں خنکی تھی خنک ہوا کے جھونکے بھی اس کے اندر کی تپش کو کم نہ کر سکے وہ اندر ہی اندر سلگ رہی تھی اسے گیٹ کے باہر گاڑی رکنے کی آواز آئی تھی اس نے گیٹ کی سمت دیکھا دردانہ بنتے ہوئے گھر میں داخل ہو رہی تھیں انہوں نے افراح کو اس طرح افسردہ چہرے کے ساتھ دیکھا تو الجھ گئیں وہ اندر جانے کی بجائے اس کے پاس چلی آئیں۔

''ایسے تنہا کیوں بیٹھی ہو اندر جا کر کوئی مووی دیکھ لو میوزک سن لو یا پھر میرے ساتھ چلا کرو تمہاری لڑکیوں سے فرینڈ شپ کروا دوں گی تو وقت اچھا گزرے گا تمہارا۔'' وہ اس کے پاس ہی کرسی پر بیٹھ گئیں تو وہ ان کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

''میں اپنا اچھا وقت اپنے شوہر کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں مجھے یہ تنہائی آپ کے بیٹے نے دی ہے اور وہی میری تنہا کو بانٹے گا۔''

''مرد سے الجھنے کی کبھی کوشش نہ کرنا تمہاری یہ سب کوششیں رائیگاں جائیں گی اگر اپنا گھر بسانا چاہتی ہو تو برداشت پیدا کرو، میری طرح اپنے اندر ایک گہری قبر بناؤ جس میں شوہر کی ناانصافی ظلم زیادتی سب ڈالتی جاؤ اپنے چہرے کو مسکراہٹ کا لبادہ اوڑھاؤ اپنی آنکھوں میں محبوب شوہر کی بے وفائی پر اداسی کی بجائے دولت کی چمک پیدا کرو تاکہ کوئی تمہارے دکھوں کا راز پوری زندگی نہ جان پائے، تمہاری مسکراتی صورت پرتعیش زندگی اور خوبصورت مرد کے ساتھ پر دنیا رشک کرے، اپنے گھر کو بسانے کے لئے تمہیں اپنے بدن کو تذلیل کی پوشاک پہنانی

ہو گی۔" دردانہ اسے دیکھتے ہوئے عجیب سے لہجے میں بولتی جا رہی تھیں اسے ان کے چہرے پر واضح دراڑیں پڑتی محسوس ہوئیں جن سے دکھ جھانک جھانک کر اپنا حال بیان کرتے دکھائی دیئے ہر دکھ ایک الگ کہانی سناتا دکھائی دیا۔

"میں اپنا گھر ہی تو بسانا چاہتی ہوں آنٹی۔" وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر مسکرائی۔

"مرد سے مقابلہ کر کے تم گھر بساؤ گی؟"

"ہاں...... میں اپنے حق کے لئے مرد سے ضرور مقابلہ کروں گی اور آپ نے یہ دکھ یہ تذلیل برداشت کر کے اپنا گھر نہیں بسایا فقط اس چار دیواری کو اپنے لئے فقط پناہ گاہ نہیں بناؤں گی میں ایسا گھر بساؤں گی جہاں پر مجھے میرے شوہر کی مکمل محبت اعتماد اور اس کا بھرپور ساتھ شامل ہو گا۔" وہ اس کی بات پر استہزائیہ ہنسی تھیں۔

"پھر تو یہ خیال تمہیں اس چار دیواری سے گور میں ہی لے جائے گا یا پھر باپ کی دہلیز پر لوگوں کے چبھتے سوالوں کے جواب دیتے دیتے روح و دل زخمی ہو جائیں گے۔"

"تمہیں سمجھانا فضول ہے اپنے گھر کو اپنے ہاتھوں برباد کرنے والی تم خود ہو گی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اپنے گھر کو اپنے ہاتھوں آباد کرنے والی انشاء اللہ میں ہی ہونگی۔" مضبوط لہجے میں وہ انہیں سناتی لان کے دوسرے حصے میں چلی گئی۔

☆☆☆

میرے بدن کو نمی کھا گئی ہے اشکوں کی
بھری بہار میں کیسے مکان ڈھتا ہے

رونا شاید اس کی تقدیر میں لکھا جا چکا تھا کوئی کوشش کوئی تدبیر شمریز کو بدلنے میں کارگر ثابت نہیں ہو رہی تھی، اس کی وہی روٹین تھی صبح آفس کے لئے نکلتا شام کی چائے کبھی اس کے نام کر دیتا پھر رات گئے ہی اس کی شکل افراح کو دیکھنی نصیب ہوتی وہ اس کے لئے پہروں جاگتی شام کو کئی مرتبہ فون کرتی کبھی غصے سے لجاجت سے اور کبھی لہجے میں پیار سمو کر وہ اسے گھر جلدی آنے کا کہتی اور وہ یہاں کہ کر اس کی آنکھوں کو انتظار کا رستہ دکھا دیتا کبھی جلدی آ جاتا تو وہ اکڑ میں آ جاتی۔

"آہ! آخر کب تک زندگی اس ڈگر پر گزارے گی۔" اشک اس کے چہرے پر پھیلنے لگے۔

امی نے کتنا زور لگایا تھا اس رشتہ سے انکار کے لئے مگر اس کا اصرار اور شمریز کی طرف جھکاؤ دیکھ کر انہوں نے بھی ہار مان لی تھی کسی سے بھی شکوہ فضول تھا، ماں کو اپنے دکھوں کی خبر کر کے وہ انہیں دکھی نہیں کرنا چاہتی تھی جب ہی تو وہ ان سے جب بھی سکائپ پر بات کرتی اپنے کھوکھلے قہقہوں سے انہیں مطمئن کر دیتی صحیح کہہ رہی تھیں دردانہ کہ اپنے دکھوں کو اپنی ہنسی میں چھپانے کا فن سیکھو اور یہ فن اس نے سیکھ تو لیا تھا مگر اپنے مقدر سے ہار نہیں مانی تھی شمریز کے دل میں فقط اپنا ٹھکانہ بنانے کا خواب اب بھی اس کی آنکھوں میں جاگ رہا تھا، کلاک نے ایک بجے کا اعلان کیا تو وہ ہوش میں آ گئی اسی دم شمریز سیٹی پر کوئی دھن بجاتا کمرے میں داخل ہوا۔

"ہا...... میری زندگی کی خوشی مجھے پتا تھا کہ تم میرے انتظار میں بخوشی اپنی آنکھیں تھکا رہی ہونگی۔" وہ دھپ سے اس کے قریب لیٹ گیا وہ اٹھ کر اس کے جوتے اتارنے لگی۔

"تمہاری یہی ادائیں تو مجھے گھر لوٹنے پر مجبور کرتی ہیں ورنہ کس کافر کا دل اتنی مہ جبینوں کے پاس سے اٹھ کر آنے کو چاہتا ہے۔" اس نے افراح کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب بٹھا لیا، افراح نے اس کی طرف ڈبڈبائی نظروں سے دیکھا۔

کس قدر اذیت پسند شخص تھا اپنی زندگی کی خوشی بھی کہتا تھا اور اپنے لفظوں سے اس کی زندگی میں زہر گھول دیتا تھا وہ کتنی ڈھٹائی و فخر سے

حسیناؤں کے ساتھ وقت گزارنے کا ذکر کر رہا تھا۔

''کیا یہ گھٹیا کردار کا مالک میرا مقدر تھا میں نے تو کبھی کسی مرد کو اپنے چہرے پر غلط نظر ڈالنے نہیں دی تو پھر میرے نصیب میں ایسے غلط انسان کا ساتھ کیوں لکھ دیا گیا۔'' دل کرلانے لگا۔

''اس شخص کا ساتھ تم نے بڑی چاہ سے مانگا تھا ہزاروں دعائیں کی تھیں، ممتا کے مقابل اس شخص کو لے آئی تھیں، ممتا کو ہارنے پر مجبور کر دیا تھا تم نے افراح، پھر اب کیوں تقدیر سے شکوہ کر رہی ہو، تقدیر لکھنے والے نے تو تمہاری خواہش تمہاری آرزو و محبت کو تمہارے ماتھے کا جھومر بنایا جس سے تمہارے دل نے اپنی زندگی کی ہر خوشی وابستہ کر لی تھی، پھر یہ آنکھوں میں سیلاب کیوں تقدیر سے شکوہ تو جب ہے جب اس نے تمہیں امتحان میں ڈالا ہو یہ امتحان گاہ تو تمہاری اپنی منتخب کردہ ہے۔'' اس کے دہائی دیتے دل سے صدا ابھری، بلعض اوقات ہماری آنکھیں وہ نہیں دیکھ رہی ہوتیں جو اصل میں چھپا ہوتا ہے اور ہم بن سوچے بن دیکھے اس چیز کی تمنا وحصول کے لئے دعائیہ لب ہلاتے اور ہاتھ اٹھاتے ہیں، افراح نے اپنی آنکھوں کی نمی کو اپنے اندر اتار لیا انسان خود اپنے لئے خسارے کا سودا کرتا ہے اور پھر تقدیر سے شکوہ کناں ہوتا ہے، اشک اس کے دامن دل کو بھگوتے رہے۔

☆☆☆

سزا کے طور پر ہم کو قفس ملا جالب
بہت شوق تھا ہمیں آشیاں بنانے کا

آج کتنے دنوں بعد شمریز نے اسے اپنی ہمراہی بخشی تھی ویک اینڈ تھا اور وہ صبح سے اس کے ساتھ تھا کہیں جانا تو دور کی بات اس نے کوئی فون کال تک اٹینڈ نہیں کی تھی وہ اس کی سنگت میں اپنے آپ کو کتنی خوش محسوس کر رہی تھی کوئی اس وقت اس کے دل سے پوچھتا۔

رات کا کھانا کھا کر دونوں ٹیرس پر چلے آئے کتنی ہی دیر وہ ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے ہلکی چھیڑ چھاڑ، لمحے کیسے جی اٹھے تھے کمرے میں آ کر بھی وہ اس طرح کھلکھلاتے رہے۔

بیوی گھر میں سجانے یا دل بہلانے کی چیز نہیں ہے اسے ہمیشہ کے لئے اپنے دل اور گھر میں عزت ومحبت سے جگہ دینی پڑتی ہے اگر عورت کو اپنے گھر اور گھر والے کے دل میں یہ دونوں چیزیں مل جائیں تو وہ خار دار راستوں کو بھی گلوں سے مہکتی راہیں سمجھ کر پار کر لیتی ہے محبوب کا پانا ہی مقصد زندگی نہیں محبوب سے چاہے جانا ہی اصل زندگی ہے اس کے آئینہ دل میں رہنا ہی اس کی محبت کی جیت ہے عورت ہمیشہ مرد کے دل میں ایک روشن چراغ بن کر رہنا چاہتی ہے اپنی محبت کا چراغ وہ کبھی مدھم ہوتے نہیں دیکھ سکتی اور نہ ہی وہ یہ برداشت کر سکتی ہے کہ اس کے محبوب کے دل کی روشنی کسی اور سمت پڑے۔

شمریز کی توجہ اس کی نرمی اور محبت پا کر افراح نے اپنے دلی جذبات شمریز کے سامنے عیاں کر دیئے وہ اس کی بات سن کر مسکرا اٹھا تھا۔

''ہائے...... کیا اب اپنے لفظوں سے مارو گی قسم لے لو جو ایسا خوبصورت اظہار کبھی صنف مخالف سے سننے کو ملا ہو۔'' وہ بے خود ہو کر اس پر جھکا تھا۔

''شمریز جیون ساتھی کو وفادار ہونا چاہیے مرد کی وقتی وجسمانی محبت سے نہ کبھی عورت سیراب ہوتی ہے اور نہ اس کا دل، اسے تو اپنے محبوب شوہر سے تا عمر محبتوں کے پھول چننے، وفا پرستی اور عزت کی خواہش رہی ہے اس کی یہ بھوک کبھی مرتی نہیں ہے بلکہ بڑھتی چلی جاتی ہے۔'' شمریز کی توجہ آج سب کچھ اس سے اگلوا رہی تھی۔

''تم پاگل ہو بے وقوف ہو سمجھتی نہیں ہو یہ عورتیں محض دل لگانے کے وقتی سہارے ہوتے

ہیں ان کو گھر کی عزت بنانے کا کوئی سوچتا بھی نہیں ہے بس دل بہلایا اور آگے نکل گئے تم اطمینان رکھو میرے دل میں جو تمہارا مقام ہے وہ میں کبھی کسی کو نہیں دے سکتا میرے گھر کی عزت اور میری چاہت ہو تم۔'' شمریز نے آنکھوں میں پیار سموتے ہوئے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا افراح نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔

''یہ کیسی چاہت ہے شمریز کیسا دل ہے جس میں جائز و ناجائز دونوں محبتیں سما جاتی ہیں۔''

''تم سے بحث بے کار ہے تم کہاں سمجھو گی ہمیشہ محبت کا رونا ہی روتی رہو گی پتا نہیں کون سی محبت کی تمنائیں اپنے دل میں جگا رکھی ہیں میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں جو بیوی سے اظہار محبت بھی کرتے ہیں قسمیں بھی کھاتے ہیں اور چوری چھپے اپنے معاشقے بھی چلاتے ہیں میں جو کچھ ہوں میرا جو کردار ہے وہ سامنے ہے میرا ظاہر و باطن ایک ہے اگر برا ہوں تو برا ہی نظر آؤں گا اچھا بن کر اپنی برائیوں پر پردہ نہیں ڈالوں گا۔'' اس نے آف موڈ کے ساتھ لائٹ آف کی اور کروٹ بدل گیا افراح اس کی پشت کی طرف دیکھ کر گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

☆☆☆

وہ فریش ہو کر کمرے سے نکلا اور ڈائننگ ٹیبل کی طرف قدم بڑھا دیئے دردانہ وہاں پہلے سے موجود تھیں وہ ان کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''افراح نہیں آئی۔''

''وہ سو رہی ہے میں نے جگانا مناسب نہیں سمجھا۔'' لاپروائی سے کہتے ہوئے اس نے سلائس پر مکھن لگانا شروع کیا دردانہ اس کے چہرے کو دیکھنے لگیں۔

''شمریز بیٹا افراح ایک سمجھدار سلجھی ہوئی اور محبت کرنے والی لڑکی ہے اس طرح نظر انداز مت کرو توجہ دو اس کو۔'' وہ چائے کے سپ لیتے ہوئے آہستہ سے اس سے مخاطب ہوئیں۔

''میں نے اسے کب نظر انداز کیا ہے ممی، اچھی بھلی زندگی گزار رہی ہے عیش و آرام سب کچھ حاصل ہے اسے اور کیا چاہیے اس کو، تین کمروں کے گھر سے اتنی بڑی کوٹھی میں اسے کیا کچھ میسر نہیں ہے۔'' اس نے سلائس دانتوں سے کاٹا اور چائے کا کپ لبوں سے لگا لیا۔

''یہ عیش و آرام اور کوٹھی بنگلہ عورت کو کبھی بھی وہ خوشی نہیں دے سکتے جو ایک شوہر کی محبت اور کو مسرور کر سکتی ہے۔''

''میری محبت بھی اسے حاصل ہے پھر وہ کیوں ناشکری کر رہی ہے۔'' ناگواری اس کے لہجے سے چھلکی۔

''محبت میں بٹوارہ اس کی خوشی کو ادھورا کر رہا ہے۔''

''کیسا بٹوارہ، اگر میں کسی لڑکی سے ہنس کر بول لوں اس کے ساتھ چند لمحے گزار لوں تو کیا اس کی محبت میں بٹوارہ ہو گیا۔''

''اپنے باپ کی زبان مت بولو اس کے نقش قدم پر مت چلو شادی سے پہلے بات اور تھی اب اپنے آپ کو سنبھالو جو دکھ تمہارے پاپا نے ساری عمر میری زندگی میں گھولے ہیں ان دکھوں سے افراح کو آشنا نہ کرو، وہ بہت معصوم ہے بھولی ہے تمہاری سچی چاہت کی طلبگار ہے اپنے گھر کو اپنی خوشیوں کو تم سے آباد دیکھنا چاہتی ہے۔''

''اوہ ممی یہ کیا آپ نے صبح ہی صبح لیکچر شروع کر دیا رات کو اس نے دماغ خراب کیا اور اب آپ موڈ خراب کرنے کے موڈ میں ہیں، میرا اپنا لائف اسٹائل ہے میں ایسے ہی رہوں گا افراح کو میری اس عادت کا عادی ہو جانا چاہیے ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے پچھتانا پڑے۔'' وہ چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ کر کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا، و[illegible] تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔

انہیں حقیقتاً شمریز کے رویے نے ضرر پہنچایا تھا انہوں نے ہمیشہ اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر نتیجہ بے سود رہا، وہ دل سے افراح کی خوشیوں کے لئے شمریز کے بدلنے کی دعائیں کرنے لگیں۔

☆☆☆

جتنی دعائیں آتی تھیں
سب مانگ لیں ہم نے
جتنے وظیفے یاد تھے سارے
کر بیٹھے ہیں
کئی طرح سے جی دیکھا ہے
لیکن جاناں
کسی بھی صورت
تم میرے ہو کر نہیں رہتے

سوچ سوچ کر اس کا دماغ شل ہوا جارہا تھا۔

"نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔" کرے تو کیا کرے شمریز نے اس کی زندگی کو الجھا دیا تھا، نہ وہ کھل کر پورے اعتماد سے خوش ہو سکتی تھی اور نہ اس کی طرف سے کسی اندیشے کو دل میں جگہ دے سکتی تھی، کبھی شیدائی تو کبھی ہرجائی، عجیب کشمکش سے دوچار تھی اور آج کے اس جھگڑے نے تو اس کی ساری امیدوں کو رزق خاک کر دیا تھا جب اس نے اس کو زندگی کی تلخیوں سے آگاہ کیا۔

"نہیں شمریز میں اتنی وسیع القلب نہیں ہو سکتی میرا دل اگر آپ کی محبت سے لبریز ہے تو پھر آپ کا کاسہ دل بھی میرے پیار سے بھرا ہونا چاہیے یہ جو غیر لڑکیوں کی محبتیں آپ اپنے دل میں سمائے ہوئے ہیں یہ محبتیں نہیں آلائشیں ہیں مجھے ان آلائشوں سے پاک ایک سچی اور کھری محبت چاہیے میں اپنی محبت میں ملاوٹ ہرگز برداشت نہیں کروں گی اگر آپ مجھ سے ایک خالص محبتوں سے گندھے رشتے کی طلب رکھتے ہیں تو میں بھی اس کی متمنی ہوں، ایک عورت اگر شوہر کی موجودگی میں کسی غیر مرد سے آپ جیسی دوستی کا رشتہ رکھے تو وہ دنیا کی نظروں میں بھی بدکار اور رب کے ہاں بھی اس کی معافی نہیں یہی حکم مرد کے لئے بھی ہے مرد اس سے استثناء نہیں ہے انہیں بھی نیچی نگاہیں رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، آپ کو اپنے عمل کا حساب دینا پڑے گا دنیا بے شک مرد کی ان غلطیوں پر پردہ ڈالے مگر اللہ کے ہاں اس کی پکڑ ضرور ہوگی یہ بات یاد رکھنا شمریز آج نہیں تو کل تمہیں اس کا تاوان ضرور ادا کرنا ہوگا اور ہو سکتا ہے تمہاری بیٹی ہی یہ تاوان ادا کرے۔"

"فضولیات بند کرو۔" وہ دہاڑا تھا۔

"دیکھا ابھی بیٹی کا منہ نہیں دیکھا مگر اس کی تڑپ کیسے دل تڑپا گئی۔"

"میں اگر تمہاری سچی و کھری محبتوں کی طلب پوری نہیں کر رہا تو افراح شاہد حسین تم میری صرف سے آزاد ہو جیسے چاہو اپنی زندگی گزارو، میں روز تمہاری عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہو کر سوالوں کے جواب دینے سے قاصر ہوں۔" اس نے ایک لمحے میں بات ختم کر دی تھی۔

"ٹھیک ہے اگر تمہیں میری جائز طلب تکلیف دیتی ہے تو میں بھی تمہاری طرف سے دی گئی اذیتوں میں سانس نہیں لے سکتی مجھے کل ہی یہاں سے جانا ہے بہتر ہے بندوبست کر دو۔" وہ بھی جیسے ہار چکی تھی۔

ڈرائیور اس کا سوٹ کیس گاڑی میں رکھ رہا تھا وہ دردانہ کو خدا حافظ کہنے اس کے پاس چلی آئی انہوں نے تاسف بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا انہوں نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے ہی تھے مگر وہ نظریں چرا گئی انہیں نظر انداز کرتی باہر گاڑی میں آبیٹھی آنسوؤں کی دبیز چادر نے سارے منظر دھندلا دیئے تھے پتا نہیں وہ کیسے کیسے کن کن راستوں پر اپنی کرلاتی محبت کے

نشان ثبت کرتی اپنی ماں کی پناہوں میں پہنچی تھی صالحہ بیگم یوں اچانک بیٹی کو تنہا دیکھ کر ہول گئیں، مزید اس کی حالت نے دل کو ہولا دیا وہ کچھ نہ بھی بتاتی تو بھی وہ اس کے ستے چہرے و ڈبڈبائی نظروں سے بہت کچھ جانچ چکی تھیں کہ بیٹی کے گھر اور دل کو دھچکا لگ چکا ہے تاہم وہ خاموش رہیں تاوقت یہ کہ اس نے خود لب نہ کھول دیے۔

''امی میں نے تو یہی پڑھا ہے کہ پاک دامن عورتوں کے لئے پاک دامن مرد ہیں پھر میرے ساتھ یہ ناانصافی کیوں ہوئی آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ ہماری تربیت آپ نے کتنی اچھی کی کہ ہمارا دامن شفاف آئینے کی طرح چمکا پھر مجھے ایسے مرد کا ساتھ کیوں نصیب ہوا جس کو گناہ ثواب حیاء و بے حیائی کا ادراک ہی نہیں ہے۔'' وہ شکوہ کرتے ہوئے سسک پڑی ماں نے گلے لگا کر آنسو پونچھے۔

''پاک دامن عورتوں کے لئے پاک دامن مرد ہی ہیں، میری بیٹی جب تم یہ بات جانتی ہو تو اپنے رب سے شکوے کے بول کیوں بولے۔''

''مجھے کہاں یہ سب ملا؟ امی شمریز گناہوں میں لتھڑا ہوا شخص ہے صنف مخالف سے تعلقات اور دوستیاں اس کے نزدیک کوئی معیوب بات نہیں۔'' وہ تڑپ اٹھی۔

''دل تھوڑا نہ کرو بعض اوقات بندے پر اللہ کی طرف سے آزمائش آتی ہے میرے رب نے تمہیں خاص طور پر چنا ہے وہ شمریز کی بھلائی چاہتا ہے اسے سدھارنا چاہتا ہے اور یہ کام وہ تم سے لے گا۔'' انہوں نے اسے حوصلہ دیا حالانکہ اس کی بات نے انہیں اندر سے ہلا دیا تھا۔

''اللہ مجھ سے یہ کام لے گا جس کو اپنے رب کا خیال نہیں سدھار سکتا اسے میں کیسے سدھاروں گی۔'' وہ اپنی بھولی ماں کی بات سن کر زخم خوردہ ہنسی ہنس پڑی۔

''تم ہی اسے راہ راست پر لاؤ گی بس تھوڑا صبر برداشت اور حوصلے سے کام لینا ہوگا اس نے اپنے گھر میں جیسا ماحول دیکھا وہی اپنایا کوئی روکنے والا نہ تھا کبھی غلطی پر ڈانٹ نہ پڑی گناہ و ثواب سے جب آگاہی حاصل نہ ہو تو انسان یونہی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے اسے اس دلدل سے نکالنے والی اپنے کیے پہ ندامت کا احساس دلانے والی تم ہو گی انفراح یہ میرا یقین ہے۔'' وہ پرعزم لہجے میں اسے تسلی دینے لگیں وہ ان کی طرف دیکھ کر رہ گئی، تھوڑی ہی دیر میں سدرہ بھی ان کے پاس چلی آئی۔

''دوسرے کے آنگن میں کھلا پھول صرف خوشنما لگتا ہے اسے چھونے پر ملامت اور کانٹے ہی ملتے ہیں مگر اپنے آنگن میں کھلا پھول خوشی اور سکون دیتا ہے یہی حال بیوی کا ہے مرد باہر لاکھ آنکھیں سینک کر آئے مگر سکون گھر کی عورت سے ہی ملتا ہے عزت ہمیشہ وہ بیوی کو ہی دے گا لوٹ کر اسی کے پاس آئے گا۔'' سدرہ بھی اسے سمجھانے لگی۔

''اس کے لوٹ کر آنے کے انتظار میں، میں روز اپنے دل کو اذیت بخشتی رہوں وہ روز مجھے کچوکے لگاتا رہے اور میں صبر کے گھونٹ پیتی رہوں مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے۔''

''یہی تو اصل محبت ہے مرد کی خامیوں کو پس پشت ڈال کر اسے اپنی محبت کے حصار میں ایسے باندھو کہ وہ اس حصار سے نکل ہی نہ پائے۔'' سدرہ کی بات پر سلمٰی نے بھی گردن ہلائی۔

''میرے پاس ایسا کوئی منتر نہیں ہے کہ جسے پڑھ کر میں اسے اپنے حصار میں قید کرلوں میں نے اپنی پوری سی کوشش کی ہے اسے زیر کرنا آسان نہیں ہے وہ اپنی عادتوں کو کبھی بھی ترک نہیں کرسکتا وہ مجھے چھوڑ دے گا مگر برائی کے راستے کو کبھی نہیں چھوڑے گا۔'' وہ جل کر بولی اسے سدرہ کی بات سن کر غصہ آگیا تھا وہ کب

سے انہیں اپنا دکھ بتا رہی تھی اور وہ دونوں بجائے اس سے ہمدردی کرنے کے نصیحتوں کی پٹاری کھول کر نصیحتیں کیے جا رہی تھیں۔

''میری بات سنو محبت کوئی لین دین نہیں ہے صرف دین ہے اگر تمہیں اس سے واقعی محبت ہے تو صرف اپنی محبت اسے دان کرتی رہو، وہ تمہاری محبتوں کے بوجھ تلے ایسا دبے گا کہ کسی طور اس سے رہائی ممکن نہ ہوگی، کہیں اور جانے کی ہمت نہ ہوگی تمہارا اسیر ہو جائے گا، بزرگوں نے قول یونہی نہیں کہے اس کو اپنے ذہن میں رکھ لوگی تو اپنا گھر مقصود حاصل کر لوگی۔'' سدرہ نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا اور بچوں کو جھگڑتا دیکھ کر ان کے پاس چلی گئی۔

''تم اگر یہاں آ کر بیٹھ گئیں تو خاندان میں سو باتیں بنیں گی بظاہر شمریز اور اس کی فیملی ہر لحاظ سے ٹھیک ہے اندر کے حالات کون جانتا ہے کسی بھی تلخی کی صورت میں لڑکی کو ہی قصور وار ٹھہرایا جاتا ہے اور جس بات کو بنیاد بنا کر تم اپنے گھر سے آئی ہو لوگ اس بات کو اہمیت نہیں دیتے مردوں کے ایسے سو گناہ بھی معاف کر دیتی ہے دنیا، بس لڑکا کھاتا کماتا ہو چار دیواری میں پناہ دے دے یہ خوبی اس کی ساری برائیوں پہ پردہ ڈال دیتی ہے۔'' سلمٰی اسے زمانے کی حقیقتوں سے آشنا کر رہی تھیں اذان ہوئی تو وہ وضو کرنے چل دیں اور افراح اپنی سوچوں کے ساتھ پھر اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی۔

''یہ کیسا معاشرہ ہے کیسے لوگ ہیں کیسے رشتے ہیں یہ میری ماں اور بہن کی سوچ ہے جن کو مرد کی برائی برائی ہی محسوس نہیں ہو رہی، بس صبر سے برداشت کرنے کا ہر ایک سبق دیئے جا رہا ہے، کہاں تک صبر کروں میں، صبر کرتے کرتے میرے آنسوؤں نے بھی میرا ساتھ دینا چھوڑ دیا ہے میرے دل میں دکھ اپنا ٹھکانہ بنا کر پورے کروفر سے رہنے لگا ہے اس دکھ کے ساتھ میں کہاں تک نباہ کروں کہاں تک اس کا ساتھ دوں کوئی میری سننے والا نہیں کوئی میرے دکھ کو سمجھنے والا نہیں۔'' دل اس کے آنسوؤں کے زیر آب آ گیا تھا۔

☆☆☆

کتنے ہی دن اماں اسے اپنے گھر جانے اور شمریز کو بھرپور محبت دینے اس کا خیال رکھنے کے لئے قائل کرتی رہیں سدرہ اور رملہ بھی ان کی ہم نوا بنی رہیں ابا تمام حالات سے بے خبر اس کی خوشیوں کے دائمی رہنے کی دعائیں کرتے رہتے پھر پتا نہیں اماں شمریز اور دردانہ آنٹی کے درمیان کیا باتیں ہوئیں کہ چند دن بعد وہ اس کے سامنے تھے وہ اپنے کمرے میں آنکھوں پر بازو رکھے اسی دشمن جاں کو سوچے جا رہی تھی کہ جس نے اس کی سوچوں پر ایسا تسلط کیا تھا کہ کسی پل وہ اس کی یاد میں دامن چھڑا نہ پا رہی تھی ذہن و دل سے اس کی یادیں دسرا پا چمٹ کر رہ گیا تھا شمریز نے خاموشی سے اندر داخل ہو کر اس کے ہاتھوں پر اپنے مضبوط ہاتھ رکھ دیئے، گرم و مانوس ہاتھوں کا لمس کرنٹ بن کر لگا وہ ایکدم اٹھ بیٹھی وہ پلکیں جھپک جھپک کر دیکھ رہی تھی کہ وہ عالم خواب میں تو نہیں۔

''اب یقین کر بھی لو کہ تمہاری زلفوں کا اسیر تمہارے حسین چہرے کا شیدائی تمہارے اتنا قریب ہے کہ تم اس کے سانسوں کی مہک سے مدہوش ہو سکتی ہو۔'' آنکھوں میں بے تابی و بے قراری لئے وہ اس پر جھکا تھا۔

افراح نے گھبرا کر اسے ایکدم دھکیلا اور دروازے کی طرف دیکھا شکر ہے دروازہ اچھی طرح بند تھا شمریز نے اس کی اس احتیاط پر قہقہہ لگایا تو وہ خجل سی ہو گئی۔

''پتا نہیں امی نے کون سی افراح کا نقشہ کھینچ کر اسے بلایا تھا کہ وہ فوراً ہی ان کے بلاوے پر آن پہنچا اس کے رویے سے کہیں سے بھی نہیں

لگ رہا تھا کہ ان دونوں کے درمیان کچھ دن قبل ہلکی سی بھی رنجش رہی ہو وہ اس پر پہلے دن کی طرح فریفتہ ہو رہا تھا۔'' سلمٰی نے اسے ہزار دلیلیں دے کر اور نصیحتیں کر کے شمریز کے ساتھ جانے پر آمادہ کر لیا تھا وہ جو سوچ رہی تھی کہ زندگی بھر ایسے ہرجائی شخص کی شکل نہ دیکھے گی جس کی ذات سے اسے سوا کے دکھ اور اذیت کے کچھ نہیں ملتا مگر اس دشمن دل کو سامنے دیکھ کر سارے ارادے ڈھے گئے تھے پتا نہیں اس کے دل پر کیسا طلسم ہوا تھا جو صرف شمریز کی محبت کا طلبگار تھا اس کی محبت پوری طرح سے پنجے گاڑھ کر بیٹھ گئی تھی اور کسی طور وہاں سے نکلنے کا نام نہیں لے رہی تھی وہ جتنا اس کو وہاں سے نکالنے کے جتن کرتی وہ اتنے ہی پر پھیلا کر پورے استحقاق سے بیٹھ جاتی اس نے اپنے آپ سے نہ چاہتے ہوئے بھی ہار مان لی تھی۔

''میں نے شمریز کی آنکھوں میں شرمندگی کی جھلک دیکھی ہے اور جس شخص کی آنکھ میں شرمندگی کا ہلکا سا بھی شائبہ ہو اس کو پلٹنے اور سدھرنے میں دیر نہیں لگتی، تم اپنی پوری سی کوشش کرنا ہمت مت ہار دینا بہت جلد وہ اپنی بدعادتیں ترک کر کے جائز وشرعی رشتے کو اپنا سب کچھ سمجھنے لگے گا۔'' جاتے سمے تک سلمٰی اس کے کانوں میں نصیحتیں انڈیلتی رہیں اور وہ چپ چاپ سنے گئی ابا کو اس کی جدائی گراں گزر رہی تھی مگر بیٹیوں کو اپنے گھروں میں آباد رکھنے کی خواہش میں باپ بخوشی اس کی جدائی کے آنسو پی جاتا ہے اور یہی حال اس وقت شاہد حسین کا تھا بہت سی دعاؤں کے ہمراہ وہ گھر سے اپنے شریک سفر کے ساتھ گامزن سفر ہوئی تھی۔

☆☆☆

سہولت ہو اذیت ہو تمہارے ساتھ رہنا ہے
کہ اب کوئی بھی صورت ہو تمہارے ساتھ رہنا ہے
اور اب گھر بار جب ہم چھوڑ کر آ ہی چکے ہیں تو
تمہیں جتنی بھی نفرت ہو تمہارے ساتھ رہنا ہے

کراچی آنے کے بعد شمریز نے چند دن اس کی مرضی کے مطابق گزارے تھے اور وہ جیسے ہواؤں کا سفر کرنے لگی تھی سرتاپا خوشیوں میں نہا گئی تھی۔

مگر اس کی یہ خوشیاں عارضی ثابت ہوئی تھیں وہ پھر سے اپنے معمول پر آ گیا تھا افراح کو پھر سے درد سے آشنائی ہو چلی تھی وہی کرب و اذیت جس کو برداشت کرتے کرتے وہ تھک کر یہاں سے نکلی تھی وہی اس کے حصے میں پھر در آئی تھی اسے اپنے لئے اس درد سے نکلنے کا کوئی روزن کوئی کھڑکی نظر نہ آئی تھی سارے راستے جیسے اس کے لئے مسدود ہو چکے تھے ماں کے الفاظ اس کے کانوں میں سرگوشی کرتے اور وہ جیسے بلبلا اٹھتی۔

''عورت کے لئے مرد کی کمائی اور چار دیواری اس عیوب پر پردہ ڈال دیتی ہے۔''

''دنیا ہمیشہ کسی کمی کی صورت میں عورت کو ہی مورد الزام ٹھہرائی ہے۔'' الفاظ نشتر بن کر اس کی روح کو زخمی کر گئے۔

''کیوں...... کیوں یہ معاشرہ عورت کے ساتھ یہ ناانصافی ظلم زیادتی کرتا ہے اسے اس کی روح پر لگے گھاؤ کیوں نظر نہیں آتے یہ دنیا جہان تو جھکر عورت کی اتنی تذلیل کیوں کرواتی ہے۔'' وہ تڑپ اٹھتی۔

رونا آ ہی جاتا ہے
دکھ جب باتیں کرتے ہیں

اس نے حالات سے کسی حد تک سمجھوتا ضرور کیا تھا مگر اپنی قسمت پر صبر نہیں کیا تھا اس نے اپنی قسمت بدلنے میں اپنے آنسوؤں کا سہارا لے رکھا تھا اسے امید تھی کہ اس کے یہ آنسو قسمت بنانے والے سے ضرور اپنی نئی تقدیر لکھوا لیں گے جس میں اسے کسی غم سے آشنائی نہ ہوگی، اس نے تھک کر آنکھیں موند لیں جانے کس پہر اس کی

آنکھ لگ گئی۔

رات کا پتا نہیں کون سا پہر تھا اس کی آنکھ کھلی اس نے اپنے برابر نظر ڈالی تو شمریز کی جگہ خالی پڑی تھی کلاک کی طرف دیکھا تو چھوٹی سوئی کو دو کے قریب سرکتے دیکھا کتنی دیر وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں بیٹھی رہی شمریز کے بستر پر ہاتھ پھیرتی رہی دل گھبرایا تو اٹھ کر باہر چلی آئی، باہر ہر سو خاموشی نے اپنے پر پھیلا رکھے تھے دردانہ بیگم کے کمرے کی لائٹ بھی آف تھی، وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی بیرونی دروازہ کھول کر باہر لان میں چلی آئی کچھ دیر وہ گھاس پر ٹہلتی رہی پھر تھک کر سنگی بینچ پر بیٹھ گئی، چوکیدار گیٹ کے پاس اونگھ رہا تھا وہ اسے تاسف سے دیکھنے لگی، پیٹ کی خاطر نیند کی قربانی بھی دینی پڑتی ہے تب کہیں نوالوں کی شکل دیکھنی نصیب ہوتی ہے اسی دم ہلکے سے گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی اور چوکیدار نے ہڑبڑاتے ہوئے گیٹ کھول دیا، شمریز گاڑی لئے اندر چلا آیا وہ کار سے نکلا اور دوسری سائیڈ کے فرنٹ ڈور کی طرف آیا دروازہ کھولا اور ہاتھ پکڑ کر ایک مومی مجسمے کو باہر نکالا اندھیرے میں وہ لڑکی دودھیا روشنی پھیلا رہی تھی وہ مسکراتے اور لڑکھڑاتے ہوئے اس حسین مورت کی کمر میں ہاتھ ڈالے انیکسی کی طرف بڑھ گیا، افراح اپنی جگہ ساکت رہ گئی یہ وہ لڑکی تھی جو اس دن بے تکلفی سے آئسکریم پارلر میں شمریز سے ملی تھی وہ اسے اندھیرے میں بھی پہچان گئی تھی۔

شمریز اردگرد نگاہ ڈالے بغیر اپنے اطراف سے بے خبر چلا جا رہا تھا افراح کا سانس گلے میں اٹک کر رہ گیا، غم و غصے کی لہر اس کے پورے وجود میں رینگنے لگی اسے اپنی بصارت پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ شمریز اس حد تک گر سکتا ہے، جائز و حلال رشتے کی گھر میں موجودگی کے باوجود وہ حرام کی طرف بڑھا تھا اپنی اس تذلیل پر دل کٹ کر رہ گیا اس کے لگا اس کے پورے وجود کو کسی نے بے دردی سے جھنجھوڑ ڈالا ہو، اس کے اس دکھ پہ چاندنی منہ چھپا کے رونے لگی، ستارے بین کرتے دکھائی دیئے، پتوں سے سرسراتی ہوا بھی اس کے دکھ پر جیسے ساکت ہو گئی تھی، رات کی تاریکی اس کی بے بسی کا تماشا بڑی افسردگی سے دیکھ رہی تھی۔

''اے اللہ! یہ سب کیا ہے؟ اپنی بے بسی و تذلیل پر روؤں، تجھ سے شکوہ کروں یا چپ چاپ آنسو بہا کر دل کو صبر کی تھپکیاں دوں۔''

جونہی انیکسی میں موجود روم کا دروازہ لاک ہوا وہ جیسے ہوش میں آ گئی وہ تیزی سے چوکیدار کی طرف پلٹی۔

''کب سے یہ کھیل کھیلا جا رہا ہے اور تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔'' وہ اس پر غرائی۔

''بی بی جی ہم نوکر لوگ ہیں ہمیں معاف کر دیں۔''

(☆☆☆)

اسی دم دور سے پولیس موبائل کی چنگھاڑتی آواز سنائی دی، اس کا ذہن بیدار ہونے لگا موبائل کی آواز اپنا شور بکھیرتی قریب آ رہی تھی، اب وقت کچھ سوچنے کا نہیں کر گزرنے کا تھا۔

''گیٹ کھولو بابو دین۔'' وہ چلائی۔

''مگر بی بی جی......'' وہ پل میں جیسے اس کا ارادہ بھانپ گیا۔

''تمہارے ہاتھ اگر کانپ رہے ہیں تو گیٹ میں کھول لیتی ہوں۔'' اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر گیٹ کھول دیا اور باہر نکل گئی، بابو دین لرزتے ہاتھوں اور کانپتی ٹانگوں سے شمس الدین کا نمبر ملا رہا تھا۔

وہ گھر کے سامنے سڑک پر عین بیچوں بیچ کھڑی ہو کر چلا رہی تھی، پولیس موبائل اس کے

بے حد قریب رکی تھی، مختصر لفظوں میں پھولی سانسوں سے اس نے پولیس مین کو اپنی بات کہہ کر اسے اندر چلنے کو کہا۔

''دیکھو بی بی یہ تمہارا گھریلو معاملہ ہے اسے گھر پر ہی حل کرو، پولیس ان مسئلوں میں نہیں پڑتی۔'' اس نے اس کی بات کو مکمل نظر انداز کر کے ڈرائیور کو گاڑی چلانے کا اشارہ کیا۔

''یہ گھر کا معاملہ نہیں ہے سر یہ جرم کا معاملہ ہے، پولیس شوہر کے بیوی پر تشدد کرنے پر جب اس سے پوچھ گچھ کر سکتی ہے تو اسے سزا دے سکتی ہے تو شوہر کی طرف سے بیوی کی روح پر لگے گھاؤ ذہنی اذیت و کرب دینے پر اسے سزا کیوں نہیں دے سکتی۔'' وہ گلا پھاڑ کر چلائی تھی، ساتھ بیٹھے دوسرے پولیس والے نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی، پہلے والے پولیس آفیسر نے لمحہ بھر کو اس کی بات پر سوچا اور پھر ہلکے سے گردن ہلاتا موبائل سے چھلانگ لگا کر اترا اور اس کے ساتھ گیٹ میں داخل ہو گیا۔

''اس روم میں موجود میرے خدا کے اور قانون کے مجرم کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیجیے سر۔'' وہ سرخم کرتا ہوا دروازے کو ناک کرنے لگا۔

چند ثانیے خاموشی رہی پولیس والے نے دروازہ دھڑا دھڑ پیٹا تو چند لمحوں بعد ہی خمار آلود آنکھیں لئے شمریز نے دروازہ کھول دیا اپنے سامنے پولیس کو دیکھ کر اس کا سارا خمار ہوا ہو گیا۔

''اپنے ساتھ موجود اندر سے لڑکی کو باہر نکال لئے۔'' وہ اپنی کیپ درست کرتے ہوئے تحکم بھرے لہجے میں بولا۔

''کون سی لڑکی آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔''

''مسٹر زیادہ باتیں نہ بناؤ آپ کی مسز نے ہمیں کال کر کے انفارم کیا ہے کہ اس کا شوہر اپنی بیوی کی موجودگی میں غیر عورت کے ساتھ اپنے وقت کو رنگین و گناہگار کر رہا ہے۔''

''میری مسز......؟'' اس کی آنکھیں تحیر سے ابل پڑیں۔

اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ افراح اس قدر دلیری و جرأت کا مظاہرہ کرے گی وہ دبو سی لڑکی اپنے شوہر کی عزت کو داؤ پر لگا دے گی اپنے انجام کی پروا کیے بغیر ایک انتہائی قدم اٹھالے گی افراح اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

''میں نے ہی ان کو کال کر کے بلایا ہے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں بغیر کسی خوف کے جھانک کر بولی اور اندر سے اس بے حجاب و نیم عریاں لباس میں ملبوس کافرانہ اداؤں کی مالک دوشیزہ کو گھسیٹتی ہوئی باہر لے آئی۔

''آپ چھوڑ دیجئے میڈم۔'' دوسرے پولیس مین نے آگے بڑھ کر اس لڑکی کو سائیڈ پر کھڑا کیا جو ہرنی سی آنکھیں لئے اس منظر کو حیران و پریشان ہو کر دیکھ رہی تھی۔

''السلام علیکم سر!'' بھری مردانہ آواز پر سب نے پلٹ کر دیکھا تو شمس الدین پولیس کی بارعب وردی میں ملبوس شخص سے مصافحہ کے لئے ہاتھ آگے بڑھا رہے تھے۔

''آیئے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر سامنے صوفے کی طرف لے گئے۔

''تم یہاں سے جا سکتی ہو۔'' وہ افراح کی طرف دیکھ کر بولے، وہ چپ چاپ وہاں سے نکل آئی اس کا کام ہو چکا تھا وہ اپنے کمرے میں آئی تو دردانہ کو پہلے ہی وہاں موجود پایا۔

''یہ کیا بے وقوفی کر دی تم نے بے وقوف لڑکی، کوئی اپنے شوہر کو بھی اس طرح ذلیل کرتا ہے۔'' انہوں نے دانت پیسے۔

''جب شوہر بیوی کی تذلیل کر سکتا ہے تو پھر عورت اپنے حق کے لئے کچھ بھی کر سکتی ہے اور آنٹی میں نے بے وقوفی نہیں کی سمجھداری کا ثبوت دیا ہے گندگی کے گٹر میں گرنے سے بچایا ہے میں نے آپ کے بیٹے کو، گناہگار کو جان بوجھ کر گناہوں کی گٹھڑی اٹھانے دینا بھی جرم

ہے، جرم دیکھنے والی آنکھ بھی مجرم ٹھہرتی ہے کاش آپ ان گناہوں کی پردہ پوشی کرنے کی بجائے آگے بڑھ کر انہیں بے نقاب کر دیتیں تو آج نہ صرف اذیت سے بچی ہوتیں بلکہ اپنا دامن بھی صاف پاتیں آپ بھی مجرم ہیں کیونکہ گناہوں کی طرف بڑھتے قدموں کو روکنے کی آپ نے کبھی کوشش ہی نہیں کی مگر میں آپ کا کردار نہیں دہراؤں گی۔'' اس کا لہجہ پرعزم تھا۔

''اس سمجھداری کا خمیازہ تمہیں بہت برا بھگتنا پڑے گا میں نے تمہیں بہت سمجھایا افسوس تم نے میری ایک نہ سنی اس بھول میں نہ رہنا کہ شمریز تمہاری اس غلطی کو معاف کر دے گا۔'' وہ اسے تاسف سے دیکھتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''تو نہ کرے معاف میں سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔'' مسکراتے ہوئے وہ بیڈ پر نیم دراز ہو گئی، دردانہ اسے ملامتی نگاہوں سے گھورتی کمرے سے نکل گئیں اور اس کی اس جرأت کا بقول دردانہ غلطی کا نتیجہ اس کی سوچ کے عین مطابق ہوا، فجر کی اذانوں کے قریب شمریز دروازے کو بری طرح دھکیلتا نہایت مشتعل ہو کر اس کی طرف بڑھا تھا وہ اس کے جارحانہ رویے قطعاً نہ گھبرائی ہاں بس اتنا کیا کہ لیٹنے سے اٹھ کر بیٹھ گئی وہ اس کے مقابل بیٹھا چند ثانیے اسے گھورتا رہا اور پھر اس کا گلا اتنے زور سے دبوچا کہ اس کی آنکھیں ابل پڑیں۔

''آج کی اس حرکت سے تم نے اپنے آپ کو ہمیشہ کے لئے مجھ سے دور کر لیا ہے محبت تو کیا تم میری نفرت کے بھی قابل نہیں ہو ساتھ رہنا تو درکنار میں تمہاری شکل دیکھنا بھی پسند نہیں کروں گا۔'' آنکھوں میں وحشی پن لئے وہ اس سے مخاطب تھا۔

''میں اپنے ہوش و حواس میں تمہیں طلا.....'' اسی دم شمس الدین نے بجلی کی سی سرعت سے کمرے میں داخل ہو کر اس کے لبوں پر سختی سے ہاتھ رکھا تھا۔

''تم ایسا کچھ نہیں کرو گے اس غلطی پر اس کو مارو پیٹو لعنت ملامت کرو جو تمہارا دل چاہے کرو مگر طلاق اسے کسی صورت نہیں دو گے خاندان کا معاملہ ہے میں شاہد حسین کو کیا جواب دوں گا اگر تم نے ایسا کیا تو میں تمہیں اپنی جائیداد سے عاق کر دوں گا۔'' جتنی تیزی سے وہ آئے تھے کہہ کر اتنی تیزی سے وہ چلے بھی گئے، شمریز نے غصے سے ایک جھٹکے سے اس کی گردن چھوڑ دی کھانستے ہوئے افراح نے اپنے گلے کو ہلکا سا سہلایا اور مسکرا دی۔

''دفعہ ہو جاؤ یہاں سے اپنا سامان اٹھاؤ اپنی خیریت چاہو تو میرے سامنے مت آنا۔'' غصے سے دہاڑتے ہوئے اس نے وارڈ روب سے افراح کے کپڑے نکال نکال کر نیچے پھینکنے شروع کیے۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے مائی ڈیئر ہزبینڈ شمریز۔'' اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''نام مت لو اپنی ناپاک زبان سے میرا، تم سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''تعلق تو بہت مضبوط ہے اور یہ مضبوط تعلق نکاح نامے پر تین مرتبہ سائن کر کے تم نے ہی مجھ سے جوڑا ہے اسی تعلق کو بناء پر میں نے تمہارے کمرے میں رہنے کی مجاز ہوں، تم مجھے کسی طور یہاں سے نہیں نکال سکتے۔'' دل جلاتے ہوئے وہ مسکائی تو شمریز حیران رہ گیا، شادی کے وقت اس کے ذہن میں تو یہی تھا کہ اس دبوسی شریف سی لڑکی کے ساتھ زندگی میری مرضی کے مطابق گزرے گی ان حالات کا تو اس نے کبھی سوچا تک نہ تھا۔

''جاہل عورت تمہیں اندازہ ہے کہ اگر پاپا بروقت وہاں نہ آتے تو میں صبح کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔'' غصے سے کف اڑاتے اس

نے افراح کے بالوں کو جھٹکا دے کر ایک طمانچہ رسید کیا، محبوب شوہر کی انگلیاں اس کے چہرے پر نمودار ہو گئیں۔

''لوگوں کی فکر ہے کہ منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے اور کبھی اس ذات کا سوچا ہے کہ جس کے سامنے ایک دن اپنی برائیوں سمیت حاضر ہونا پڑے گا اس شرمساری کا کبھی خیال نہ آیا۔'' چکراتے سر کے ساتھ وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولی۔

''زبان کاٹ کر پھینک دوں گا ہر وقت گناہ، ثواب، نیکی، برائی کا درس دینے والی یہ میرا معاملہ ہے جب حاضر ہوں گا دیکھ لوں گا فی الحال تو تم اپنی اس غلطی کی سزا بھگتو۔'' گھونسوں سے وہ اس پر پل پڑا اور اس نے خشک آنکھیں لئے اپنے بدن کو اس کے ہاتھوں پھوڑا بننے کے لئے چھوڑ دیا۔

مار مار کر جب وہ تھک چکا تو ہانپتے ہوئے بیڈ پر گر پڑا، غصے سے تنفس تیزی سے چل رہا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ آج اسے جان سے مار دے افراح نے زخمی وجود کو پوری طاقت لگا کر اٹھایا اور اس کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔

''میری ایک غلطی پر تم نے مجھے لہولہان کر دیا پھر بھی تمہارا غصہ مجھ پر باقی ہے اور جو تم نے اتنی غلطیاں کی ہیں جن کا شمار ہی نہیں پھر خدا کے غضب کو اپنے اوپر نازل ہونے سے کیسے روک سکتے ہو۔'' شمریز نے اس کی طرف سے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

''جن گناہوں سے تم لذت حاصل کرتے ہو حقیقت میں یہ زہر ہیں جن کی تم بخوشی پی رہے ہو اس کا تلخ ذائقہ آج تمہیں شیریں مگر کل جب تم خالی ہاتھ و خالی دامن ہو گے تمہارے ہر عضو کو ایسی کڑواہٹ و بدبو پیدا کرے گا جس سے کسی طور رہائی ممکن نہیں ہو گی، صرف تمہیں اس کا احساس دلانے اور گناہوں سے روکنے کے لئے، تمہیں کل کو اذیت و پچھتاؤں سے بچانے کے لئے میں نے تمہارے ساتھ یہ زیادتی کی جو تمہاری نظر میں زیادتی مگر میری نظر میں بھلائی ہے۔''

''زمانے بھر میں رسوا کر کے تم میرے ساتھ بھلائی کر رہی تھیں۔'' وہ پھنکارا تھا۔

''آج کی رسوائی کل کی رسوائی سے بہتر تھی، یاد رکھنا شمریز زندگی عیش و عشرت اور کھیل تماشے کا نام نہیں، دنیاوی لذتیں چار دن کی ہیں کیوں نہ ہم ان لذتوں سے آشنائی حاصل کر لیں جو ہمیں ابدی حاصل ہو نگی۔'' افراح کا لہجہ نرم تھا مگر لفظوں میں کاٹ تھی اس نے شمریز کی آنکھوں میں بڑے حوصلے سے جھانکا تھا، جن میں شرارے لپک رہے تھے۔

''ملانی اپنے یہ لیکچر کسی مدرسے میں جا کر دو۔'' وہ اٹھ کر کمرے سے ہی چلا گیا تھا اور وہ اپنے زخمی وجود کو لے کر واش روم میں گھس گئی اتنی مار کھا کر بھی اس کا وجود اس سے کوئی شکوہ نہ کر رہا تھا اور جب وجود نے ہی تکلیف کا احساس نہ ہونے دیا تو اسے بھی شمریز سے کوئی شکوہ نہ تھا یہ اس کے صبر کی انتہا تھی اور اسے امید تھی کہ صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ ہے۔

☆☆☆

چاروں جانب تنہائی کے لشکر ہیں
بے ترتیب سا ایک ہے کمرا اور میں ہوں

شکستہ دل و پژمردہ چہرہ لئے وہ اپنے کمرے میں سوچوں میں محو تھی اس دن کے بعد سے شمریز نے اس سے ہم کلام ہونا اور اس کمرے میں آنا چھوڑ دیا تھا وہ بے چینی کا شکار تھی، اس کا دل اس کے لئے ہمک رہا تھا وہ تڑپ رہی تھی سچی محبت اور عشق کیسے رلاتا ہے اس کا اندازہ اسے اب بخوبی ہو رہا تھا عشق کو امتحان گاہ یوں ہی نہیں کیا گیا، بہت سی قربانیاں دینی پڑتی ہیں اور وہ قربانیاں دینے کے لئے راضی ہوا تھا۔

اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا وہ اکیلا نہیں تھا اس کے ہمراہ ذلت کے گڑھے میں لے جانے والے وہی لڑکی ہمراہ تھے۔

''میں نے تمہیں کہا تھا ناں شرمین وہ بے وقوف عورت اپنی بے بسی و تذلیل کا تماشا دیکھنے کے لئے ابھی جاگ رہی ہو گی۔'' وہ اس لڑکی کی طرف دیکھ کر استہزائیہ مسکرایا تھا۔

''یہ ستاروں کی سی روشنی لئے میری زندگی کی خوشی میری عمر بھر کی رفاقت کا حق لئے یہ میری بیوی شرمین ہے افراح شاہد حسین۔'' سفاکی سے وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکرایا اور وہ جہاں کی تہاں رہ گئی سنگی زمین اس کے قدموں کے نیچے کانپی تھی۔

''اگر میں تمہیں اپنی زندگی سے بے دخل نہیں کرسکتا تو کیا ہوا کسی اور کو تو اپنی زندگی میں شامل کرنے کا حق ہے مجھے، تم نے اس کے ساتھ میری ایک رات گزارنا برداشت نہ کیا اب یہی میرے گھر میرے کمرے میں میری ہر رات کی زینت بنے گی، تم اسے دیکھ کے جتنا تڑپو گی سلگو گی میرے دل کو اتنی ہی راحت ملے گی، شاید تم نے ہی کہا تھا کہ ایسی لڑکیاں گھر میں بسانے کے لئے نہیں ہوتیں صرف گھڑیوں کو رنگین بنانے کے لئے ہوتی ہیں۔''

''یاد رکھنا جس حسن کی مورت کو مجھے اپنے سے دور کرنے کے لئے لے کر آئے ہو یہی ساحرہ تمہیں میرے قریب لے کر آئے گی تم میرے قرب کو ترسو گے، میری دید کی تمنا کرو گے، لمحوں کے لئے میرا ساتھ حاصل کرنے کے لئے پیشانیاں رگڑو گے۔'' ڈوبتے دل کے ساتھ اس نے بڑی خود اعتمادی سے الفاظ ادا کیے۔

''جب میرے پچھتانے کا وقت آئے گا تو دیکھی جائے گی فی الحال تو تم نکلو یہاں سے اور گھر کے کسی کونے میں اپنی قسمت پر آنسو بہاؤ ماتم کرو اور میں اپنی ساحرہ کے ساتھ جشن منأوں۔'' وہ اسے لے کر بیڈ پر بیٹھا تھا وہ خاموشی سے کمرے سے نکل آئی، وہ باہر لان میں چلی آئی اس کے اندر گھٹن بڑھتی جا رہی تھی اذیتوں کا لاوا پک چکا تھا بظاہر وہ شمریز کے سامنے پر اعتماد تھی مگر درحقیقت اس کے اس قدم نے اسے اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔

وہ مرد جو روز اپنی بیوی کی تذلیل کرتا ہو، جوتے کی نوک پر رکھتا ہو اس کے کسی احساسات و جذبات کا لمحہ بھر کے لئے بھی خیال نہ رکھتا ہو جو لفظوں اور ہاتھوں کی مار سے بیوی کا دل و بدن ادھیڑ کر رکھ دیتا ہو تب بھی بیوی اپنے شوہر کے بستر پر کسی اور عورت کا وجود برداشت نہیں کرسکتی جیتی جاگتی عورت تو کیا وہ تو عورت کے پتلے کو بھی اپنے شوہر کے ساتھ برداشت نہیں کرسکتی تو اس میں اتنا صبر کہاں سے آتا کہ وہ اپنے گھر اپنے کمرے اور اپنے محبوب شوہر کی بانہوں میں کسی اور کا وجود برداشت کرے مگر اسے صبر کرنا تھا اپنے دل کو تھپکیاں دینی تھیں اپنی جائز و معصوم محبت کو دلاسے دینے تھے اس کے اطمینان کے لئے یہی بات کافی تھی کہ گناہ کی دلدل میں دھنسنے کی بجائے اس نے اس لڑکی کو جائز طریقے سے حاصل کرلیا تھا امتحان کا دور اس کے لئے کڑا تھا اور اسے کڑے امتحان میں سرخرو ہونا تھا سو وہ اپنے دل کو سمجھاتی اور آنسوؤں صاف کرتے اپنے آپ کو آنے والے اذیت ناک لمحوں کے لئے تیار کرنے لگی۔

☆☆☆

آؤ ہم اس عشق کا کوئی نام رکھیں
کچھ سپنے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو
صرف کھلی آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے
کچھ بندھن ایسے بھی ہوتے ہیں
جن کو بس محسوس کیا جاسکتا ہے
پیڑ کے پتے گر جائیں تو
پھر بھی اس پر ویرانے تو لبستے ہیں

دل کی کتنی خواہشیں بھی تو ایک ساتھ رہ سکتی ہیں
اک گھر میں دو کمرے بھی تو ہو سکتے ہیں
اک کمرے کے دو حصے بھی تو ہو سکتے ہیں
کچھ ناممکن ممکن بھی تو ہو سکتا ہے
جیون کے ساتھ سمجھوتا بھی تو ہو سکتا ہے

انسان کی زندگی بھی کیا ہے ساری عمر یا تو سمجھوتوں میں گزر جاتی ہے یا پھر مشکلات کا پہاڑ سر کرتے زندگی سرک جاتی ہے اور اس نے سوچ لیا تھا وہ مشکلات کے پہاڑ اٹھا لے گی۔

وہ آخری سانس تک اس کے لوٹ آنے اور دل میں محبت کی جوت جگانے کی منتظر رہے گی اس نے اپنے آپ سے جیسے عہد کیا تھا۔

☆☆☆

”تمہیں میں نے بہت سمجھایا تھا مگر تم نے میری کبھی نہ سنی اور اب نتیجہ تمہارے سامنے ہے مگر ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا اس نے ایک ایسی عورت سے تعلق جوڑا ہے جو کسی بھی لمحے کسی بھی بات پر اس تعلق کو توڑنے میں دیر نہیں لگائے گی وہ ایک آزاد خیال لڑکی ہے ایک بار وہ پہلے بھی نکاح کے بوجھ سے رہائی پا چکی ہے دوسری بار اسے آزاد ہونے میں نہ اسے کوئی ہچکچاہٹ ہوگی نہ دکھ، یہ تو ہم تم جیسی عورتیں ہوتی ہیں جو نہ صرف اپنے شوہروں کو دلوں میں بسا لیتی ہیں بلکہ بدنامی رسوائی والدین کے دکھ کی وجہ سے گھٹ گھٹ کر سسک سسک کر اپنی زندگی شوہر کی چوکھٹ پر گزار دیتی ہیں مگر اپنے گھر اور شوہر سے رہائی پانے کا سوچ بھی نہیں سکتیں۔“

کھانے کی ٹیبل پر صرف وہ اور دردانہ تھیں اور دردانہ اس کے دکھ پر دکھی تھیں نظر اٹھا کر اس نے لمحہ بھر ان سے نگاہیں ملائیں تو اسے واقعی ان کی آنکھوں میں اپنا دکھ ہلکورے لیتا نظر آیا یا شاید ان کا اپنا دکھ ان آنکھوں میں جھلملا رہا تھا۔

”جو میری قسمت میں لکھا تھا وہ ہونا ہی تھا میں نے اپنے شوہر کو راہ راست پر لانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور بے فکر رہیں میں یہ گھر بھی چھوڑ کر نہیں جاؤں گی مجھے اسی گھر میں رہنا ہے۔“ اس کے لہجے میں استحکام تھا۔

”گڈ، یہی میں چاہتی ہوں، تم اس گھر میں ہماری رضا سے آئی ہو تمہیں پریشان ہوتے، میں ہرگز نہیں دیکھ سکتی، میں ہر حال میں تمہارے ساتھ ہوں۔“ انہوں نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے حوصلہ دیا اس کی آنکھیں جھلملانے لگیں وہ بے اختیار ان کے کندھے سے جا لگی اسے اس وقت سلمٰی بے طرح سے یاد آرہی تھیں کاش اماں پاس ہوتیں تو وہ ان کے گلے لگ کر سارے آنسو بہا کر اپنا بوجھ ہلکا کر لیتی وہ بکھر سی گئی آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی وہ باقاعدہ ہچکیوں سے رو رہی تھی، دردانہ کے آنسو بھی اس کے دکھ میں حصہ بانٹنے چلے آئے۔

”میری جان بس اب چپ کر جاؤ دکھ کی اس گھڑی میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گی اور تمہیں میری اب بھی یہی نصیحت ہے کہ تم شمریز کو اس عورت کے رحم و کرم پر مت چھوڑو وہ اگر اس کی بیوی ہے تو تمہارے بھی شمریز پر اتنے ہی حقوق نہیں اس پہ اتنا حق جتاؤ اسے یوں آزاد مت چھوڑو۔“ خلوص ان کے لہجے سے بول رہا تھا۔

”میں چاہ کر بھی اپنا حق اس پر نہیں جتا سکتی آنٹی، ہاں وہ جب چاہے آکر اپنا حق وصول کر سکتا ہے، اس کے اس قدم نے مجھے رنج ضرور دیا ہے میرے دل کو ٹھیس یقیناً لگی ہے مگر اب بھی وہ میرے دل میں روز اول کی طرح اسی روشن صورت کی موجود ہے اس کی محبت میں کوئی کمی نہیں آئی شمریز میری اولین و آخری چاہت ہے میری پاکیزہ و شرعی محبت ہے اور میں اپنی محبت کے سہارے آس کے دیپ جلائے تاعمر بھی اس کی آمد کی منتظر رہوں گی۔“ وہ بھیگی پلکوں سے مسکراتے ہوئے بولی تو دردانہ بھی مسکرا دیں وہ

لڑکی صبر وایثار اور محبت کی دیوی تھی مگر افسوس ان کے بیٹے نے اس کی قدر نہ کی تھی۔

''اچھا تم ایسا کرو کپڑے چینج کرو میں نے ڈاکٹر سے ٹائم لیا ہے سال ہونے کو آیا مگر تم ابھی تک بے خبر بیٹھی، اولاد میاں بیوی کے درمیان ٹوٹتے رشتے کو بھی جوڑ دیتی ہے تعلق کو مضبوط کر دیتی ہے اور مضبوط تعلق کو خوشیوں سے مربوط کر دیتی ہے۔'' دردانہ کی بات پر اس نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

''نہیں آنٹی یہ عورت کی خام خیالی ہے کہ اولاد رشتے کو مضبوط کرتی ہے رشتے کو بعض اوقات بچا ضرور لیتی ہے مگر مضبوط کی گارنٹی اولاد نہیں دے سکتی اگر ایسا ہوتا تو آج آپ دنیا کی خوش قسمت ترین عورتوں میں سے ہوتیں۔'' اس کی بات نے دردانہ کے چہرے پر سایہ سا لہرا دیا، وہ اندر تک تڑپ اٹھیں۔

''سوری آنٹی میرا مقصد آپ کو دکھ دینا ہرگز نہیں تھا۔'' وہ شرمسار ہوئی۔

''اٹس او کے، حقیقت کو جھٹلایا تو نہیں جا سکتا۔''

''عورت کا گھر صرف اور صرف مرد کا دل ہوتا ہے جب تک وہ مرد کے دل میں بستی ہو وہ گھر میں بستی ہے، ورنہ تو اینٹوں کے مکان میں زندگی کی سانسیں اپنا کام انجام دے رہی ہوتی ہیں۔'' اس کے لفظوں کی دردانہ قائل ہو گئیں۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو افراح۔'' شکستہ قدموں اور بوجھل دل لئے وہ اس کے پاس سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆☆☆

ہر گزرتا دن جہاں شمریز کو اس سے دور کر رہا تھا دردانہ اور شمس الدین اس کے اتنا ہی قریب آ گئے تھے، شمس الدین میں کافی تبدیلی آ چکی تھی اب وہ زیادہ تر وقت گھر پر گزارتے وہ تینوں ایک دوسرے کے لئے جیسے لازم ہو گئے تھے، اکٹھے کھانا کھاتے گپ شپ لگاتے، دردانہ کے چہرے پر ایک آسودہ مسکراہٹ کھیلنے لگی تھی۔

عورت کو عمر کے ہر حصے میں پیار، محبت اور توجہ کی ضرورت ہوتی ہے اسے جینے اور سروائیو کرنے کے لئے کسی اپنے کی ایک محبت بھری نگاہ اور ایک چھوٹا سا جملہ ہی کافی ہوتا ہے یہی حال دردانہ کا تھا شام کو وہ اکثر دونوں لانگ ڈرائیو پر نکل جاتے، صبح اکٹھے واک کرتے، وقت انہیں ایک دوسرے سے آہستہ آہستہ قریب لا رہا تھا کئی مرتبہ اس نے شمس الدین کے چہرے پر پشیمانی کے قطرے چمکتے دیکھے، افراح دونوں کو مطمئن دیکھ کر مسرور ہو جاتی۔

افراح کا زیادہ وقت یا تو گھر کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں گزرتا کبھی حاجرہ کے ساتھ مل کر لاؤنج کی سیٹنگ چینج کر دیتی تو کبھی دردانہ کے کمرے کو نئے سرے سے ڈیکوریٹ کر دیتی اکثر کھانا وہی بناتی، پانچوں وقت اپنے رب کے دربار میں حاضری دینے لگی تھی، اللہ سے تعلق جوڑ لیا تھا اس نے سجدوں میں رب کی رضا کے ساتھ شمریز کو مانگا کرتی، اللہ کا مضبوط سہارا اس کے ساتھ تھا وہ اپنی خوشیوں سے مایوس نہیں تھی شمریز اس کے چہرے پر پھیلا اطمینان دیکھ کر تلملا اٹھتا، اس دن وہ کچن میں مصروف تھی وہ اسے دیکھ کر وہیں چلا آیا۔

''ہاں تو مسز شمریز آج کل تمہارے شب و روز کیسے گزر رہے ہیں، شرمین کو میرے ساتھ دیکھ کر دل کیسے تڑپتا ہے اپنے دکھوں کا رونا نہیں روؤ گی میرے سامنے۔'' کتنا سفاک ہو گیا تھا وہ۔

''میں نے اپنے دکھ اپنے اللہ سے کہنے شروع کر دیئے ہیں انسانوں سے امید رکھنی میں نے چھوڑ دی ہے مجھے وفا کی تمنا نہیں رہی کیونکہ میرے دل نے اس جگہ محبت کے ڈیرے ڈالے ہیں جہاں صرف وفا ہی وفا ہے ناامیدی اور بے

وفائی کی گنجائش ہی نہیں میں نے اس ذات سے مانگنا شروع کر دیا ہے جہاں سے آج تک کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا جب بھی دامن پھیلاؤ جھولیاں بھر لو، اسی سے تمہارے دل تک رسائی حاصل کروں گی اور وہ تمہارے دل میں میری محبت کی ایسی چنگاری پیدا کرے گا کہ تم اس سے بھڑک اٹھو گے پھر تمہیں میری محبت کی ایسی طلب پیدا ہو گی کہ تم مجھ سے کبھی فرار نہ پا سکو گے۔'' شمریز کی آنکھوں میں جھانک کر وہ بہت صبر و تحمل اور بہادری سے بولی تھی۔

''اس دن کا میرے ساتھ ساتھ تم بھی انتظار کرو جو کچھ صبر آزما لمحوں کے بعد دیر سے ہی پر آئے گا ضرور۔'' اس نے بریانی کو دم لگایا اور سنک پر ہاتھ دھونے لگی شمریز نے اس کی بات پر قہقہہ لگایا تھا۔

''روز قیامت کا انتظار کرو پھر تو تم، کیونکہ میرے دل میں تمہارے لئے سوائے نفرت، غصہ اور انتقام کے اور کچھ بھی نہیں۔'' حقارت سے کہتے ہوئے اس نے کچن کے دروازے کو ٹھوکر ماری اور وہاں سے نکل گیا۔

☆☆☆

سلمٰی سے جب بھی بات ہوتی وہ اسے ہمت اور حوصلے کی ہی نصیحت کرتیں۔

''میرا صبر مجھے یہاں تک لے آیا ہے امی کہ میں ایک ہی چھت تلے اپنی سوتن کے ساتھ رہ رہی ہوں، میرے شوہر کی نظر میری طرف غضب کی اور دوسری کی طرف پیار میں ڈوبی ہوئی پڑتی ہے تو پھر آپ خود ہی سوچ لیں کہ میں کس ہمت اور حوصلے کا مظاہرہ کر رہی ہوں۔''

آخر کار اس دن سلمٰی کو شمریز کی دوسری شادی کے بارے میں آگاہ کر دیا، وہ یہ خبر سن کر جیسے زلزلوں کی زد میں آ گئی تھیں مگر بیٹی کو حوصلہ دینے کے لئے خود کو بھی حوصلہ دینا پڑا۔

''تم گھبراؤ نہیں یہ سب آتے جاتے موسم ہیں شمریز کی اور اس گھر کی بہار صرف تم ہو اپنے قدم مت لڑکھڑانا ثابت قدم رہنا دل کو حوصلے اور صبر کے جام پلاتی رہو خوشیوں کی دستار بہت جلد تمہارے ہاتھ میں ہو گی، میرا رب اپنے صابر بندوں پر برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔'' سلمٰی اسے تسلی دے رہی تھیں اور وہ اپنے آنسو پیتی ان کی باتوں کے جواب میں فقط سر ہلا کر جی جی کرتی رہی۔

درد اس کے اندر سانپ کی طرح کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا، جب دل چاہتا اس کے دل کے چار طرف اور نرمی سے چکر لگاتا اور جب دل چاہتا چپکے سے اپنے زہر کا پیالہ اس کے لبوں سے لگا دیتا ایسا زہر کہ جس میں دل و جان تڑپتے تھے مگر جان نہیں نکلتی تھی ایک بار جان نکل جاتی تو اذیت ہمیشہ کے لئے جان چھڑا لیتی مگر یہاں تو زہر پورے بدن کو چاٹ رہا تھا اور بدن تھا کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا، بے بسی کی ہواؤں نے اس کے تمام راستوں پر خاک ڈال دی تھی مگر وہ اس خاک کو اپنے پیروں سے مسلسل روندتی امید و بیم کے جگنوؤں کو تھامے محو سفر تھی۔

☆☆☆

وہ صبح سے مضطرب سی تھی اس کا دل بے طرح گھبرا رہا تھا وہ نہا کر فریش ہوئی نماز پڑھی اور لان میں چلی آئی اس کے قدم ساکت ہو گئے شمریز اور شرمین ہنستے خوش گپیاں کرتے شام کی چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے دل نے شکوہ تو نہ کیا ہاں بے کل ضرور ہو گیا تھا۔

''آؤ...... آؤ افراح قدم کیوں موڑ رہے دیکھو تو شمریز مجھے ملائیشیا گھمانے کے پلان بنا رہا ہے تمہیں بھی تو پتا چلے کہ ہم کہاں کہاں کی سیر کریں گے اور شمریز مجھے کتنی شاپنگ کرائے گا۔'' شرمین کی بات سن کر وہ ان کے قریب چلی آئی۔

''تم میں اور مجھ میں یہی تو فرق ہے کہ تمہیں شمریز کی کرائی گئی شاپنگ خوشی دیتی ہے

اور میں اس کی محبت کی تمنائی ہوں، میرے لئے وہ لمحے زیست کا حاصل جو میں نے شمریز کی سنگت میں گزارے آج اگر شمریز تم پر اپنی دولت لٹانے سے ہاتھ کھینچ لئے تو تم اس سے کھینچتی چلی جاؤ گی کیونکہ تم ایک مادیت پرست لڑکی ہو، چند سکوں کے لئے تم جائز ناجائز کے چکر میں نہیں پڑتی۔'' اس نے شرمین کے منہ پر طمانچہ مارا تھا وہ بلبلا اٹھی۔

''حد میں رہ کر بات کرو۔'' وہ تنتنا کر کھڑی ہوئی۔

''حدود ہی تو متعین کر لی ہیں میں نے اپنی شمریز جب اپنی ساری دولت اس پجارن پر لٹا چکو تو میرے پاس خالی ہاتھ چلے آنا محبت سے لبریز دل تمہیں ہمیشہ وا ملے گا، کیونکہ میں نے تمہاری ذات سے محبت کی ہے، اپنے شرعی رشتے و زندگی کے رفیق سے محبت کی ہے ہر گزرتے لمحے کے ساتھ یہ محبت مضبوطی سے پروان چڑھ رہی ہے محبت کی جو آنچ میرے دل کو سلگا رہی ہے تمہارے دل تک اس کی تپش ضرور پہنچے گی مجھے یقین ہے کہ تم ذہنی و قلبی سکون کے لئے ٹوٹ کر میرے ہی پاس آؤ گے۔''

''ہونہہ تمہارے پاس آؤں گا۔'' وہ استہزائیہ ہنسا۔

''تم مجھے پا کر کھو چکی ہو، اب صرف میری یادوں کے سہارے ہی زندگی گزارتا میری محبت کو ترستی ہی رہو گی۔'' وہ نخوت سے بولا۔

''اس کا فیصلہ وقت کرے گا۔'' وہ ان کو حیران چھوڑ کر اوپر چھت پر چلی آئی بظاہر مضبوط اعصاب کی مالک اندر سے روز ٹوٹتی تھی تنہائی میں اشکوں سے دوستی کر کے ان سے اپنا حال دل کہنا سیکھ لیا تھا، شمریز کے اس حد تک بدلنے اور اذیت دینے پر وہ مضمحل ہو جاتی، جہاں وہ اسے دیکھتا شرمین سے حد درجہ لگاوٹ کا اظہار کرتا محض اسے ستانے کے لئے جلانے کے لئے، اور یہ وہ جان گئی تھی کہ جلایا اور ستایا انہی کو جاتا ہے جن کے لئے دل میں کوئی جذبہ ہوتا ہے چاہت نفرت کا یا محبت کا۔

☆☆☆

کتنے ہی دنوں سے شاہد حسین کا افراح سے ملنے کو دل کر رہا تھا مگر افراح شمریز کی مصروفیت کا بہانہ بنا کر ٹال دیتی ناچار انہوں نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کے پاس جانے کی ٹھان لی ملیحہ ان کے اچانک ارادے پر انہیں روکتی رہ گئیں مگر ان کی ایک نہ چلی، افراح کو انہوں نے فون پر بتایا تو وہ بھی پریشان ہو گئی کئی بہانوں سے انہیں روکنا چاہا مگر شاہد حسین نے جیسے ضد باندھ لی تھی، افراح فکر مند ہو گئی کہ اب تک ابا کو اس کے حالات کی خبر نہ تھی بس وہ یہ جانتے تھے کہ وہ اپنے گھر میں بے پناہ خوش ہے شمریز اس کا بے حد خیال رکھتا ہے انہیں کیا معلوم کہ ان کی چہیتی بیٹی پر کیا گزر رہی ہے، وقت کے ظالم تھپیڑے اسے کیسے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں ہر گزرتا دن اس کے لئے آزمائش کا سبب تھا، گھر میں اس نے ان کے آنے کی کسی کو خبر نہ دی، بس دل میں یہی دعا کرتی رہی کہ شمریز اور اس کی نئی بیوی سے ان کا سامنا نہ ہو مگر ہر دعا رب کے ہاں مقبول نہیں ہوتی۔

ابا کی آنکھوں میں اسے دیکھ کر کیسی چمک آ گئی تھی کتنی ہی دیر تک وہ اسے سینے سے لگائے اپنے دل کو سکون پہنچاتے رہے، کیسی ٹھنڈ پڑ گئی تھی سینے میں، اس کی آنکھیں نم ہو گئیں، دردانہ ابا سے بڑے تپاک سے ملیں شمس الدین گھر پر نہ تھے، ابا لاؤنج میں بیٹھے اس سے باتیں کرتے رہے کھانا بھی وہیں کھایا کتنی ہی مرتبہ اس نے ابا کو کمرے میں لے جانے پر اصرار کیا مگر ابا نہ مانے اور وہی ہوا جس کا اسے اندیشہ تھا۔

''ارے واہ سسر صاحب تشریف لائے ہیں ویلکم۔'' اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا

تو ابا نے خوشدلی سے تھام لیا۔

''چچا جان اب آپ آئے ہیں تو دس پندرہ دن سے پہلے نہ جایئے گا، بہت مس کر رہی تھی یہ آپ کو، شوہر کی توجہ اور وقت تو اسے حاصل نہیں چلو کچھ دن باپ کی محبت وشفقت سے ہی گزارا کر لے۔'' وہ ان کے سامنے صوفہ پر بیٹھ گیا ساتھ ہی ہاتھ پکڑ کر شرمین کو اپنے برابر بٹھا لیا، افراح کٹ کر رہ گئی اس نے اس کی طرف تنبیہی و ملتجی نگاہوں سے دیکھا مگر ادھر پرواہ ہی کب تھی وہ تو اس کی حالت سے حظ اٹھا رہا تھا دردانہ بھی اپنے کمرے میں سونے جا چکی تھیں ورنہ وہی صورتحال سنبھال لیتیں۔

''ابا آئیں کتنی دیر ہوگئی آپ کو بیٹھے بیٹھے چل کر آرام کرلیں۔'' اس نے ابا کا ہاتھ پکڑ کر اٹھانا چاہا جو بڑی الجھن آمیز نگاہوں سے شمریز کی طرف دیکھ رہے تھے انہیں اس کا رویہ شکوک میں مبتلا کر رہا تھا۔

''ارے...... ارے کہاں لے کر جا رہی ہو افراح ڈیئر کم از کم تعارف تو کروا دو اپنے ابا جی سے شرمین کا، چلو تم بتانے میں ہچکچاہٹ محسوس کر رہی ہو تو میں بتائے دیتا ہوں شرمین سلام کرو میری پہلی نادان بیوی کے ابا جی کو۔'' شرمین ادائے بے نیازی سے مسکراتی ہوئی شاہد حسین کے سامنے ہوئی تھی شاہد حسین اس مبہم گفتگو کو سمجھنے سے قاصر تھے۔

''افراح آپ کی بیٹی ہے تو شرمین آپ کی بہو ہے آپ کے داماد شمریز کی سیکنڈ وائف۔'' شیطانی مسکراہٹ اس کے لبوں سے چپکی ہوئی تھی، شاہد حسین کا بدن لرز گیا، افراح ان کی حالت دیکھ کر کانپ اٹھی وہ انہیں سہارا دیئے کمرے میں چلی آئی اس نے شمریز پر ملامتی نظر ڈالی تھی کم از کم وہ ان کی بزرگی اور پہلے سے موجود باپ کی رشتہ داری کا ہی خیال رکھ لیتا مگر بیٹی کا دکھ باپ کو کیسے تڑپائے گا کاش وہ یہ سوچ لیتا مگر جب انسان رشتوں کی پاسداری کا خیال چھوڑ دے تو دلآزاری پر بھی اسے کوئی ندامت نہیں ہوتی اور یہی چال شمریز کا تھا، شاہد حسین بستر پر لیٹے گہری سانس لے رہے تھے وہ دوڑ کر پانی لے آئی ان کے لبوں سے لگایا تو اس نے دیکھا ان کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا آنکھوں کے کنارے گیلے تھے، باپ کی حالت اس کا دل تڑپا گئی۔

''افسوس شمریز تم نے مجھے دکھ دینے کا کتنا گھٹیا طریقہ اپنایا، تم میرے جسم وروح کو لفظوں کی کاٹ سے زخمی کر دیتے، اپنے لہجے کا زہریلا پن میری رگوں میں اتار دیتے مگر میرے باپ کو اس دکھ سے آشنا نہ کرتے۔''

''ابا آپ پریشان نہ ہوں ایسا کچھ نہیں ہے جو کچھ شمریز نے کہا وہ سب جھوٹ ہے آپ دردانہ آنٹی سے پوچھ لیجئے گا۔'' باپ کے ہاتھ سہلاتی آنسوؤں کو جذب کرتی افراح نے طفل تسلی دی۔

''تم اتنے بڑے غم سے لپٹی رہیں اور ہمیں خبر تک نہ دی۔'' ان سے بمشکل لفظ ادا ہوئے۔

''یہ لڑکی شمریز کی سیکرٹری ہے میری شمریز سے صبح کسی بات پر تھوڑی سی لڑائی ہوئی اور اس نے یہ ڈرامہ بنالیا۔''

شاہد حسین اس کا چہرہ دیکھتے رہے پھر دونوں ہاتھوں سے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

''میری بیٹی اتنی بڑی اور سمجھدار ہوگئی کہ باپ سے دکھ چھپانے شروع کر دیئے، اتنا حوصلہ کہاں سے آگیا تم میں، تم تو ذرا سی تکلیف پر پورے گھر کو سر پر اٹھا لیتی تھیں اب جبکہ تم پر آسمان ٹوٹ پڑا ہے تو تمہارے حوصلے چٹان کے سے ہیں۔'' اشک روانی سے ان کے گریبان کو بھگونے لگے۔

''نہیں ابا، میں بہت خوش ہوں سب میرا

بہت خیال رکھتے ہیں۔"

"ہاں میں دیکھ رہ ہوں کتنا خیال رکھتے ہیں تمہاری ماں ہمیشہ اندیشوں میں گھری رہی اور میں اس کے ہر شک کی نفی کرتا رہا مگر مجھ بے وقوف کو یہ علم نہ تھا کہ یہ ماؤں کے دل بیٹیوں کے دکھوں کا راز بن کہے جان لیتا ہے، میں نے اس کی مرضی کے خلاف اتنی دور تمہیں بیاہا صرف اور صرف تمہاری خوشی کی خاطر، مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ خوشی تمہارے لئے اذیت کا سامان بنے گی۔" ان کے چہرے پر دکھ کے سائے ہلکورے لے رہے تھے۔

"تم چلو میرے ساتھ میں تمہیں اس سلگتی بھٹی میں ہرگز چھوڑ کر نہیں جاؤں گا ابھی تمہارا باپ زندہ ہے اور اس شمس الدین نے بھی بیٹے کے اس قدم پر شرم نہ دلائی، وہ تو تمہیں بیٹی بنا کر لایا تھا پھر کیسے بیٹی پر سوتن لانے دی۔" انہیں حقیقتاً شمس الدین پر افسوس ہو رہا تھا۔

"جب اولاد جوان ہو جائے اپنے اچھے برے کے فیصلے خود کرنے لگے تو والدین سائیڈ پر ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں شمریز اپنے فیصلوں میں خودمختار ہے آپ انکل آنٹی کی طرف سے دل میلا نہ کریں اور یہ آپ نے کیسے کہہ دیا کہ میں آپ کیساتھ چلوں آپ نے مجھے اس گھر میں بھیجا ہے پھر میں کیسے اس گھر کو چھوڑ کر جا سکتی ہوں یہی میری پناہ گاہ ہے آپ کا گھر میرا سکون ہے انسان اپنا سکون تو چھوڑ سکتا ہے مگر پناہ گاہ نہیں۔" اسے جانے کیسے اتنی بڑی بڑی باتیں کرنی آ گئی تھیں شاید وقت و حالات انسان کو لفظوں کا ہنر بھی سکھا دیتے ہیں بڑی مشکل سے اس نے شاہد حسین کو رات روکا صبح وہ جانے کے لئے تیار ہو گئے شمس الدین اور دردانہ ان کے سامنے بے حد شرمندہ تھے اور بار بار معافی مانگ رہے تھے، افراح نے ڈرائیور کے ساتھ انہیں سرخ آنکھوں سے روانہ کیا ضبط کرتے کرتے وہ تھک گئی تھی شاہد حسین نے جاتے سے اس کے سر پر فقط ہاتھ رکھا کپکپاتے لب کچھ بھی بولنے سے قاصر تھے افراح کا دل پھٹ گیا، وہ ان کے جانے کے بعد اپنے کمرے میں بیڈ پر اوندھے منہ گری تھی اشکوں کی روانی سے اسے بھگو ڈالا تھا اسے رہ رہ کر شمریز کی اس حرکت پر دکھ ہو رہا تھا کیا تھا جو وہ اس کا بھرم رکھ لیتا، اس کے باپ کے دل کو یوں اذیت تو نہ پہنچتی، وہ ساری رات یوں بے قرار تو نہ رہتے اور ساری رات کیا وہ تو اس کے باپ کی تمام عمر کی نیندوں کا دشمن بنا تھا۔ پتا نہیں ابا کا اتنا لمبا سفر کیسے گزرے گا، سلمٰی کو اس نے صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا وہ ادھر پریشان و مضطرب تھیں، لمحہ لمحہ افراح نے شاہد حسین کے گھر خیریت سے پہنچ جانے کی دعائیں کی تھیں، رات کو اماں نے اسے خوش خبری دی تھی کہ تمہارے ابا خیریت سے گھر پہنچ گئے ہیں تم فکر نہ کرنا تو اس نے سکھ کی سانس خارج کی۔

☆☆☆

کتنی ہی دیر سے وہ ٹیرس پر چہل قدمی کر رہی تھی شمریز اور شرمین کے قہقہے اس کی سماعتوں کا امتحان لے رہے تھے اور وہ اس امتحان سے خاموشی سے گزرتی چلی جا رہی تھی، کسی شکوے کسی گلے کا لبوں پر آنے سے پہلے ہی گلا گھونٹ دیتی صبر کی سیڑھی پر وہ بڑے صبر سے پاؤں رکھ رہی تھی اس کا یقین پختہ تھا کہ صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ ہے، آزمائش کے یہ کڑے دن بس تھوڑے ہی ہیں میرا صبر مجھے پھل ضرور دے گا بس اسے تھوڑا اس انتظار کرنا تھا مگر اس کا یہ انتظار طویل ہوتا جا رہا تھا صبر کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا تھا۔

اگلے ہی ہفتے صبح سدرہ کا روتے ہوئے فون آیا تھا کہ ابا جی پر فالج کا اٹیک ہوا ہے وہ شمس الدین اسے لے کر فوراً پہنچے تھے، شاہد حسین

کو دیکھ کر اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر مسل دیا تھا یہ اس کے وہ ابا تو نہیں تھے جو ہر دم مسکراتے ہنسی مذاق کرتے ہشاش بشاش رہتے تھے، چند ہی دنوں میں وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئے تھے بیٹی کے دکھ نے دل کو ایسی اذیت پہنچائی کہ بستر کے ہو کر رہ گئے زبان نے ساتھ ہی چھوڑ دیا۔

''امی ابا کی اس حالت کی ذمہ دار میں ہوں میں نے ابا کو اس حال میں پہنچایا ہے ابا نے تو ہمیشہ خوش رکھا ہماری ہر خواہش پوری کی اور میری یہ خواہش ان کے لئے اذیت کا سامان بن گئی میں اپنے ابا کی مجرم ہوں۔'' وہ رو رو کر ہلکان ہو رہی تھی سب اسے تسلیاں دے رہے تھے شمس الدین اور دردانہ سر جھکائے بیٹھے تھے۔

انہوں نے شاہد حسین سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی تھی، ابا بس اشک بھری نظروں سے انہیں دیکھتے رہے، وہ دونوں افراح کو کچھ دنوں کے لئے ان کے پاس چھوڑ گئے اس نے شاہد حسین کی بیٹی ہونے کا حق ادا کر دیا سجدوں میں گری رہی اپنے رب سے اپنے باپ کی صحت و سلامتی کی دعائیں ایسے گڑگڑا کر مانگیں کہ فرش سے عرش پر جا پہنچیں، ابا کی طبیعت کافی بہتر ہو گئی تھی ٹھہر ٹھہر کر بولنے لگے تھے، پھر وہ آہستہ آہستہ خود چل کر واش روم جانے لگے تھے۔

''بس بیٹی اب تم بھی اپنے گھر کی راہ لو، بہت دن باپ کی خدمت کر لی۔'' سلمٰی نے آخر کار ایک دن اسے کہہ ہی دیا۔

''امی کچھ دن اور ابا کے پاس رہنے دیں ابا کی حالت ذرا اور بہتر ہو جائے تو چلی جاؤں گی۔''

''تمہارے ابا کی حالت اب کافی بہتر ہے بس تم دعائیں کرتی رہنا کہ دعاؤں کا راستہ تو ہر جگہ کھلا ہے۔''

''کیا کروں گی امی وہاں جا کر، وہاں کون بیٹھا میرے لئے کوئی آس کے دیپ، انتظار کی شمعیں جلا کر بیٹھا ہے۔'' مایوسی اس کے لہجے میں بولنے لگی تو سلمٰی نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لئے۔

''بیٹا رابطہ ہمیشہ قائم رہنا چاہیے کیونکہ اینٹ کا اینٹ سے رابطہ ختم ہو جائے تو دیواریں اپنے ہی بوجھ سے گرنے لگتی ہیں۔'' ماں کی بات میں وزن تھا چند دن بعد وہ شمس الدین کے ساتھ آس کی جگنو پکڑے، امید کی لو دل میں روشن کیے اپنے ستم گر کے آشیانے کی طرف جا رہی تھی۔

انسان ساری عمر گناہوں کے رستے پر چلتا رہے اپنی فطرت و عادت کے سبب دلوں کو رنجیدہ کرنا اس کے لئے کوئی معنی نہ رکھتا ہو جسے دیکھ کر ہمیں، مگر یہ ہماری سوچ ہے اللہ کسی انسان کا دل بدلنے پر آئے تو لمحہ نہیں لگتا، آلائشوں سے پل میں پاک کر کے اپنی اور اس سے جڑے رشتوں سے محبت بھرا دل عطا کر دے، ندامت کے آنسو نصیب ہو جائیں معافی کا راستہ چن لے سجدوں میں سکون مل جائے، یہی حال شمس الحق کا تھا کہ جسے دیکھ کر دردانہ یہی سوچتی تھیں کہ اب تو مجازی خدا کی بے اعتنائی و ہرجائی پن کا دکھ قبر میں ہی لے جائے گا ان کا خام خیال ثابت ہوا، شمس الحق نے اپنے آپ کو ایسے بدلا کہ ان کے تمام دکھوں کا ازالہ تو شاید نہ کر سکے مگر اپنے رشتے کا سچا پن ان کو دان کر دیا، شرعی و بے لوث رشتہ میاں بیوی کا ہی ہوتا ہے، آج اس بات کا شمس الحق کو احساس ہو رہا تھا، انہوں نے اتنا عرصہ دردانہ کے دل کو آزمائش کی بھٹی میں تڑپایا، انہیں ان دنوں کا رہ رہ کر افسوس ہو رہا تھا دردانہ ان کی پشیمانی دیکھ کر انہیں یقین دلاتیں کہ جو گزرا ماضی تھا بے شک اس نے میرے دل میں سینکڑوں چھید کر ڈالے مگر آپ کی محبت، خلوص اور چاہت نے ان چھید

کو چند ہی دنوں میں بھر دیا ہے مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں کوئی شکوہ نہیں، جب میں نے آپ کو معاف کر دیا ہے تو میرا رب بھی معاف کرنے میں پل نہیں لگائے گا کہ وہ تو ہر پل اپنے بندوں کی معافی کے انتظار میں رہتا ہے۔

''میرا رب مجھے معاف کر دے گا ناں دردانہ۔'' ندامت سے بوجھل لہجے میں وہ بولے۔

''یاد رکھیں گناہوں کو دھونے کی خواہش رکھنے والوں کا دامن بالآخر اجالوں کے نور سے جگمگاتا ہے۔''

دردانہ کی باتیں انہیں قدرے مطمئن کر دیتیں، وہ پانچوں وقت مسجد کی رونق بڑھانے لگے دونوں کے چہروں پر ایک سکون کی لہر دوڑتی رہتی اپنی زندگی سے وہ اب کس قدر مطمئن تھے، وہ اپنے گناہوں کی معافی ایک بار اپنے رب کے گھر جا کر مانگنا چاہتے تھے اس کا شکر ادا کرنا چاہتے تھے کہ انہیں توبہ کی توفیق ملی، وہ دونوں عمرہ ادا کرنے جا رہے تھے افراح کو بھی بہت زور لگایا مگر وہ نہ مانی۔

''بس آپ دونوں وہاں جا کر میرے لئے دعا کرنا کہ میرے نصیب میں بہت جلد میرے مجازی خدا کا اعتماد، خلوص اور چاہت بھرا ساتھ لکھ دے مجھے امید ہے کہ وہ دن بھی جلد آئے گا جب ہم دونوں رب کے حضور حاضری دینے جا رہے ہوں گے۔'' اس کے لہجے میں یقین بول رہا تھا، دونوں کے دل سے اس کے لئے دعائیں نکلیں،

☆☆☆

دردانہ کے جانے کے بعد وہ جیسے تنہا سی ہو گئی تھی، مگر ایک ذات تھی جو نہ اسے تنہا ہونے دیتی تھی اور نہ مایوس اور وہ اس کے رب کی ذات تھی کہ جس سے وہ ہم کلام ہوتی تھی، اسے یقین تھا کہ اس کا رب اس کی التجاؤں کو سن رہا ہے اس کے غم کو مٹانے کی ضرور سوچے گا

سناٹے کا راج تھا شرمین اپنی کسی فرینڈ کی طرف گئی ہوئی تھی ویسے بھی اس کے اپنے معمولات تھے وہ اپنے فیصلوں میں خود مختار تھی، وہ کسی پابندی کی قائل نہ تھی شمریز اس سے باز پرس ہی نہ کرتا کہ وہ اتنی رات گئے کہاں سے لوٹی ہے دونوں کی اپنی اپنی لائف تھی۔

شمریز اوپر چلا آیا افراح کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اندر سے ہلکی ہلکی قرآن پاک پڑھنے کی آواز آ رہی تھی وہ دبے قدموں سے اندر چلا آیا، وہ اس کی آمد سے بالکل بے خبر تھی کلام پاک کو وہ ترجمے کے ساتھ پڑھتی تفسیر بھی پڑھ رہی تھی اس کے لب آہستہ آہستہ قرآنی لفظوں کو اپنے اندر جذب کر رہے تھے شمریز آہستگی سے اس کے قریب بیٹھ گیا، افراح نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر سے اپنے عمل میں مصروف ہو گئی، شمریز نے قرآنی صفحے پر رکھی افراح کی انگلی کو نرمی سے چھوا تو وہ کپکپا اٹھی عرصے بعد اس کے معمولی سے لمس نے دھڑکنوں کو بے ترتیب کر دیا تھا شمریز نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا مخروطی انگلیوں کو نرمی سے سہلاتا رہا وہ الجھن کا شکار ہو گئی، قرآن پاک کو جزدان میں لپیٹ کر اس نے دعا کے لئے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے۔

''جس رب کو راضی کرنے کے لئے روز ہم کلام ہوتی ہو اسی رب کے فرمان کو تم فراموش کئے ہوئے ہو۔'' افراح نے استفہامی نگاہیں اس پر ٹکائیں۔

''شوہر کو راضی کرنے کا حکم بھی اللہ ہی نے دیا ہے۔'' وہ دلکش لبوں سے مسکرایا۔

افراح نے اٹھ کر قرآن پاک کو اس کی جگہ پر رکھا اور پھر سے بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔

''میں اپنے شوہر کو راضی کرنے اور اسے خوش رکھنے کے لئے ہمہ وقت دستیاب تھی مگر میرے مجازی خدا کا دل حقیقی و شرعی محبت پر راضی ہی نہ ہوا تو اس میں میرا کیا قصور، پاکیزہ محبت

سے بھرا دل اور باحیا و باکردار بیوی کا سراپا اسے قید نہ کر سکا، عریاں بانہوں و بظاہر چمکتے چہرے اس کے دل کو لبھا میں تو میں کیا کر سکتی ہوں۔'' وہ اس کے قریب بیٹھی بے تاثر چہرے سے نرمی سے بولتی جا رہی تھی، اس کے صبیح چہرے پر شمریز کی نگاہیں رقص کر رہی تھیں، سیاہ بالوں کی لٹیں دمکتے ہوئے سنہری چہرے سے چھیڑ خانی کر رہی تھیں، چند لمحے تو شمریز مبہوت رہ گیا دل سوزی و محبوب کی کج ادائی نے اس کے چہرے پر جو حزن و ملال بکھیرا تھا وہ اسے اور بھی تابناک بنا رہا تھا اداسی کی کہر میں لپٹا یہ حسین چہرہ شمریز کے خوابیدہ جذبے جگانے لگا وہ بے خودی کے عالم میں دیکھے گیا بات صحیح تھی یا غلط اس سے اسے کوئی سروکار نہیں تھا اس وقت اس کا دل افراح کے ساتھ کی شدت سے طلب کر رہا تھا وہ اس کی خمدار پلکوں کے سائے میں کچھ لمحے ٹھہر جانا چاہتا تھا، اس کی دراز زلفوں میں پناہ لینا چاہتا تھا، اس سے قبل کہ وہ کسی کمزور لمحے کی گرفت میں آتا باہر دروازہ دھڑ دھڑا پیٹا جا رہا تھا وہ گھبرا کر اس کے قریب سے اٹھی شمریز بھی اٹھ کھڑا ہوا اور اسی دم جارحانہ تیور لئے شرمین کمرے میں داخل ہوئی۔

''تو میری غیر موجودگی میں تم اس دو ٹکے کی لڑکی کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہے ہو۔'' وہ غصے سے پھنکاری اس کے لفظوں نے افراح کا چہرہ غصے سے تپا دیا اس کے وجود سے جیسے چنگاریاں نکلی تھیں۔

''تم شاید بھول رہے ہو کہ یہی وہ کم ذات ہے جس نے اس رات تمہاری عزت کو داؤ پر لگا دیا تھا اور مجھے اتنے لوگوں میں شرمساری کا سامنا کرنا پڑا تھا اگر یہ مجھے تمہارے ساتھ اس دن ایک رات نہیں گزارنے دے سکی تھی تو میں کیسے اپنے شوہر کا وجود اس گھٹیا عورت کے ساتھ برداشت کر سکتی ہوں۔'' اس نے آگے بڑھ کر افراح کا ہاتھ پکڑا اور اسے کھلے دروازے سے اس قدر زور کا دھکا دیا کہ وہ باہر بری طرح جا کر گری شمریز تماشائی بنا چپ چاپ دیکھ رہا تھا وہ یوں کھڑا تھا جیسے اس کے لبوں کو سی دیا گیا ہو۔

افراح دکھتے گھٹنے کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی غصے سے اس کا جسم کانپ رہا تھا اس سے قبل کہ وہ کچھ بولتی شرمین اسے گھسیٹتی ہوئی نیچے کی طرف لے جانے لگی۔

''دفعہ ہو جاؤ اس گھر سے آئندہ کبھی اپنی منحوس شکل مت دکھانا کوئی تعلق نہیں ہے تمہارا اس شخص سے، یہ میرا شوہر ہے اس پر صرف میرا حق ہے تم چند دنوں کے لئے اس کی زندگی میں بھیانک خواب کی صورت میں داخل ہوئی تھیں، اب جبکہ شمریز کی زندگی نے میری صورت میں حسین سپنے کی شکل اختیار کر لی ہے تو تمہاری یہاں پر کوئی گنجائش نہیں ہے۔'' وہ اسے مسلسل باہر کی طرف گھسیٹتی لے جا رہی تھی، حاجرہ ایکدم آگے بڑھ آئی۔

''یہ کیا کر رہی ہیں بی بی جی آپ۔'' اس نے افراح کا بڑھ کر ہاتھ تھامنا چاہا تو شرمین نے اسے جھٹکے سے دور کیا وہ بیچاری لڑکھڑا گئی۔

''تم جاؤ یہاں سے ہمارے معاملے کے بیچ بولنے کی ضرورت نہیں ہے ملازمہ ہو ملازمہ ہی رہو۔'' شمریز غصے سے دہاڑا وہ سہم کر پیچھے ہٹ گئی افراح نے اس کی آنکھوں میں واضح نمی دیکھی تھی۔

''یہ تو تم جتانے آ گئے تھے کہ بیوی کے شوہر کے لئے کیا فرائض ہیں کبھی یہ بھی جانا ہے کہ شوہر کے بیوی پر کیا فرائض ہیں، ایک عورت کی خوشنودی کے لئے تم اپنی پہلی بیوی کو گھر سے دھکے دے کر نکلوا رہے ہو تو کیا تم شوہر کہلائے جانے کے حقدار ہو۔'' وہ بھی چلا کر بولی۔

''بکواس بند کرو کیا شوہر شوہر کی رٹ لگا رکھی ہے اس شخص سے اب تمہارا کوئی واسطہ نہیں کوئی تعلق نہیں ہماری طرف سے تم جہنم میں

جاؤ۔"

"گیٹ کھولو۔" شرمین چوکیدار سے تحکم سے بولی، شکستہ قدموں و جھکے سر کے ساتھ اس نے گیٹ کھول دیا۔

"میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی۔" اس نے اپنے قدم مضبوطی سے جمائے۔

"یہ گھر میرا ہے شمریز تم مجھے اس گھر میں بہت سے لوگوں کی موجودگی میں اللہ ورسول کو گواہ بنا کر لائے تھے پھر یہ عورت اس طرح کیسے مجھے اس گھر سے نکال سکتی ہے شمریز منع کرواسے، میں تمہاری بیوی ہوں تم نے بڑی چاہ سے اپنایا تھا مجھے میرے دل کے مکین ہو تم مجھے اپنے گھر کا مکین رہنے دو۔" وہ اس کے سامنے گڑگڑا رہی تھی، چوکیدار نے اس کی حالت زار پر اپنے اشکوں کو بمشکل پیا۔

"کچھ تو بولو، بے شک مجھے اپنی چاہت نہ دو مجھے اپنے قدموں میں رول دو مگر یوں دربدر نہ کرو بہت دنوں تک میں تمہارے دل کی تسکین کا باعث بنی ہوں تمہاری خدمت کی ہے راتوں کو تمہارے لئے نیندوں سے دستبردار ہوئی ہوں انہی لمحوں کا تمہیں واسطہ مجھے اس گھر میں پناہ دے دو میں تم سے کچھ نہیں مانگوں گی۔" وہ اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوگئی لمحے بھر کو شمریز کا دل کپکپایا۔

"انکل آنٹی کو آجانے دو پھر وہ جو فیصلہ کریں گے مجھے منظور ہوگا مگر اس طرح مجھے گھر سے مت نکالو میں کہاں جاؤں گی۔"

"تم اس عورت کو ابھی اس گھر میں نہیں رکھو گے شمریز اس نے تمہیں ذلالت کے دہانے پر کھڑا کیا تھا آج تم اسے ذلیل کر کے گھر سے نکال دو۔" شرمین سفاکی سے بولی شمریز کی مردانگی بیدار ہوا تھا اس کی شریک سفر نے اسے زمانے کے سامنے رسوا کرنا چاہا تھا وہ کب اپنی تذلیل بھولا تھا ٹھوکر سے اس کے وجود کو دھکا دیتے ہوئے اس نے اپنی تذلیل کو تسکین کا جام پلایا تھا، گیٹ بند ہو چکا تھا وہ دھڑا دھڑ گیٹ پیٹ رہی تھی فریاد کر رہی تھی اسے واسطے دے رہی تھی مگر وہ اس وقت مطلق العنان بن چکا تھا، شمریز نے شرمین کو بانہوں میں لیا اور دونوں نے مسکراتے ہوئے اندر کی طرف قدم بڑھا دیئے، حاجرہ لان میں بیٹھی سسکیاں لے رہی تھی اور چوکیدار ضبط کے کڑے مرحلوں سے گزر رہا تھا۔

☆☆☆

سلگتے دل اور بسمل بدن کو لئے وہ سڑک پر رینگتی جارہی تھی رات کا پرہول سناٹا، لمبی سنسان سڑکیں درختوں کے لمبے سائے اسے کسی خوف میں مبتلا نہیں کر رہے تھے اس کا دل سارے اندیشوں و وسوسوں سے خالی ہو چکا تھا دل و ذہن بین کر رہے تھے تو فقط ایک ہی بات پر کہ بنت حوا کے خلوص خدمت اور شوہر سے باوفائی کا انجام اتنا بھیانک ہوتا ہے کہ اسے یوں لمحوں میں رسوا کر کے کسی فالتو و بے جان شے کی طرح رول دیا جاتا ہے اتنے بڑے گھروں میں رہنے والوں کے دل کس قدر تنگ ہوتے ہیں اس نے سر اونچا کر کے ان بنگلوں پر نظر ڈالی، ایک سسکی اس کے منہ سے نکل گئی، گھٹنے کا خون رس رس کر پنڈلی سے ہوتا ٹخنے تک پہنچ گیا تھا، اس نے دوپٹے سے صاف کر ڈالا ہونٹ پر دکھن کا احساس ہوا تو ہاتھ لگا کر دیکھا اسے اپنا ہونٹ سوجا ہوا محسوس ہوا ہاتھ لگانے پر شدت سے تکلیف کا احساس ہوا مگر کسی تکلیف کسی کراہ نے شمریز سے شکوہ نہ کیا تمام شکوے اس کے لبوں پر دم توڑ چکے تھے وہ محوِ سفر تھی نہ اسے راستوں کا پتا تھا نہ منزل کا، بس اس کے قدم مسلسل حرکت میں تھے سامنے سے آتی کار کی ہیڈ لائٹس نے اس کی آنکھیں چندھیا دیں وہ ماؤف ہوتے ذہن کے ساتھ سائیڈ پر ہونے کی بجائے گاڑی کے سامنے ہوگئی گاڑی کے ٹائر تیزی سے چرچرائے وہ گاڑی کے بونٹ پر

اوندھے منہ گری تھی کار میں سے دونو جوان تیزی سے باہر نکلے تھے، اس سے قبل کہ وہ اس کو اٹھا کر گاڑی میں ڈالتے فائر کی آواز سناٹے میں گونجی اور ان کا دل دہلا گئی انہوں نے افراح کو وہیں سڑک پر چھوڑا اور تیزی سے کار بھگا لے گئے، بابو دین نے افراح کو کندھے پر اٹھایا اوپر اپنی چادر ڈھانپی اور لمبے لمبے ڈگ بھرنے لگا۔

☆☆☆

اس کی پیشانی پر گہرا زخم تو نہ تھا مگر خون اس کے چہرے کو سرخ کر گیا تھا، خون صاف کر کے اس نے ٹیوب لگا کر بینڈیج کر دی تھی اوپری ہونٹ بری طرح سے پھٹ چکا تھا، جہاں جہاں چوٹ ظاہر تھی الٰہی بخت نے اچھی طرح صاف کر کے ٹیوب وغیرہ لگا دی تھی۔

''لو جی تمہاری مریضہ کی تو مرہم پٹی کر دی میں نے اب بولو کیا حکم ہے۔'' اس نے باقی چیزیں سمیٹیں۔

''اسے اپنے پاس میری امانت سمجھ کر رکھنا الٰہی بخت، کوئی کوتاہی برداشت نہیں ہو گی، صبح تک اللہ کرے گا اسے ہوش آ جائے گا میں چکر لگا لوں گا پھر سوچتے ہیں کیا کرنا ہے میری مہمان کے کھانے پینے کا خیال رکھنا۔'' بابو دین اسے حکم دیتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''الٰہی بخت یاروں کا یار ہے تو اچھی طرح جانتا ہے کہ امانت کی پاسداری جان پر کھیل کر بھی کرنی پڑے تو تیرا یار کرتا ہے تو بے فکر ہو جا۔'' اس نے بابو دین کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی، تو وہ افراح پر ایک نظر ڈال کر نکل گیا، الٰہی بخت دروازہ بند کر کے وہیں کمرے میں کرسی پر بیٹھ کر اسے ہوش میں آنے کا انتظار کرتا رہا، صبح کی سفیدی نمودار ہوئی تو اس نے کراہ کر آنکھ کھولی تھی چند لمحے اسے سنبھلنے میں لگے اپنے سامنے اس نے ایک انجان چہرے کو دیکھا تو یکدم اٹھ کر بیٹھ گئی اپنا دوپٹہ اپنے گرد اچھی طرح لپیٹا اور خوفزدہ نگاہوں سے اس اجنبی کو دیکھا۔

''گھبراؤ نہیں بی بی بابو دین تمہیں میرے پاس چھوڑ کر گیا ہے، تم بے فکر ہو کر لیٹی رہو، تمہیں ڈرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے تھوڑی دیر تک وہ آتا ہی ہو گا۔'' الٰہی بخت نے اسے ہراساں دیکھ کر تسلی دی۔

''آپ منہ ہاتھ دھو کر تازہ دم ہو جاؤ یہ سامنے باتھ روم ہے میں اتنے میں آپ کے لئے چائے پانی کا انتظام کرتا ہوں۔'' وہ کمرے سے نکل کر جانے گھر کے کس حصے کی طرف گیا تھا، بابو دین ایک اچھا اور ہمدرد انسان تھا یقیناً وہ کسی ایسے شخص کے پاس اسے چھوڑ کر گیا ہو گا جو قابل بھروسہ ہو گا مگر بابو دین مجھے یہاں کیسے چھوڑ کر گیا میں اسے کہاں ملی، فی الحال اس کا ذہن سوچنے سے قاصر تھا وہ صرف یہ سوچ رہی تھی کہ جو اس کا محافظ تھا اس کی عزت کا رکھوالا تھا اس کے زندگی بھر کا ساتھی تھا اس نے اسے رات کے سناٹے میں بے امان کر دیا تھا تو پھر وہ کیسے کسی اجنبی پر یقین کر سکتی تھی، وہ بری طرح سہمی ہوئی تھی اس نے آہستہ سے اپنے پاؤں چارپائی سے نیچے رکھے اور ہمت کر کے کھڑی ہو گئی پاؤں کی تکلیف اور سر کی چوٹ نے اسے لڑکھڑا کر دوبارہ بستر پر گرا دیا، اس سے قبل کہ وہ پھر سے ہمت کرتی الٰہی بخت دروازہ بجا کر اندر چلا آیا، اسے اس طرح نقاہت زدہ دیکھا تو پانی اور تسلہ وہیں لے آیا۔

''بی بی جی آپ یہیں پر ہاتھ منہ دھو لو۔'' وہ نظریں نیچی کیے پانی ڈالتا رہا اور اس نے اپنے ہاتھ منہ وہیں بیٹھے بیٹھے دھو لئے تو لیے سے ہاتھ منہ پونچھا تو وہ ٹرے سجائے اس کے قریب لے آیا، قریب رکھی ہوئی چھوٹی ٹیبل پر اس نے ٹرے رکھی اور اسے کھانے کی تاکید کرتا پھر کمرے سے نکل گیا۔

''کسی چیز کی ضرورت ہو تو بی بی جی مجھے آواز دے لینا۔'' جاتے جاتے وہ اسے کہہ گیا

تھا۔

افراح کو کھانے کی کوئی طلب نہ تھی مگر سر میں درد سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں گرم گرم چائے کا کپ اس نے لبوں سے لگا لیا بوائل انڈا اور دو چار بسکٹ کھائے تو اس میں جیسے تھوڑی توانائی آ گئی وہ اپنے آپ کو قدرے بہتر محسوس کرنے لگی۔

ناشتہ کر کے اس نے کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا سادہ سا درمیانے سائز کا کمرا تھا جس میں فقط دو چار پائیاں تھیں ایک پر وہ لیٹی تھی دوسرے کونے میں کھڑی تھی ایک پرانی الماری رکھی تھی جس میں یقیناً اس شخص کے کپڑے ہونگے، دیوار پر ایک بڑی سی گن لٹکی تھی یقیناً یہ شخص کہیں چوکیدار ہوگا اس نے اس کی گن سے اندازہ لگایا وہ آہستگی سے اٹھی اور کمرے سے باہر جھانکا سامنے ہی بڑا سا لان اپنے بے توجہی پر آنسو بہا رہا تھا وہ باہر نکل آئی یہ کسی کوٹھی کا انیکسی کا حصہ تھا جہاں پر وہ اس وقت تھی اس نے انیکسی کا گیٹ ڈھونڈنا چاہا تو سائیڈ پر ایک طرف کونے میں اسے ایک چھوٹا سا گیٹ نظر آیا۔

''ہممم...... یہی باہر نکلنے کا راستہ ہے۔'' وہ پھر اندر چلی آئی اسے الٰہی بخت کہیں نظر نہیں آیا تھا پتا نہیں کہاں چلا گیا تھا اس کا ذہن تیزی سے کچھ سوچ رہا تھا اسے یہاں سے نکلنا تھا وہ الماری کے قریب آئی، دروازے پر دستک ہوئی تو وہ سمٹ کر بیٹھ گئی۔

''بی بی جی میرا ڈیوٹی کا ٹائم شروع ہو گیا ہے پہلے رات کی ڈیوٹی تھی اب بیماری نے رات کو پہرا دینے سے انکار کر دیا ہے ویسے بھی اب اس عمر میں وہ جوانی سا دم خم کہاں رہا اس لئے صاحب جی نے نوکری سے نکالنے کی بجائے دن میں اپنے چھوٹے موٹے کاموں کے لئے رکھ لیا ہے میں ادھر ہی جا رہا ہوں آپ بے خوف ہو کر یہاں رہیں کوئی خطرہ نہیں میں تھوڑی دیر بعد چکر لگا لوں گا۔'' افراح نے اثبات میں سر ہلا دیا تو وہاں سے چلا گیا اس نے سکون کا سانس لیا اور یہاں سے نکلنے کا راستہ تلاش کرنے لگی مگر وہ یہاں سے نکل کر جائے گی کہاں ذہن نے پوچھا اور پھر خالی ہاتھ......

وہ سوچ میں پڑ گئی اسی دم اس کی نظر سامنے کھونٹی پر لٹکی ایک قمیض پر پڑی تو وہ فوراً اس کی طرف لپکی اس کی جیب اسے کچھ پھولی ہوئی محسوس ہو رہی تھی یقیناً اس میں پیسے ہونگے اس نے خوش ہوتے ہوئے اس میں ہاتھ ڈالا تو اس کا خیال بالکل غلط ثابت ہوا اس کے ہاتھ میں چند رسیدیں اور وزیٹنگ کارڈ اس کو منہ چڑا رہے تھے وہ بے بس ہو کر پھر سے چار پائی پر آ بیٹھی تکیہ اٹھا کر اس نے اپنی گود میں رکھا اور پھر سے سوچنے کا عمل شروع کر دیا جونہی اس نے تکیہ اٹھایا اس کے نیچے کئی سو سو کے نوٹ مسکرا رہے تھے اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی اس نے وہ نوٹ اپنی مٹھی میں اچھی طرح دبائے اور کمرے سے باہر نکلنے لگی مگر پھر کچھ سوچ کر اندر چلی آئی اس نے اپنی انگلی میں پڑی نازک سی رنگ کو اپنی انگلی سے آزاد کیا اور تکیے کے نیچے رکھ کر باہر نکل آئی اسے یہاں سے ہر حال میں نکلنا تھا وہ باہر کا جائزہ لینے لگی کمرے سے ذرا فاصلے پر کچن تھا اس نے کچن میں قدم رکھا کچن میں سامنے ایک کھڑکی تھی جس پر جالی لگی ہوئی تھی ساتھ ہی دروازہ لگا تھا اس نے کھڑکی میں سے جھانکا تو اس کی خوشی سے چیخ نکل گئی باہر روڈ تھی کئی موٹر سائیکل سواروں کو اس نے گزرتے دیکھا اس نے دروازے کی کنڈی کھول کر دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی شاید دروازے کو کبھی کھولنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی تھی اس لئے وہ جام ہو گیا تھا وہ کھڑکی کی طرف آ گئی جھانک کر دیکھا تو کھڑکی زیادہ اونچی نہ تھی وہ آسانی سے یہاں سے کود سکتی تھی اگر درمیان سے جالی ہٹ جائے تو اس کو نکلنے کی راہ

مل سکتی تھی تھوڑی سی کوشش سے وہ جالی کاٹ سکتی تھی اس نے چھری کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں تو ذرا دیر بعد ہی اسے اپنی مطلوبہ چیز مل گئی اس نے احتیاط سے چھری سے جالی کاٹنا شروع کر دی جالی بہت بوسیدہ ہو چکی تھی جگہ جگہ سے سوراخ زدہ تھی ذرا سی کوشش سے وہ کپڑے کی طرح ادھڑتی چلی گئی اس نے جالی کو کھینچ کر اپنے باہر نکلنے کا راستہ بنایا گاہے بگاہے وہ باہر بھی نظر ڈال لیتی کہ کہیں الہی بخت تو نہیں آ رہا مگر اس کا کہیں وجود نہ تھا کھڑکی میں اتنی جگہ بن چکی تھی کہ وہ آسانی سے اس میں سے نکل سکتی تھی اس نے آس پاس نظریں دوڑائیں کہ کوئی اسے دیکھ تو نہیں رہا پھر اطمینان کر کے وہ کھڑکی سے کود گئی۔

☆☆☆

وہ اسٹیشن پر بینچ پر بیٹھی تھی آتے جاتے مسافروں کو وہ بند ہوتی پلکوں سے دیکھ رہی تھی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کہاں جائے کس سے مدد طلب کرے کہاں سے ٹکٹ خریدے اتنا بڑا اسٹیشن اور وہ یہاں بالکل اجنبی، اوپر سے سر شدید چکرا رہا تھا اس کے ساتھ ہی ایک ادھیڑ عمر کی خاتون بیٹھی تھیں اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی مگر آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھائے جا رہا تھا۔

''بیٹا تم نے کہاں جانا ہے؟'' خاتون نے اس سے یونہی معلوم کرنا چاہا مگر اس کی طرف سے جواب ندارد تھا لمحے بعد ہی وہ ان کے کندھے سے آ لگی انہوں نے آہستگی سے اس کا سر ہٹانا چاہا تو انہیں کچھ گڑبڑ کا احساس ہوا، خاتون نے ذرا فاصلے پر کھڑے معیز کو آواز دی وہ ان کی پکار پر فوراً چلا آیا۔

''جی امی کہیے کیا مسئلہ ہے؟''

''بیٹا اس کو دیکھو پتا نہیں کیا ہوا ہے شاید بے ہوش ہو گئی ہے لگتا ہے اکیلی ہے میں نے پوچھا کہاں جا رہی ہو تو کوئی جواب نہیں ملا۔''

''اوہ امی آپ فکر نہ ہوں کوئی نہ کوئی ہو گا اس کے ساتھ ابھی آ جائے گا۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہو کوئی ساتھ ہوتا تو اسے اس کنڈیشن میں چھوڑتا تم دیکھ نہیں رہے اس کی کیا حالت ہو رہی ہے۔'' انہوں نے اس کے حلیے پر نظر ڈالی کپڑوں پر جا بجا مٹی کے داغ ہاتھوں پر خراشیں ماتھے پر پٹی شلوار جگہ جگہ رگڑ لگنے کے باعث سوراخ زدہ، پاؤں میں ٹوٹی چپل اور مٹی میں چند روپے دبے ہوئے۔

''کیا پتا بیچاری کو کیسے حالات میں گھر سے نکلنا پڑا ہے تم جلدی کرو اسے ہسپتال لے چلو۔'' وہ ایک دم پریشان ہو گئیں۔

''کیسی باتیں کر رہی ہیں آج کل کے حالات دیکھ رہی ہیں، ہمدردی گلے پڑ جاتی ہے میرا ایسی ہمدردی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے ویسے بھی ٹرین آنے میں کچھ ہی دیر باقی ہے۔'' معیز نے صاف انکار کر دیا۔

''میں کہیں نہیں جا رہی تم اس لڑکی کو ہسپتال نہیں لے جا رہے تو گھر لے کر چلو۔'' انہوں نے پانی کی بوتل سے چند قطرے اس کے منہ پر چھڑکے اور ہاتھ سہلائے تو وہ قدرے ہوش میں آنے لگی۔

''امی آپ کی یہ ہمدردیاں ہمیں کسی دن لے ڈوبیں گی گھر تو میں کسی صورت نہیں لے کر جاؤں گا یہاں اسٹیشن ماسٹر کو مطلع کر دیتا ہوں۔'' وہ جانے کے لئے مڑا۔

''رک جاؤ تم ایسی کوئی حماقت نہ کرو گے جوان جہان لڑکی کو اسٹیشن ماسٹر کے حوالے کر دیں خدا جانے کیا سلوک ہو، بس تم میرا بیگ گاڑی میں رکھو میں اسے سہارا دے کر اسٹیشن سے باہر لاتی ہوں۔'' ان کا لہجہ حتمی تھا۔

''اور وہاں جو عافیہ خالہ آپ کے انتظار میں سوکھ رہی ہیں ان کا کیا ہو گا۔''

''اس سے میں خود بات کر لوں گی فی الحال

تم گھر چلنے کی کرو۔'' انہوں نے افراح کو ہوش میں آتا دیکھ کر اس سے کچھ پوچھنے کی کوشش کی مگر وہ کچھ بھی بتانے سے قاصر تھی، وہ اسے سہارا دیئے گاڑی میں لے آئے اور گھر کی طرف روانہ ہوئے معیز بھنایا ہوا تھا۔

☆☆☆

شام دھیرے دھیرے رات کی پناہوں میں جانے کے لئے بے تاب ہو رہی تھی چرند پرند سب اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچنے کے لئے محوسفر تھے اور وہ بھی داماں اپنی ڈار سے بچھڑی کونج کی طرح اس وقت معیز اصفہانی کے گھر میں بے بسی کی تصویر بنی پڑی تھی۔

اس کے پپوٹوں پر ہلکی سی جنبش ہوئی تو شائستہ جلدی سے اس کے قریب ہوئیں کتنی دیر سے وہ اس پر پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھیں معیز کرسی پر بیٹھا کسی گہری سوچ میں گم تھا اسے آنکھیں کھولتا دیکھ کر وہ بھی اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''میں...... میں کہاں ہوں مجھے کون لایا ہے یہاں۔'' وہ اپنے اطراف میں دیکھتی سہم کر بولی۔

''آپ کو اغواء کر کے لایا گیا ہے یہاں، جلدی سے اپنا فون نمبر دو تا کہ تمہارے گھر والوں سے تاوان مانگا جا سکے۔'' معیز جل کر بولا تو شائستہ نے ہنکارا بھر کر اسے تنبیہ کی۔

''بے فکر رہو بیٹا تم بالکل محفوظ جگہ ہو کسی ڈر اور خدشے کو ذہن میں جگہ نہ دو۔'' شائستہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے تسلی دی تو اس نے جیسے مطمئن ہو کر آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

کتنے دن ہو گئے تھے اسے یہاں پر آئے ہوئے مگر وہ اپنے بارے میں کچھ بتا کر نہیں دے رہی تھی شائستہ نے بہت زور لگایا کہ وہ اس پر اعتماد کر سکتی ہے مگر اس کی خاموشی کو وہ چاک نہ کر سکیں، اب اس کی حالت پہلے سے کافی بہتر تھی۔

شائستہ لاؤنج میں بیٹھی اپنی بہن سے بات کر رہی تھیں وہ ان کے پاس چلی آئی تو انہوں نے تھوڑی ہی دیر بعد فون بند کر دیا۔

''کیا بات ہے بیٹا کچھ چاہیے؟''

''آنٹی مجھے آپ کے گھر میں پناہ چاہیے، میں آپ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچاؤں گی گھر کے سارے کام کر دوں گی بدلے میں بس مجھے اس چھت کا آسرا دے دیں۔'' وہ ان کے ہاتھ پکڑ کر ملتجی لہجے میں بولی تو وہ تڑپ گئیں۔

''تم یہاں میری بیٹی بن کر جب تک چاہے رہ سکتی ہو مگر بیٹا تم مجھ پر اتنا اعتماد تو کر سکتی ہو کہ مجھے اپنے بارے میں اپنے حالات کے بارے میں کچھ تو بتاؤ۔''

اور پھر شائستہ کا خلوص دیکھ کر اس نے اپنے تمام حالات ان کے گوش گزار کر دیئے اس کے دکھ پر ان کی آنکھیں چھلک پڑیں، باہر کھڑا معیز کا دل بھی اس کی دردناک کہانی سن کر لرز گیا۔

''لیکن بیٹا تمہارے والدین اس طرح تمہارے گھر سے غائب ہو جانے پر پریشان ہوں گے انہیں تو تم مطلع کر دو کہ میں خیریت سے ہوں۔''

''نہیں آنٹی ابا کو میں نے پہلے ہی بہت دکھ دیئے ہیں میری وجہ سے آج وہ معذوری کی زندگی بسر کر رہے ہیں، اگر خدانخواستہ میرے گھر سے نکال دینے کی خبر سن کر امی کو بھی کچھ ہو گیا تو میں کبھی بھی اپنے آپ کو معاف نہیں کروں گی۔'' اس نے فوراً ان کے خیال کی نفی کی تو وہ خاموش ہو گئیں معیز ان دونوں کے قریب چلا آیا۔

''تم یہاں پورے اعتماد اور بھروسے کے ساتھ رہ سکتی ہو، کوئی تمہیں یہاں کسی بھی قسم کا ضرر نہیں پہنچا سکتا، مکمل استحقاق کے ساتھ رہو، کام کرنے کو یہاں اور بہت لوگ ہیں امی کے ساتھ اپنا وقت گزارو ان کا بھی دل بہل جائے گا

تمہاری صورت میں ان کو ایک بیٹی اور مجھے بہن مل جائے گی تو ہمیں اور کیا چاہیے۔'' معیز نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو اس کی آنکھیں نم ناک ہو گئیں، اللہ اگر ایک در بند کرتا ہے تو دوسرا اس کے لیے کھلا ملتا ہے وہ ان کے خلوص کے زیر بار آ گئی تھی، معیز نے اسے شمریز پر کیس کرنے کا خیال ظاہر کیا کہ وہ اس کی اس سلسلے میں ہر طرح کی مدد کرنے کو تیار ہے مگر اس نے اس کا خیال مسترد کر دیا۔

''میں نے اپنا معاملہ اللہ کی عدالت کے سپرد کر دیا ہے وہ بہتر انصاف کرنے والا ہے۔'' معیز اس کی بات سن کر خاموش ہو گیا، شائستہ اور معیز کے منع کرنے کے باوجود وہ سارا دن گھر کے کاموں میں مصروف رہتی۔

اس دن موسم بے حد سرد تھا وہ شائستہ کے ساتھ لحاف میں گھسی بیٹھی تھی جبکہ معیز صوفے پر کمبل میں لپٹا تھا وہ ڈرائی فروٹ سے لطف اندوز ہو رہے تھے، معیز بار بار کوئی ایسی بات کر دیتا کہ افراح کے اداس چہرے پر مسکراہٹ کھیلنے لگتی اب بھی وہ کسی بات پر دھیرے سے ہنسی تھی کہ دھڑ سے کمرے کا دروازہ کھلا اور علیزہ کمرے میں داخل ہوئی۔

''اوہ تو مسٹر معیز آج کل کار خیر کے کام سر انجام دے رہے ہیں دکھی انسانیت کی خدمت کر رہے ہیں روتوں کو ہنسانے کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔'' وہ بلا تمہید افراح کو نظروں میں رکھے کڑے طنز کر رہی تھی۔

''آؤ علیزہ بیٹا بہت دنوں بعد چکر لگایا روز اس نکمے سے کہتی ہوں علیزہ کو لے آؤ کسی دن، افراح سے بھی مل لے گی مگر میری بالکل بھی نہیں سنتا۔''

''جی ذکر کیا تھا معیز نے اپنی نووارد دکھی مہمان کا، اسی لیے آج ملنے چلی آئی۔'' وہ پھر طنزاً مسکرائی تو معیز کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''افراح یہ میری بھتیجی اور معیز کی منگیتر ہے ابھی چند ماہ قبل ہی انگیج منٹ ہوئی ہے بس اب جلدی ہی اس گھر کی رونق بنا کر لے آؤں گی اپنی بیٹی کو۔'' انہوں نے ساتھ لگایا۔

''رونق تو آپ کے گھر میں میرے آنے سے پہلے ہی لگ چکی ہے۔'' اس نے پھر طنز کا تیر چھوڑا مگر شائستہ نظر انداز کر گئیں، ملازم ٹرالی سجائے اندر ہی لے آیا تو وہ سب کھانے پینے میں مشغول ہو گئے افراح نے اپنے آپ کو وہاں اجنبی محسوس کیا تو اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بیٹھو ناں بیٹا۔''

''آنٹی اذان ہوئے کافی دیر ہو گئی نماز پڑھ لوں۔''

''ہاں باتوں میں تو دھیان ہی نہیں رہا، چلو میں نے بھی پڑھنی ہے۔'' وہ اٹھ کر اس کے پیچھے چل دیں اور وہ دونوں کمرے میں تنہا رہ گئے۔

''علیزہ اپنی گفتگو اور لہجے کو کنٹرول میں رکھو افراح کو میں نے بہن کہا ہے سو اس رشتے کے تقدس کو مدنظر رکھو۔''

''اچھا۔'' اس نے بھنویں اچکائیں۔

''یعنی میری نند کا نزول ہو چکا ہے تم جانتے ہو کہ یہ نند بھابھی کا رشتہ ازل سے متنازعہ ہے سو اس سے خار کھانا فطری ہے تم مائنڈ مت کرو۔'' اس نے معیز کی بات کو ہنسی میں اڑا دیا تو معیز نے چپ سادھ لی۔

☆☆☆

افراح کے جانے کے چند دن بعد ہی شمس الحق اور دردانہ عمرہ کی ادائیگی کر کے پہنچے تھے اور سخت پریشانی کا شکار تھے، وہ شمریز پر بری طرح برسے تھے دردانہ بھی خوب برہم ہوئیں، شرمین کو بھی انہوں نے خوب لتاڑا تھا وہ تنفر سے ''ہونہہ'' کہتی اپنے کمرے میں جا گھسی تھی، چوکیدار حاجرہ ان دونوں سے کسی کو بھی نہ چھوڑا سب کی کلاس لی۔

''صاحب جی میں نے اپنی پوری سی کوشش کی مگر بی بی جی وہاں سے نکل کر نجانے کہاں چلی گئیں۔'' بابو دین نے اپنی صفائی پیش کی انہیں کچھ سوچنا تھا کچھ کرنا تھا شمریز نے ایک انتہائی قدم اٹھایا تھا جو سراسر غلط تھا، اس کی اس حرکت نے انہیں اس سے بددل کر دیا تھا۔

دردانہ الگ افراح کے لئے پریشان تھیں، رو رو کر اس کی زندگی و سلامتی کی دعائیں مانگتی رہیں، سلمٰی کو فون کر کے بھی بہانے سے پتا کر چکے تھے مگر وہ وہاں بھی نہیں تھی سارے دارالامان کھنگال ڈالے کہیں سے کچھ پتا نہیں چل رہا تھا وہ سخت ذہنی اذیت کا شکار تھے۔

دردانہ اور شمس الحق نے دونوں نے مل کر ایک فیصلہ کیا تھا اور شام کو انہوں نے شمریز کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا۔

''ہم دونوں اس گھر سے اپنے پرانے گھر جا رہے ہیں یہ گھر تمہیں اور تمہاری نئی بیوی کو مبارک ہو اس کے ساتھ تم اپنی عیاشی بھری زندگی گزارو جس شخص نے اپنی محبت کرنے والی خدمت گزار و پاکباز بیوی کو اس عیاش عورت سے دھکے دے کر نکلوا دیا وہ کل کو اپنے ماں باپ کو بھی اس کے اشاروں پر باہر کا راستہ دکھا سکتا ہے، سو اپنی عزت بچا کر ہم یہاں سے اپنے گھر شفٹ ہو رہے ہیں، تم اس کے ساتھ اپنے شب و روز بسر کرو، دیکھتا ہوں کہ یہ آزاد عورت تمہیں کتنا سکون پہنچاتی ہے اور کتنا تمہارے دکھ سکھ کی ساجھی بنتی ہے، وہ وقت دور نہیں جب تم پر ذرا سی بھی مشکل پڑی اور اس نے اپنی راہیں الگ نہ کر لیں۔'' وہ سخت برہم لہجے میں بولتے جا رہے تھے تو وہ شرمندہ سا ہو گیا۔

''آپ یہاں سے کہیں نہیں جا رہے اور یہ گھر میرا ہے تو شرمین آپ کو یہاں سے کیسے نکالے گی، ایسا آپ نے سوچ بھی کیسے لیا۔''

''افراح بھی تو تمہاری بیوی تھی پھر اسے اس گھر سے کیسے نکالنے دیا تم نے۔'' وہ دھاڑے۔

''اس کی بات مت کریں بابا آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس نے میرے ساتھ کیا کیا۔''

''اس نے جو کچھ کیا اپنے حق کے لئے کیا وقتی طور پر مجھے بھی غصہ تھا مگر ایک عورت اپنے شوہر کو کبھی بھی تقسیم ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔''

''اس کے ذکر کو چھوڑیں، مما آپ کہیں نہیں جا رہیں، میں کیسے آپ کے بغیر رہوں گا۔'' وہ ماں سے آلپٹا تو انہوں نے اسے اپنے سے دور کرنے میں لمحہ نہیں لگایا۔

''تم ہر اس رشتے کے بغیر رہ سکتے ہو جو تمہارا ہمدرد ہے اگر نہیں رہ سکتے تو اپنی اس بے باک عورت کے بنا نہیں رہ سکتے، ہمیں اجازت دو۔'' دردانہ، شمس الحق کا ہاتھ پکڑ کر اٹھ کھڑی ہوئیں باہر حاجرہ بھی اپنا سامان باندھے ان کے ساتھ جانے کے لئے تیار کھڑی تھی، شمریز بجھے دل کے ساتھ انہیں جاتا دیکھتا رہا۔

☆☆☆

''ہا...... کس قدر سکون ہے گھر میں۔'' شرمین نے اپنے پاؤں کو سینڈل سے آزاد کیا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ اب گھر واپسی پر نہ کسی کی چبھتی نظروں کا سامنا کرنا پڑے گا اور نہ اپنے فرینڈز کے ساتھ انجوائے کرنے میں کوئی رکاوٹ ہو گی۔'' اس نے شوز بیڈ کے نیچے کھسکائے اور پاؤں اوپر کر کے بیٹھ گئی۔

''بس کل ہی گھر پر ڈانس پارٹی ارینج کرتی ہوں اپنے سب کلوز فرینڈز کو انوائٹ کرتی ہوں خوب موج مستی کریں گے۔'' اس نے سرشاری سے بالوں کو جھٹکا دیا تو شمریز اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

''تم میرے ماں باپ کے جانے پر سکون

محسوس کر رہی ہو۔“

”کیوں...... کیا تم بھی نہیں کر رہے؟“ اس نے اک ادا سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

”بھئی انسان اپنی زندگی آزادی سے گزارنا چاہتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ میں ان کی موجودگی میں بڑی ان ایزی فیل کرتی تھی، اچھا ہوا میرے کچھ کہنے سے قبل ہی اپنے گھونسلے میں جا چھپے۔“ وہ اس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی، اس کی بات سن کر شمریز کی تیوریاں چڑھ گئیں تاہم اس نے اس سے بحث کرنی ضروری نہیں سمجھی اور لائٹ آف کر کے کروٹ بدل کر لیٹ گیا، شرمین کی باتوں نے اسے ذہنی کوفت میں مبتلا کر دیا تھا۔

☆☆☆

بعض اوقات انسان اپنی بربادی کا سامان خود اپنے ہاتھوں کرتا ہے اپنی قیمتی شے کو خود اپنے ہاتھوں گنواتا ہے اور جب احساس ہوتا ہے تو بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے پھر سوائے پچھتاؤں و ندامت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا یہی حال شمریز کا تھا۔

شرمین ایک آزاد خیال عورت تھی وہ ایک بروکن فیملی سے تعلق رکھتی تھی اس نے ہمیشہ اپنی من مانی کی، کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ تھا، سو اپنے فیصلوں میں خود مختار رہی وہ گناہ ثواب، جائز و ناجائز کے چکروں میں پڑنے والی نہیں تھی اگر یہ کہا جائے کہ شمریز نے اپنے کردار کے مطابق اپنے لئے شریک سفر چنی تھی جو کہ سراسر اس کے لئے خسارے کا سودا ثابت ہو رہی تھی آئے دن گھر میں پارٹیز، ناچ گانا، فحاشی بوائے فرینڈز کے ساتھ میل جول لیٹ نائٹ گھر آنا، جو کچھ وہ افراح کے ساتھ کر رہا تھا، وہی کچھ اسے شرمین کے ساتھ بھگتنا پڑ رہا تھا، وہ مرد تھا اور مرد کو اپنی خامیاں کب نظر آتی ہیں، کچھ عرصہ تو وہ شرمین کی اس روٹین کو برداشت کرتا رہا مگر وہ اتنا صابر مرد نہیں تھا کہ شوہر گھر میں بیٹھ کر بیوی کا رات کو انتظار کرے، تلخ کلامی ان دونوں کے بیچ بڑھنے لگی زبان کھولنے پر اسے شرمین کے لفظ ادھیڑ کر رکھ دیتے وہ اسے بیک ورڈ ہونے کے طعنے دیتی اس نے اپنے لئے خود سزا تجویز کی تھی سو اب اسے بھگتنا اس کا مقدر بن چکا تھا۔

اسے اپنا گھر گھر نہیں بلکہ کبھی ڈانس کلب لگتا تو کبھی ہوٹل اس کا سکون عنقا ہو چکا تھا، شرمین کو جب غیر مردوں کی بانہوں میں رقص کرتے دیکھتا تو خون کھول اٹھتا ٹوکنے پر وہ اسے اس کی اوقات یاد دلا دیتی۔

”تم بھی تو بیوی کی موجودگی میں میری بانہوں میں رقص سے سرور اٹھایا کرتے تھے پھر اب مجھے کیوں ملامت کر رہے ہو۔“ وہ اسے آئینہ دکھاتی اور وہ جلبلا کر رہ جاتا۔

اکیلے ناشتہ کر کے وہ آفس روانہ ہوتا کیونکہ شرمین خواب خرگوش کے مزے لے رہی ہوتی کبھی کبھار ڈنر اکٹھے کرنے کا اتفاق ہوتا تو وہ بھی تلخیوں کی نذر ہو جاتا ویسے بھی وہ گھر پر ہوتی ہی کب تھی پورا گھر نوکروں کے سپرد تھا دنوں میں شرمین کے خرچوں نے اسے کنگال کر ڈالا تھا جو کچھ جمع تھا سب اس کی عیاشی کے ٹھکانے لگتا جا رہا تھا، رات کو وہ اس کا انتظار کر کر کے سو جاتا صبح آنکھ کھلتی تو وہ اس کے پہلو میں بے خبر سو رہی ہوتی کیا اذیت بھرے دن گزار رہا تھا وہ، اس پر مستزاد کئی دنوں سے اس کی ٹانگ میں شدید درد کی لہریں اٹھ رہی تھیں راتوں کی کتنی ہی مرتبہ اس نے شرمین کو جگانے کی کوشش کی کہ میری ٹانگ دبا دو۔

”تمہاری خدمت گزار بیوی اس گھر سے جا چکی ہے شمریز جو تمہارے لئے راتوں کو نیند کی قربانی دیتی تھی مجھ سے یہ بھی امید مت رکھنا کہ میں تمہارے حکم پر پاؤں دبانے بیٹھ جاؤں گی مجھے اپنی نیند سے زیادہ کچھ عزیز نہیں۔“ مندی آنکھوں سے اس نے پل میں اسے اس کی

اوقات یاد دلا دی تھی وہ اس کے جواب پر بھنا اٹھا اور اس دن تو حد ہی ہو گئی اس کا صبر جواب دے گیا تھا وہ ڈاکٹر کے سے لوٹا تھا ٹانگ میں شدید تکلیف تھی اس کے ہاتھوں میں ڈیجیٹل ایکسرے کی فائلز تھیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا مسئلہ ہے بظاہر سب کچھ ٹھیک تھا مگر درد حد سے سوا ہوتا جا رہا تھا وہ کار سے اتر کر لنگڑاتا ہوا اندر داخل ہوا تو شرمین ریڈ سلیولیس شرٹ اور ٹراؤزر پہنے میک اپ کیے کہیں جانے کے لئے تیار ہو رہی تھی۔

''شرمین میرے لئے چائے بنا کر لے آؤ سر میں شدید درد ہے ٹانگ کے درد نے الگ بے چین کر رکھا ہے۔'' وہ بیڈ پر لیٹا نرمی سے بولا تھا۔

''میں اعتصام کی برتھ ڈے پارٹی پر انوائیٹڈ ہوں سب میرا ویٹ کر رہے ہیں میں پہلے ہی بہت لیٹ ہو چکی ہوں ملازمہ سے کہہ تمہیں چائے بنا دے گی۔'' اس نے پرفیوم اسپرے کیا اور اپنا موبائل اور کلچ اٹھایا۔

''میں نے تم سے جو کہا ہے وہ کرو تم کہیں نہیں جا رہیں۔'' وہ چنگھاڑا تھا شرمین نے اسے ناگواری سے دیکھا اور اس سے زیادہ چلا کر بولی۔

''شمریز کسی بھول میں نہ رہنا کہ میں تمہاری پابندیوں کو تمہارے حکم کو Accept کروں گی میری اپنی زندگی ہے، تم مجھے روک نہیں سکتے، تم اپنی لائف میں آزاد ہو جیسے چاہو گزارو میں نے کبھی تم سے پوچھا کہ کہاں سے آ رہے ہو کہاں جا رہے ہو سو میرے معاملات میں بھی دخل اندازی کرنے کی ضرورت نہیں ہے مجھ سے یہ نوکروں والے کام کرنے کی ہرگز توقع نہ رکھنا۔'' وہ جیسے اس پر پھنکاری تھی، اس نے قدم باہر کی طرف بڑھائے۔

''یاد رکھنا شرمین اگر آج تم نے گھر سے باہر قدم رکھا اور میری بات نہ مانی تو پھر اس گھر میں کبھی قدم نہ رکھ سکو گی؟''

''اچھا؟ دھمکی دے رہے ہو۔'' وہ مڑی تھی۔

''دھمکی نہیں تمہیں حقیقت سے آگاہ کر رہا ہوں۔''

''اچھا اگر میں ایسا نہ کروں تو کیا کر لو گے تم؟'' اس نے جیسے اس کی کیفیت سے حظ اٹھایا۔

''تمہیں اپنے زندگی اور اس گھر سے بے دخل کرنے میں لمحہ نہیں لگاؤں گا۔''

''سوچ لو مجھے آزاد کرنا تمہارے لئے آسان نہیں ہے لاکھوں کا حق مہر ڈیفنس کا پلاٹ میرے نام کر چکے ہو ادا کرنے کی ہمت ہے تو کر دو آزاد۔'' شرمین نے اسے باور کرایا۔

''تو تم میری بات نہیں مانو گی؟''

''نہیں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دلیری سے جھانک کر قطعی لہجے میں بولی۔

''تم جیسی بدکردار آزاد خیال شوہر کو کچھ نہ سمجھنے والی عیاش عورت سے اگر جان بیچ کر بھی جان چھڑانی پڑے تو یہ سودا بھی مہنگا نہیں ہے۔''

''میں بقائمی ہوش و حواس میں تمہیں طلاق دی شرمین میں نے تمہیں طلاق دی...... میں نے تمہیں طلاق دی۔'' نہایت کرب سے اس نے یہ فقرے ادا کیئے تھے شرمین کی آنکھیں ذرا کی ذرا پھیلی تھیں اور پھر اس نے ہونٹ سکیڑ کر نفرت سے اس کے کانوں میں زہریلے الفاظ انڈیلے تھے۔

''اچھا کیا شمریز ویسے بھی اب تمہارے کنگلے کے پاس مجھے دینے کے لئے رہا ہی کیا ہے۔'' وہ بیگ میں اپنی کچھ ضروری چیزیں رکھنے لگی۔

''تمہارا حق مہر، طلاق اور پلاٹ کے کاغذات تمہیں جلد ہی مل جائیں گے۔'' اس نے کہہ کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

''دیر کرنا بھی نہ مسٹر شمریز۔'' وہ نخوت سے کہتی ٹک ٹک کرتی باہر نکلتی چلی گئی اور شمریز بیڈ پر

اوندھے بل گرا تھا کیا ملا تھا اس کو شرمین سے شادی کر کے، تنہائی، ذلت، والدین کی ناراضگی و جدائی سب سے بڑھ کر بے لوث محبت کرنے والی بیوی سے ہاتھ دھونا۔

''آہ! افراح تمہارے دکھی دل کی آہ لگی ہے مجھ کو، شرمین سے شادی میں نے صرف تمہارا دل دکھانے کے لئے کی تھی اور دیکھو آج میرا دل اذیت و کرب کی آماجگاہ بنا ہوا ہے کوئی میرا نہیں رہا، تنہا ہو گیا ہوں یوں لگتا ہے سارے رشتے اور زندگی میں سکون صرف تمہارے ہی دم سے تھا۔''

وہ ساری رات افراح کو بے قراری سے یاد کرتا رہا اور ندامت کے گڑھے میں گرتا رہا۔

☆☆☆

افراح بہت بے چین تھی اسے اپنے لئے کوئی جائے پناہ نظر نہ آ رہی تھی علیزہ کی آئے دن آمد اس کے طنز اسے کچھ سوچنے پر مجبور کر رہے تھے اس دن وہ لان میں پودوں سے اپنا دل بہلا رہی تھی کہ علیزہ کی گاڑی گیٹ سے داخل ہوئی وہ اسے دیکھ کر وہیں چلی آئی۔

''سنو تمہیں تمہارے شوہر نے تو گھر سے نکال دیا، تم اپنے ماں باپ کے کیوں نہیں چلی جاتیں کیا ایک اجنبی کے گھر میں تم اپنے آپ کو محفوظ محسوس کرتی ہو جس شخص سے تمہارا شرعی و قانونی رشتہ تھا اس نے تمہارے ساتھ وفا نہ کی تو پھر منہ بولے بھائی سے کیسے تحفظ کی امید کر سکتی ہو کیا حیثیت ہے اس رشتے کی قانون کی نظر میں لوگوں کی نظر میں، یاد رکھنا لڑکی کا اپنے گھر کے علاوہ کسی جگہ تحفظ نہیں ہے اگر خوش قسمتی سے اسے کہیں رہنے کا ٹھکانہ مل جائے تو بے توقیر ہو کر رہ جاتی ہے سر چھپانے کو آسرا مل جاتا ہے عزت نہیں ملتی عزت ہمیشہ اپنے گھر میں ہی ملتی ہے بہتر ہوگا کہ تم عزت کے ساتھ یہاں سے رخصت ہو جاؤ ایسا نہ ہو کہ کل کو تم میرے آنے پر عزت سے بھی جاؤ اور اس محفوظ چھت سے بھی، میری باتوں پر غور کر لو گی تو تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔'' اس نے ایک ایک لفظ چبا کر ادا کیا تھا یہ بھی نہ سوچا کہ اس تہی داماں حرماں نصیب کے دل پر کیا گزرے گی، وہ اسے مضطرب کر کے اندر شائستہ کے پاس چلی گئی تھی۔

علیزہ کے الفاظ نے جیسے افراح کے جسم کو بے جان کر دیا تھا صحیح کہہ رہی تھی علیزہ کہ رہنے کو آسرا ضرور مل جاتا ہے مگر عزت نہیں ملتی اور اسے عزت ملتی بھی تو کس حیثیت سے، جہاں حیثیت تھی وہاں سے بے توقیر ہو کر نکلی تھی یہ تو پھر اس کے لئے بالکل اجنبی وانجان لوگ تھے، کتنی ہی دیر وہ وہیں بیٹھی رہی اسے اپنی زندگی کے بارے میں فیصلہ کرنا تھا ابھی کرنا تھا اور اسی وقت کرنا تھا اللہ کو ابھی پتا نہیں اس کی کتنی آزمائش مقصود تھی وہ اسے آزماتا ہی چلا جا رہا تھا اس نے سرد آہ بھر کر آسمان کی طرف دیکھا۔

''اللہ تو بس یہ دیکھتا ہے کہ میرا بندہ میری آزمائش پر ظرف کی کن وسعتوں پر جا کے کتنا صبر کرتا ہے۔''

رات کو وہ شائستہ سے اجازت لے کر موبائل لے کر اوپر ٹیرس پر چلی آئی گھر کا نمبر ڈائل کرتے ہوئے اس کی انگلیاں کانپ رہی تھیں، بیل جا رہی تھی دوسری ہی بیل پر اسے سلمٰی کی آواز سنائی دی۔

''افراح میری بچی کتنے دن ہو گئے ماں کو بالکل ہی بھول بیٹھی، باپ کی کوئی پرواہ ہی نہیں، بہنوں کی یاد نے دل نہ تڑپایا، اتنی لاپرواہ کیسے ہو گئیں تم اتنے مہینوں بعد فون کر رہی ہو۔'' وہ شکوہ کرنے لگیں۔

''شمس الحق بھائی بتا رہے تھے کہ تم نے کہیں داخلہ لے لیا ہے آگے پڑھ رہی ہوں ٹھیک ہے پڑھائی کی بھی مصروفیت ہوگی یہ کیا کہ ماں باپ کو ہی بھول جاؤ۔''

افراح دم سادھے ان کی باتیں سن رہی تھی

اس کا مطلب انہیں کچھ نہیں پتا انکل نے انہیں کچھ نہیں بتایا۔

''امی میں ٹھیک ہوں بس چند دن بعد آپ کے پاس ہونگی بہت دن ہو گئے آپ لوگوں کی جدائی سہتے سہتے، اب اور دور نہیں رہا جاتا مجھ سے۔'' وہ جیسے سسک پڑی تھی، پھر کتنی ہی دیر وہ اما سے سدرہ اس کے بچوں سے باتیں کرتی رہی اس کے ذہن و دل پر پڑا بوجھ کچھ ہلکا ہوا تھا۔

اگلے دن رات کو وہ کھانے کی ٹیبل پر تھے تو افراح نے ہمت کر کے شائستہ اور معیز سے اپنے جانے کی بات کی تو کچھ دیر کے لئے وہ بھی حیران رہ گئے۔

''یہ تم نے اچانک کیسے فیصلہ کرلیا کسی نے کچھ کہا ہے تم سے۔'' معیز نے اسے جانچتی نظروں سے دیکھا۔

''نہیں معیز بھائی مجھے کسی نے یہاں پر کیا کہنا ہے آپ لوگوں نے جو اعتماد، بھروسہ اور مان دیا مجھے اس کو شاید ہی میں کبھی فراموش کرسکوں۔'' اس کی آنکھیں جھلملا گئیں۔

''امی ابا کی بہت یاد آرہی ہے میں ان کے ساتھ کچھ اچھا نہیں کر رہی، انہیں جب میرے گھر سے جانے کا پتا چلا ہوگا تو وہ کس قدر پریشان ہو رہے ہونگے، میں نے ان سے دور رہ کے بہت غلط فیصلہ کیا میں اپنے ابا کے پاس جانا چاہتی ہوں شوہر نے گھر سے بے دخل کر دیا تو کیا ہوا میکہ تو آباد ہے ناں مجھ پر جان چھڑکنے والے میرے ابا جی مجھے اپنی پناہوں میں لے لیں گے تو زمانے کی ساری دھوپ چھٹ جائے گی۔'' وہ اس فیصلے سے جیسے مطمئن سی ہو گئی تھی۔

''تم نے ٹھیک فیصلہ کیا میری بیٹی، اللہ تمہارے والدین کو سلامت رکھے، ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہو تم، میں تو تمہیں کب سے اپنے گھر والوں سے رابطہ کرنے کے لئے قائل کرتی رہی مگر تمہاری وجہ سے خاموش ہو جاتی یہ مت سمجھنا کہ تم ہم پر بوجھ ہو، میرے دل میں تم بیٹی کی حیثیت سے ہمیشہ آباد رہو گی اور ہمیشہ میری دعاؤں کے حصار میں رہو گی۔'' شائستہ نے اسے اپنے ساتھ لگالیا تو وہ اتنی محبتیں پا کر جیسے اداس سی ہو گئی تھی اور پھر دو دن بعد وہ اپنی ماں کے گھر جانے کے لئے تیار ہو رہی تھی معیز اسے اس کے گھر تک چھوڑ کر آنا چاہتا تھا مگر اس نے سہولت سے انکار کر دیا۔

''اتنی ہمت مجھ میں آگئی ہے کہ تنہا راستوں پر سفر کر سکوں۔'' شائستہ نے اسے ایک بیٹی کی طرح دعائیں دے کر رخصت کیا تھا معیز اسے اسٹیشن پر چھوڑنے آیا تھا اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ نم آنکھوں سے مسکرا دی۔

اس شہر سے وہ محبتیں دان کر کے ذلت و اذیت لے کر لوٹ رہی تھی اور اسی شہر سے وہ اجنبیوں سے محبتیں خزانوں کی صورت جمع کر کے لے جا رہی تھی اس نے الوداعی نظر اس شہر پر ڈالی۔

تمہاری ہی گلی کا واقعہ ہے
میں پہلی بار جب تنہا ہوا تھا
وہ نم آنکھوں سے آگے بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

اس نے اپنی ماں اور ماں جائی سے کچھ نہیں چھپایا تھا سب سچ ان کے سامنے اگل دیا اذیت و درد سہتے سہتے وہ جیسے تھک چلی تھی اس کے دکھ اس کے لئے ناسور بن رہے تھے جن کو برداشت کرنا اس سے مشکل ہو رہا تھا، شمریز کے دیئے ہوئے آزار اسے تڑپا رہے تھے، وہ ماں کے سامنے کرلا رہی تھی۔

''امی آپ نے تو کہا تھا اللہ صابر بندوں کے ساتھ ہے دیکھیں میں نے کتنا صبر کیا ہے شمریز کا ہر ظلم برداشت کیا اس سے کوئی شکوہ نہ کیا اس پر اپنی محبتیں نچھاور کیں بدلے میں اس نے مجھے کیا دیا، ذلت، اذیت، دربدری، کیا عشق میں

ایسی ذلت و اذیت اٹھانی پڑتی ہے کہ دل آبلہ ہو جاتا ہے روح زخمی ہو کر پھڑ کنے لگتی ہے یہ کیسا عشق ہے امی جس نے مجھے گھائل کر دیا ہے مگر مجھے میرے محبوب کی محبت تو کیا اس کا درد بھرا ساتھ بھی نصیب میں نہیں لکھا کیوں کیا شمریز نے میرے ساتھ ایسا اس نے میری محبت کو بے مایہ کیوں کیا، کیوں میری محبت کی قدر نہ جانی۔" وہ چیخ رہی تھی تڑپ رہی تھی، اس کے اندر بھانبھڑ جل رہے تھے شمریز کے لفظوں کے شعلے اسے جھلسا رہے تھے، سدرہ، سلمٰی اور رملہ اس کے دکھ پر ہچکیوں سے رو دیں۔

"میری بیٹی پہاڑ سا غم لے کر در بدر کی خاک چھانتی پھری اور مجھے خبر نہ ہوئی مت روؤ افراح میری بچی غم نہ کر، تیری آزمائش کا دور لمبا ضرور ہے اس میں بھی میرے مولا کی چاہت چھپی ہے اسے تیرا رونا، فریاد کرنا تیرا صبر پسند آ رہا ہے جبھی تو آزمائش کے جنگل میں ابھی تک بھٹک رہی ہے، تو دیکھنا شمریز اپنے کیے پر پچھتائے گا، روئے گا، تڑپے گا، تمہاری محبت کے لئے ترسے گا ایک دن وہ خود چل کر تم سے محبت کی بھیک مانگنے آئے گا۔" سلمٰی نے اسے ساتھ لگا کر تسلی دی، اس کے آنسو پونچھے گالوں پر بوسہ دیا اور اس کے ساتھ ہی بلک بلک رونے لگیں۔

"واہ میرے مولا! بیٹیاں دیتا ہے تو ساتھ میں ماؤں کے دل بھی اتنے وسیع کر دیا کر کہ اس میں بیٹیوں کے دکھ سما جائیں، نہیں برداشت کرتا یہ دل اپنی اولاد کے دکھ، پھٹ جاتا ہے کلیجہ چھلنی ہو جاتا ہے، دل لہولہو ہو جاتا ہے۔" وہ اپنے رب سے فریاد کر رہی تھی، سدرہ اور رملہ کو ان کو سنبھالنا مشکل ہو گیا ان کی حالت کافی بگڑ گئی تھی افراح کو ہی حوصلہ کرنا پڑا اس نے اپنے آنسو پونچھے اپنے دل کو مضبوط کیا اور ماں کو سنبھالنے میں لگ گئی۔

☆☆☆

جہاں پر اس نے چھوڑا تھا

وہیں موجود ہوں

شاید بہت محدود ہوں

میرے کمرے کی اک دیوار پہ

تصویر میں وہ شام کا منظر

تمہاری یاد میں ڈوبا ہی رہتا ہے

ایک ایک کر کے دن گزرتے چلے جا رہے تھے اس کے درد کی شدت کم ہونے کی بجائے بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی چہرے پر زردی سی کھنڈی رہتی دل شام کی طرح بجھا ہی رہتا گزرے وقت کی یادیں اس کے ذہن پر ہتھوڑے کی مانند وار کرتیں اور وہ درد سے بلبلا اٹھتی، مفلس کی پونجی کی طرح اس نے یادوں کو سنت کر رکھا ہوا تھا۔

"کیوں تمہاری یادیں میرا پیچھا نہیں چھوڑتیں شمریز، تم اس دل سے کیوں نہیں رخصت ہو جاتے، کیوں ان آنکھوں میں بس گئے ہو، خدا کے لئے نکل جاؤ میرے دل سے کہ اس دل کو تمہارے در سے اذیت کے سوا ملا ہی کیا ہے کیوں مجھے یاد آتے ہو۔"

پھر اس کی یادیں یوں آئی بدن کے خشک جنگل میں

کہ جیسے گھاس میں کوئی شرارا چھوڑ دیتا ہے

☆☆☆

شمس الحق اور دردانہ، سلمٰی و شاہد حسین کے پاس آئے تھے، ان کو بتانے ان سے معافی مانگنے کہ ان کی بیٹی کو ان کے کم عقل بیٹے نے جہاں کی خاک چھاننے پر مجبور کر دیا ہے اسے گھر سے بے گھر کر دیا ہے اس کا کچھ اتا پتا نہیں وہ اپنے ضمیر کا بوجھ سہتے سہتے تھک چکے تھے، جبھی تو ہلکا کرنے ان کے پاس چلے آئے اور یہ دیکھ کر ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا کہ افراح وہاں موجود تھی، ان دونوں نے شکر کا کلمہ پڑھا، سلمٰی نے انہیں دیکھ کر منہ پھیر لیا۔

"تم لوگ تو میری بیٹی پر فاتحہ پڑھ چکے ہونگے ناں پر میرا رب بڑا کارساز ہے اس نے صحیح سلامت میری بچی کو ہم تک پہنچا دیا اب کی

لینے آئے ہو یہاں، کون سا دکھ کون سا نشتر اس کی رگوں میں اتارنے آئے ہو، تم لوگوں کی بیٹی ہوتی تو بیٹی کا دکھ جانتے ناں۔" وہ تلخی سے بولتی جا رہی تھیں وہ شرمندہ ہو ہو گئے تبھی افراح آگے بڑھی اور ماں کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

"امی انکل آنٹی کا اس میں کیا قصور یہ کون سا وہاں موجود تھے اور اگر یہ موجود ہوتے تو کیا شمریز مجھے وہاں سے نکالنے کی ہمت کر سکتا تھا، یہ سب ان کی غیر موجودگی میں ہوا، آپ ان سے کوئی شکوہ نہ کریں انہوں نے تو ہر پل میرا ساتھ دیا۔" وہ دردانہ کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی تو انہوں نے بھی لپک کر اسے اپنی بانہوں میں لے لیا۔

☆☆☆

تم آؤ اور کسی روز اس کو لے جاؤ
بس اک سانس ہے اور اس پر بھی حق تمہارا ہے

دن رات کے بدلتے قصے، خزاں کا بہار پر غالب آنا۔

دھوپ کا چھاؤں کو مات دینا سب اسی طرح جاری و ساری تھے اگر کچھ بدلا نہیں تھا تو وہ افراح کے دل کا منظر تھا جس کی زرد رنگت میں وقت کی ڈالی روز ایک زرد مرجھایا ہوا پھول رکھ کر چلی جاتی اب تو اسے اپنی سانسیں بھی اذیت دینے لگی تھیں۔

"تم کیا جانو شمریز عشق میں ہارے ہوئے جسم کیسی اذیت برداشت کرتے ہیں ایک عورت اپنے شوہر کی بے وفائی سے مردے کی سی زندگی بسر کرتی ہے تو اس پر کیا گزرتی ہے، آنکھ میں ٹھہرا ہوا ہجر کا پانی کیسی تکلیف دیتا ہے، محبت، ہجر، نفرت، مل چکی ہے، میں تقریباً مکمل ہو چکی ہوں۔" شمریز کی یاد اس کی سانسیں اکھیڑنے لگتی تو وہ بے دم ہو جاتی۔

تم نے دیکھی ہے کبھی
عشق کے مست قلندر کی دھمال

درد کی لے میں پٹختا ہوا سر اور تڑپتا ہوا تن من
پیر پتھر پر بھی پڑ جائیں تو دھول اٹھنے لگے
اور کسی دھیان میں لپٹا ہوا یہ ہجر زدہ جسم
رقص کرتا ہوا گر جائے کہیں
تو زمین درد کی شدت سے تڑپنے لگے جائے

☆☆☆

"افراح تمہارے دکھی دل کی آہوں نے شمریز کو جلا کر راکھ کر دیا ہے وہ ایک اذیت بھری زندگی گزار رہا ہے، ہم تو تمہارے جانے کے بعد ہی اسے چھوڑ کر چلے گئے تھے شرمین نے بھی اسے ایسا ذلیل کیا کہ شمریز کو اس سے جان چھڑانی ہی پڑی سب کچھ ختم ہو گیا قلاش کر گئی وہ اسے، اس کی سزا کا دور تو کب سے شروع ہو چکا ہے ٹانگ میں شدید تکلیف اسے راتوں کو سونے نہیں دیتی ضمیر کا بوجھ اسے بے قرار رکھتا ہے، نوکری ختم ہو گئی تو گھر بھی چھوڑنا پڑا وہ ہمارے پاس قدرت کی سزا کے دن ایسے بسر کر رہا ہے کہ اس کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی، دن رات روتا ہے تڑپتا ہے سجدوں میں گرا رہتا ہے، تم سے معافیاں مانگتا ہے بس تمہارے ساتھ کی چاہ میں زندہ ہے ضمیر کچوکے لگاتا ہے تو درد کی شدت سے بلبلا اٹھتا ہے راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے رب کو راضی کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔"

دردانہ اسے بتاتی جا رہی تھیں اور اس کا دل جیسے آندھیوں کی زد میں آتا جا رہا تھا مگر وہ کیا کر سکتی تھی یہ دکھ یہ اذیت اس نے خود مول لی تھی، اب ان کے درمیان بس ہجر کروٹیں لے رہا تھا، سب کچھ تو اس نے خود ختم کر دیا تھا پھر وہ اب کیسے اپنی عزت نفس کو مجروح کر کے اس کے پاس جاتی، شمریز کے بارے میں سن کر دل کی بے قراری اب اور سوا ہو چکی تھی۔

☆☆☆

سانسیں روکتی گھٹن اور الجھن اسے اپنے حصار میں لئے ہوئی تھی، تاریک راہوں کا مسافر

بن چکا تھا وہ، کبھی راتیں بھی اس کے لئے روشن تھیں اور اب دن کے اجالے بھی اسے تیرگی میں ڈوبے دکھائی دیتے، وہ راتوں کو بے چین ہو کر جاگ جاتا، افراح کی التجائیں اور سسکیاں اس کے کانوں کے پردے پھاڑ دیتیں، انسان کا جب ضمیر جاگ جائے اپنی غلطیوں کا احساس اجاگر ہو جائے تو ہر لمحہ اذیت کے احساس تلے گزرتا ہے اور اسے یہ اذیت اندر سے ختم کر دیتی ہے۔

ناشکری انسان کی سرشت میں شامل ہے جب وہ صحت مند ہوتا ہے تو اسے کبھی طبیب کی یاد نہیں آتی جب انسان کی کشتی بھنور میں پھنس جائے اور کنارہ دکھائی نہ دے تو صرف خدا ہی یاد آتا ہے سو اس نے اپنے خدا کو یاد کرنا اس سے مانگنا شروع کر دیا تھا، وہ راتوں کو سجدوں میں گر جاتا اپنے رب سے ہم کلام ہوتا اس سے اپنے کردہ ناکردہ گناہوں کی معافیاں مانگتا، پیشانیاں رگڑتا، ندامت کے آنسوؤں میں ڈوب جاتا اپنے رب سے دعا کرتا کہ ایک بار اسے اپنی افراح مل جائے تو وہ اس کے قدموں میں گر کر معافی مانگ لے گا اس کے سارے دکھوں کا ازالہ کر دے گا، وہ سجدے میں گڑگڑاتا تو اسے افراح کا ہیولہ کھلکھلاتا نظر آتا۔

''دیکھا شمریز محبتوں کی قدر نہ کرنے کا دکھ کیسے تڑپاتا ہے میں نے کہا تھا ناں کہ جس شرمین کو تم مجھے اپنے سے دور کرنے کے لئے لائے ہو یہی تمہیں میرے قریب لانے کا ذریعہ بنے گی پھر تم میرے لئے رووٴ گے، گڑگڑاؤ گے میری محبت کو میرے قرب کو ترسو گے مگر میں تمہاری دسترس سے دور ہوں گی، دیکھا ناں میرے رب نے تمہارے دل میں میرے لئے محبت کی کیسی چنگاری جلائی ہے جو روز تمہیں جلا کر خاکستر کرتی ہے تم مجھے ایسے ہی مانگتے رہو گے، مانگتے رہو گے شمریز۔'' وہ پھر کھلکھلائی تھی شمریز نے اپنا سر بھینچا۔

''ہاں ہاں تم نے ٹھیک کہا تھا افراح کہ میرے دل میں تمہاری محبت کا دیا روشن ہو کر رہے گا آج میرے دل میں تمہاری چاہت، بھڑکتے شعلے کی شکل اختیار کر چکی ہے اس کی لپٹیں میرے پورے وجود سے لپٹی جا رہی ہیں، خدا کے لئے افراح میرے پاس چلی آؤ مجھ پر رحم کھاؤ مجھے اپنا ساتھ بخش دو، تم کس بدلی کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گئی ہو۔'' وہ رو رہا تھا التجائیں کر رہا تھا مگر بے بس تھا۔

''دیکھو جس ٹانگ نے تمہیں ٹھوکر لگا کر دربدر کیا تھا وہی ٹانگ، مجھ سے تمہارے درد کا انتقام لے رہی ہے کیونکہ میں نے ایک محبت کی پارسا دیوی کو اسی ٹانگ سے اذیت بخشی تھی۔''

اس کی دعاؤں کے سلسلے طویل ہوتے جا رہے تھے۔

''اللہ کے لئے کچھ بھی عطا کرنا مشکل نہیں مگر وہ مانگنے والے کی طلب کو آزماتا ہے، مانگتے رہو وہ ضرور عطا کرے گا۔''

میرے محبوب مجھے اپنی محبت دے دے
اس سے پہلے کہ کہیں بخت نہ ڈھل جائے میرا
پھر کسی رات کے آنگن میں بکھر جاؤں میں
میری آنکھوں میں جو بے طور جلا دے مجھ کو
میرے سینے میں دھڑکتا ہوا دل تھم جائے
میری بانہیں جو اٹھی ہیں وہ نہ شل ہو جائیں
شوق منزل نہ کہیں چھوٹے کناروں کی طرح
ٹوٹ جاؤں نہ کہیں اپنے سہاروں کی طرح
اس سے پہلے کہ کہیں خواب نہ بکھریں میرے
میرے محبوب مجھے اپنی محبت دے دے

☆☆☆

دردانہ بیٹے کو تڑپتا دیکھ کر تڑپ اٹھتیں آسانی سے حاصل ہونے والی چیز کی انسان قدر نہیں کرتا اور پھر وہی چیز جب اس کی دسترس سے دور چلی جاتی ہے تو وہ اسے پانے کے لئے تڑپتا ہے اور جب رو رو کر تڑپ تڑپ کر مانگی جانے والی چیز

حاصل ہو جائے تو اس کی قدر و اہمیت بھی جانتا ہے، سو دردانہ دیکھ رہی تھیں کہ شمریز کا دل افراح کی طلب میں مچل رہا ہے اس کی یادوں کی اونچی فصلیں اسے گھیرے ہوئے ہیں، وقت کے بے رحم تھپیڑوں نے اسے خوب سبق دے دیا ہے تو آخر کار انہوں نے شمریز کو افراح کی موجودگی کا پتا بتا دیا وہ جیسے یہ سن کر جی اٹھا تھا ایسے جیسے کسی پیاسے کو اچانک ہی پانی کا کنواں نصیب ہو جائے کسی بھٹکے مسافر کو اپنی منزل کا پتا مل جائے عمر بھر کے خوابوں کو تعبیر مل جائے اسے اپنی منزل کا پتا معلوم ہو گیا تھا سو اس نے اس تک پہنچنے میں ذرا دیر نہ لگائی اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے رخت سفر باندھ لیا تھا۔

افراح بالکنی میں بیٹھی تھی شام اجالے کو نگلنے کے لئے بے قرار ہو رہی تھی، شام کے چپ چاپ اور سہمے ہوئے غم اس کے ذہن کے کونوں میں سفر کر رہے تھے، کبھی جواہشوں کے گارے اس کے دل میں گھر بناتے اور کبھی ہجر کی ساعت اس کے گھروندے کو توڑ کر دل کی سڑک پر زرد پھولوں کی بارش کرتی گزر جاتی، اچانک ہی موسم نے کروٹ لی تھی ہوا کے جھونکے اس کے بالوں سے اٹھکیلیاں کرنے لگے ڈوبتا دل جیسے سطح آب پر گیا بارش کی کن من شور مچاتی رقص کرتی کسی کے آنے کی نوید سنا رہی تھی اس نے خوشبو کے تیز جھونکے پر پلٹ کر دیکھا بصارت یقین کرنے سے قاصر ہو رہی تھی وہ دشمن دل و جاں اپنے دل میں اتر جانے والے سراپے سمیت اس کے سامنے کھڑا تھا وہ ساکت ہو گئی کہیں میں عالم خواب میں تو نہیں مگر نہیں شمریز کی آواز اسے ہوش کی دنیا میں کھینچ کر لا رہی تھی، وہ اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

''مجھے معاف کر دو افراح میں تمہارا مجرم ہوں، دیکھو پچھتاوؤں کے کوڑے روز میرے جسم کو لہولہان کرتے ہیں، ضمیر کی عدالت میں تمہارا مجرم بن کر اذیتوں کی بھٹی میں روز سلگتا ہوں، شر نے میرے پورے، شریر کو ایسے اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا تھا کہ تمہارے خیر کے ہالۂ پر میں نے تمہیں اپنا دشمن سمجھ لیا، تم نے بالکل ٹھیک کہا تھا افراح، بدنظری ہی بدکرداری کے راستے کی پہلی سیڑھی ہے، ہماری نظر میں بظاہر یہ معمولی سا گناہ ہمیں گناہوں کی دلدل میں دھنساتا چلا جاتا ہے، میری کوئی رات تمہارے بغیر چین سے نہیں کٹی جس پاؤں سے میں نے تمہیں در بدر کیا تھا اس پاؤں کو تمہاری آہوں نے ایسا درد بخشا ہے کہ کسی طبیب کے بس کا علاج نہیں میں جانتا ہوں مجھے تمہارا دل دکھانے کی سزا ملی ہے، خدا کے لئے مجھے میرے گناہوں کی معافی دے دو، تمہارا ایک تبسم ہی میرے اس ناسور کا علاج بن جائے گا، افراح تمہارے روپہلے بدن کی رنگت میں نکھر جانا چاہتا ہوں اپنی زلفیں میرے چہرے پر بکھیر دو تو اذیت کی بھٹی میں جلتے بدن کو قرار آ جائے۔''

وہ سر جھکائے شرمسار کھڑا تھا اس کی معافی کا اس کی محبت کا منتظر تھا اور افراح کا اندر چیخ رہا تھا۔

یہ شخص میرا نہیں
اس نے مجھے ٹھکرایا تھا
میری محبت کو خاکدان کیا تھا
مجھے زمانے کے تھپیڑوں کے حوالے کیا تھا
میرے وجود کی نفی کی تھی
میری پاکیزہ محبت کے مقابل وقتی وسستی محبت کو لا کھڑا کیا تھا

افراح اس سنگدل کو ناکام و نامراد لوٹا کر اپنا انتقام لے لے

شمریز سر جھکائے اس کے لبوں کی جنبش کا منتظر تھا، چاہے تو اس کے دل کو اپنی محبت کے نور سے معمور کر دے چاہے تو اسے مایوس و نامراد لوٹا دے، تاریک راہوں کا مسافر کر دے اس کے دل کے آبگینے کو اسی کی طرح چکنا چور کر دے، وہ

منتظر تھا، افراح کے ساکت وجود میں کوئی جنبش نہ ہوئی وہ نامراد ہو کر لوٹنے لگا تھا۔
دل کے روزن سے کوئی دھیمی آواز سے پکارا تھا۔
''افراح! محبت کی چاہ کرنے والوں کو خالی ہاتھ نہیں لوٹایا کرتے اگر روٹھ کر آنے والا تم سے اپنی محبت کی بھیک مانگے تو سمجھ لو کہ وہ سچ میں تمہاری سچی محبت کا طلبگار ہے تمہارے عشق میں فنا ہو چکا ہے۔''
''رک جاؤ شمریز۔'' وہ اس کی پکار پر یکدم پلٹا تھا۔
''معافی کی توفیق تمہیں میرے رب نے دی اسی نے تمہیں میرے در پر بھیجا ہے جب وہ اپنے بندوں کو مایوس نہیں کرتا تو پھر میں کون ہوتی ہوں تمہیں ناکام و نامراد لوٹانے والی۔'' اس کی بات سن کر شمریز کے دل کا تاریک ویرانہ کسی شاداب چمن کی طرح لہلہا اٹھا، آن کی آن میں نقشہ بدل گیا، یقین کے بجھتے چراغ روشنی دینے لگے۔
''انسان خیر وشر کا مرکب ہے گناہ سرزد ہو جائے تو رحیم و کریم سے معافی مانگو، یہ مت سوچو کہ گناہ بڑا ہے، رب کی قدرت میں سب سے بڑی قدرت معاف کر دینا ہے، اس نے تمہیں تمہارے گناہوں کا احساس بخش دیا تو میں نے بھی تمہیں تمہارے دیئے ہوئے دکھوں کے آزار سے آزاد کر دیا۔''
افراح اس کے سینے سے آ لگی ضبط کے بند ٹوٹ گئے شمریز نے اسے بانہوں میں بھر لیا، اشکوں کی ٹوٹی مالا کو اپنی انگلیوں میں پرونے لگا۔
''میں تمہارے پاس خالی ہاتھ و خالی دامن آیا ہوں میرا دامن قرار کی جھولی سے بھر دو۔''
افراح نے شمریز کا ہاتھ تھام لیا۔
ماضی کی تلخیوں سے ہم آنے والے خوشیوں کے لمحات کو نفرتوں کا ذائقہ چکھنے نہیں دیں گے ہم نئے سرے سے اپنی دنیا بسائیں گے، ایک عورت کی زندگی مسرتوں سے تبھی ہمکنار ہوتی ہے جب وہ محبوب کے دل میں پورے استحقاق سے حکومت کر رہی ہو، محبوب کی محبت عورت کے دل کا تاج ہوتی ہے اگر عورت کا دل یہ تاج پہن لے تو زندگی کا سفر خوشیوں کے ہنڈولے میں جھولتے ہی گزرتا ہے، آج آپ نے یہ تاج پہنا کر میری محبت کو دوام بخش دیا ہے۔'' شمریز اس کی بات سن کر مسکرا اٹھا، ان دونوں پر فرحت و انبساط کے بادل چھا رہے تھے، غم کا سارا بوجھ اتر گیا، صحرا سے نخلستان میں آ گئے۔

وہ آج کھلکھلاتی ہوئی صحیح معنوں میں محبت کا تاج پہنے شمریز کے سنگ رخصت ہو رہی تھی سلمٰی اور شاہد حسین کے دل اس کی خوشی پر مسکرا اٹھے اور اس کی دائمی خوشیوں کے لئے دعا کرنے لگے، شمریز ہولے ہولے اپنی محبت کا اظہار کر رہا تھا۔

تم وجہ محبت ہو
تم حسن کی دولت ہو
ہر رنگ تمہارا ہے تم پھول کی صورت ہو
میں الجھا ہوا سا ہوں
میں ہجر کا مارا ہوں
تم نظم مکمل ہو تم شعر کی لذت ہو
میں کچھ بھی نہیں شاید، تم حد سے زیادہ ہو
اللہ کی قدرت ہو
میں بول نہیں سکتا
تم لفظ کی صورت ہو
تم میری ضرورت ہو

☆☆☆

مجھے اک گھر بنانا ہے

اُم ایمان قاضی

''مجھے لگتا ہے ہمیں جلدی یہ نکاح ڈیکلیئر کرنا ہوگا، مجھ پر گھر میں شادی کے لئے دباؤ بڑھ رہا ہے، ہر روز بہنوں سمیت اماں ایک رشتے کو دیکھنے نکل پڑتی ہیں اور خدانخواستہ اگر کسی جگہ بات بھی شروع کر کے آگئیں تو مسئلہ ہوگا، ابھی تو خیر ہوئی ان کی کوئی رشتہ پسند ہی نہیں آ رہا ہے۔'' وہ تشویش سے بولا۔

''آپ پریشان ہیں؟'' وہ اٹھ کر اس کے قریب آ بیٹھی اور غور سے اسے دیکھا۔

''ہاں پریشانی تو ہے کہ وہاں پر تمہیں ہر قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔''

''میری فکر مت کریں شجاع! اگر آپ میرے ساتھ ہیں تو دنیا کے ہر مسئلے سے نپٹ سکتی ہوں، پھر جو کچھ زندگی میرے ساتھ کرتی آئی ہے، وہ بھی تو کم نہیں تھا، تب بھی آسمان پر بیٹھا وہ خالق میرا سہارا بنا تھا اور ابا کو اور مجھے ہمت دیئے رکھی تھی، اب بھی وہ ساتھ دے گا، میرے لئے آپ کے ساتھ کی خوشی کے آگے سب کچھ ہیچ ہے۔'' وہ ایک عزم سے بولی تھی، شجاع مسکرا دیا تھا۔

☆☆☆

''میں تو کہے دے رہی ہوں اماں! یہ لڑکی مجھے بڑی پسند آئی ہے، دبو سی، شکل بھی کوئی خاص نہیں، غریب لوگ ہیں عمر بھر دبے رہیں گے بیٹی دے کر، تمہارے تمام تقاضوں پر پوری اترتی ہے لڑکی، میرا تو خیال تھا کہ تم ہاں کر کے آؤ گی آج بھی مگر مجال ہے جو تم نے ایک لفظ بھی منہ سے پھوٹا ہو۔'' یہ شکیلہ بیگم کی پہلے نمبر والی بیٹی تھی، وہ تینوں ماں بیٹیاں ابھی ابھی لڑکی والوں کے گھر سے لوٹی تھیں، بڑے والی دونوں شادی شدہ تھیں مگر وہ رخصت ہو کر نہیں گئی تھیں، لڑکے رخصت ہو کر شکیلہ بیگم کے گھر آئے تھے، نجانے اس امر

مکمل ناول

میں شکیلہ بیگم کی کون سی منطق پنہاں تھی مگر اسے بیٹیوں کے رشتے کے لئے اچھی خاصی تگ و دو کرنی پڑی تھی تب ہی اپنا مطلب پورا کر پائی تھی، تیسری اور آخری بٹی تا حال کنواری تھی، جبکہ سب سے بڑا بیٹا شجاع شکیلہ بیگم کے شوہر کی پہلی بیوی سے تھا جو اسے جنم دے کر چل بسی تھی، ننھا شجاع عمر بھر سوتیلی ماں کی غفلتوں اور نفرتوں کا ہی شکار رہا تھا مگر شکیلہ بیگم کی قسمت اچھی تھی کہ وہ ایک فرمابردار اور موذب بیٹا تھا، تین بیٹیوں کے بعد جب شکیلہ بیگم بیٹے کی آس گنوا چکیں تو نجانے کس دل سے شجاع کو اپنا بیٹا تسلیم کیا تھا، اب اس کی شادی خوب چھان پھٹک کر کرنا چاہتی تھیں آخر کو کماؤ پوت تھا، علی بخش کی جائیداد کا وارث، علی بخش صلح جو قسم کے آدمی تھے، عمر بھر بیگم سے ڈرتے گزاری تھی، اب تک راج دھانی بیگم کے ہاتھ میں ہی تھی، جو کمایا، بیگم کے ہاتھ لا کر رکھا، اب ریٹائرمنٹ کے بعد گوشہ نشین ہو گے تھے، کبھی کبھار دوستوں کی طرف نکل جاتے، ورنہ وہ ان کا کمرہ، ان کا ٹی وی، بیٹا اچھا خاصا کما رہا تھا بنک میں اچھی پوسٹ پر تھا، پھر علی بخش نے اچھے وقتوں میں کچھ پراپرٹی خریدی تھی جس کی قیمت اب کروڑوں میں تھی، بات کا سرا وہیں سے جوڑتے ہیں جہاں سے توڑا تھا۔

''تمہاری سب باتیں ٹھیک بجو! مگر جو میری نظر دیکھتی ہے وہ تو ابھی نہیں دیکھ سکتی، باقی سب کچھ ٹھیک تھا مگر جب لڑکی کی بہنوں کا لشکر دیکھا تو کلیجہ تھام لیا میں نے، ارے میرا بچہ تو بیوی کی بہنوں میں ہی پورا ہو کے رہ جائے گا، کسی کا بچہ...... کسی کی شادی تو کسی کی بیماری۔'' شکیلہ بیگم نے داد لینے والے انداز میں دونوں بیٹیوں کو دیکھا تو ماں کی سمجھداری پر عش عش کر کے رہ گئیں، اتنے میں پھولے منہ کے ساتھ نمو اندر داخل ہوئی۔

''سارا دن بیٹھ بیٹھ کر اپنی جسامتوں پر بھی گوشت کا پہاڑ بناتی جا رہی ہو، کبھی اپنے بدتمیز بچوں کو بھی خبر لے لیا کرو، جب تک لائٹ تھی ٹی وی پر بیٹھے رہے خبیث، اب جا کر دیکھو اودھم مچایا ہوا ہے۔''

''دیکھا اماں! بات بات پر سنا دیتی ہے کہ ہم اس کے گھر بیٹھے ہیں، ایک دن وہ بھی غصہ ہو رہے تھے کہ اپنے گھر سے بھی بے عزت ہوا ساس کے گھر آ کر یہاں بھی قدر نہیں ہے۔'' شمو تو باقاعدہ آنسو بھی آنکھوں میں بھر لائی، نمو تو اماں کا جلالی انداز دیکھ کر بوکھلا گئی۔

''ادھر آ کمبخت! آج تو بولے گی کل کو آنے والی کو شہہ ملے گی، تجھے کیا تکلیف ہے، اپنے باپ کے گھر بیٹھی ہیں، شوہروں کا کھاتی ہیں، اس کی ساس تو ویسے موقع کی تلاش میں ہے، ذرا سا بیٹا بدظن ہوا یہاں سے لے اڑے گی پروں میں چھپا کے۔'' شکیلہ بیگم گرجیں۔

''لے ہی جائیں چھپا کے نہ صرف بیٹے کو بلکہ اپنی آل اولاد کو بھی، ہم بھر پائے۔'' دل ہی دل میں نمو نے کہا جو شرارتی بھانجے بھانجی کی شرارتوں سے الگ تنگ تھی اور بہنوں بہنوئیوں کی فرمائشوں سے الگ۔

''افوہ ایسا بھی کیا کہہ دیا میں نے اماں! یہی ناں کہ تھوڑا سا ڈانٹ ڈپٹ بھی دیا کریں بچوں کو، بدتمیزی میں ہر ایک اول نمبر پر ہے، ابا نہیں ڈانٹتے تھے ہمیں اور آپ یاد نہیں شجاع بھائی کو کیسے دھنک پر رکھ دیتیں تھیں، وہ تو کالج جانا شروع ہوئے تب آپ نے ہاتھ کو تکلیف دینا چھوڑ صرف زبانی کلامی یہ کام چلایا۔'' وہ بھی انہی کی اولاد تھی، دوبدو بولی۔

''اچھا اچھا، جا کے ہانڈی روٹی دیکھ لے،

زبان چلوا لو بس قینچی کی طرح کم بخت سے، زرینہ آ گئی ہو گی ساتھ لگا لو اس کو ہم تو کھانا کھا کے آئے، مرد تو کھائیں گے ناں، بجو کو بھی بھیجتی ہوں تھوڑی دیر میں۔'' شکیلہ بیگم نے اولاد کی صاف گوئی پر دل ہی دل میں تو ہزاروں صلواتیں سنا ئیں تاہم زبان سے اتنا کہہ کر اسے ٹال دیا۔

☆☆☆

''کچھ رشتے انسان کے لئے قدرت کی طرف سے کسی نیکی کے صلے میں ودیعت کیے جاتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ تم بھی میرے لئے ایسا ہی ایک تحفہ ہو، محض تین ماہ پہلے ایک بزرگ کی التجاء جو کہ اس کی بیٹی کی عزت اور جان بچانے کے لئے تھی، کے لئے مدد کو تیار ہو جانا، مجھے نہیں لگتا کہ کہ میرے لئے زندگی کی سب سے بڑی خوش قسمتی ہو گی۔'' اس کے ریشمی بالوں میں ہاتھ پھیرتا وہ اس وقت کو دہرا رہا تھا جو اس کے نزدیک اس کی خوش بختی کی نوید لے کر آیا تھا، اپنے ابا کے ذکر پر وہ بھی آبدیدہ ہو گئی جو اس کی شادی کے انتظار میں ہی تھے گویا نکاح کے ایک ماہ بعد ہارٹ اٹیک کے باعث راہ عدم کو سدھار گئے تھے۔

''بہت کڑا وقت تھا وہ شجاع! کرایہ داروں کے اوباش بیٹے نے ہماری زندگی اجیرن کر دی تھی، ابا دن میں کئی بار بنک سے کال کر کے میری خیریت دریافت کرتے، ہزار تاکید کہ اندر ہی رہوں، کسی کے کہنے پر بھی دروازہ مت کھولوں اور جس دن اس خبیث نے آ کر دھمکی دی کہ وہ اگلے روز چار بجے نکاح خواں اور گواہوں کے ساتھ آئے گا، اگر ابا نے ہاں نہ کی تو وہ کچھ بھی کر سکتا ہے، ہم باپ بیٹی ساری رات سو نہ پائے تھے۔'' گزرتے وقت کی وہ ساری اذیت اس پل اس کے لہجے میں در آئی تھی۔

''پھر ابا نے نجانے کیا سوچ کر آپ سے میرا عقد کرنے کی درخواست کی شاید آپ کی شرافت اور کردار کو ان کی جہاندیدہ نظروں نے بہت پہلے بھانپ لیا تھا اور آپ فرشتہ بن کر ہماری زندگیوں میں چلے آئے۔''

''اچھا یہ بتاؤ کہ سامان پیک کر لیا تم نے اپنا؟'' اس کو اس سوگوار موڈ سے نکالنے کے لئے اس نے اس کا دھیان بٹانا چاہا۔

''بس ضروری ضروری اپنے ذاتی استعمال کی چیزیں رکھ لو، فرنیچر تو گھر کا ابھی میں نے اماں کی خواہش پر چھ ماہ پہلے ہی تبدیل کروایا ہے، باقی چھوٹی چھوٹی چیزیں تو آتی ہی رہیں گی، میں بس ایک آدھ دن میں ہی تمہیں لے جاؤں گا، جانے سے پہلے خالہ بی کا شکریہ ضرور ادا کرنے چلیں گے جو انکل کی وفات کے بعد سے مسلسل یہاں آ کر رات کو سو رہی ہیں، ورنہ شاید میرے اور تمہارے لئے بہت مشکل ہو جاتی۔''

''ٹھیک کہا آپ نے اچھائیاں صرف خون کے رشتوں کی مرہون منت نہیں ہوتیں، دنیا میں اچھے لوگ ہیں تبھی یہ دنیا قائم و دائم ہے۔'' طویل سانس لے کر وہ بولی۔

''اس گھر کا کیا کریں؟'' کچھ توقف کے بعد قدر نے شجاع سے پوچھا۔

''تمہارا گھر ہے میری جان جو چاہو گی وہی ہو گا۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''یہاں میری زندگی کے بہترین دن گزرے ہیں، یہاں میری اماں بیاہ کر آئیں، یہاں میں پیدا ہوئی، یہیں سے اماں، ابا رخصت ہوئے، اسے میں ایسے ہی رہنا دینا چاہتی ہوں شجاع۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''ٹھیک ہے...... خالہ بی سے کہیں گے کہ کبھی کبھار صفائی کروا دیا کریں گی، جب بھی ہم

نے آنا ہوگا۔'' وہ اس کی کسی بات کی تردید کر ہی نہیں سکتا تھا، قدرا سے اب کچھ ہنستے کچھ سوتے اپنے بچپن کے قصے سنا رہی تھی اور وہ جی جان سے اس کی طرف متوجہ تھا۔

☆☆☆

''تو جھوٹ بول رہا ہے ناں شجاع! مذاق کر رہا ہے ناں؟'' کافی دیر بعد شکیلہ بیگم کے منہ سے گھٹی گھٹی آواز میں نکلا تھا، بہنیں الگ منہ میں انگلیاں دیئے حق دق بیٹھی تھیں، جبکہ سب سے چھوٹی نمو جو بے ساختہ خوشی کا اظہار کرنا چاہتی تھی، ماں بہنوں کے ردعمل کو دیکھ کر چپ ہو رہی، شجاع کو اپنے گھر کے ماحول کا اندازہ تھا اور ماں بہنوں کی فطرت سے کسی حد تک آگاہ بھی اس لئے قدر کو اچانک لا کر اس کے لئے مشکلات پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا، سو صبح ناشتے کے بعد جب اس کے بہنوئی کام پر اور ابا کمرے میں چلے گئے تو اماں اور تینوں بہنوں کو موجود دیکھ کر مختصراً قدر کے والد کی مجبوری اور کن حالات میں ان کی شادی ہوئی سب کچھ بتا دیا، اس کے بعد شکیلہ بیگم کو تو سکتہ طاری ہو گیا، ان کے سارے منصوبے جو شجاع کی بیوی پر حکومت کرنے کے تھے، چوپٹ ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔

''نہیں اماں! آپ کو پتہ ہے میں مذاق میں بھی جھوٹ بولنا پسند نہیں کرتا، یہ تو پھر میری زندگی سے جڑی ایک بہت بڑی حقیقت ہے، میں ایک آدھ دن میں آپ کی بہو کو لے کر آنے والا ہوں، امید ہے کہ آپ اس کو خوشدلی سے قبول کریں گی۔''

''آج تو نے ثابت کر دیا ناں شجاع کہ میں لاکھ کوشش کروں کبھی بھی تیری سگی ماں نہیں بن سکتی، تمہارے لئے سوتیلی تھی، سوتیلی ہی رہی، ہائے کیا کیا ارمان تھے، اکلوتے بچے کے سر پر سہرا سجاؤں گی، ایسی دلہن لاؤں، یہ کروں گی، وہ کروں گی۔'' شکیلہ بیگم کے واویلے پر وہ گھبرا کر ان کے قدموں میں آن بیٹھا۔

''خدا گواہ ہے اماں! میں نے آپ کو اپنی ماں ہی سمجھا ہے اور آپ ہی میری ماں ہیں، میں یہ رشتہ جو بے شک مجبوری میں ہی جوڑا گیا ہے، اس میں بھی خدا اور اس کے رسول کو گواہ بنا کر میں نے زندگی کا ساتھی بنایا ہے، اس کے حقوق بھی تو واجب ہو گئے ہیں، اب مجھ پر نکاح بے حد سادگی میں ہوا تھا پھر اچانک انکل کی بیماری اور موت نے سنبھلنے ہی نہیں دیا تھا، اب آپ کی بہو آ جائے تو جی بھر کر اپنے ارمان پورے کر لیجئے گا۔'' اس نے لجاجت سے کہا۔

شکیلہ بیگم جو اس ڈرامے کو مزید طویل کرنے کا ارادہ رکھتیں تھیں بڑی بیٹی کے اشارہ کرتے ہی ڈھیلی پڑ گئیں۔

''ارے میرے بھولے بچے! تمہیں کیا پتہ یہ دنیا کیسے چلتر لوگوں سے بھری پڑی ہے، اکیلا، شریف لڑکا دیکھا نہیں اور پھانسنے کے لئے زور لگایا نہیں، پتہ نہیں کیسی لڑکی ہے؟ کیسے مزاج کی ہے؟ تم کھاؤ میرے سر کی قسم کہ بیوی کی باتوں میں آ کر ماں، بہنوں کو کونے سے نہ لگا دو گے، یہ گھر ویسے ہی چلے گا جیسے پہلے چلتا رہا ہے، پہلے ہی دن سمجھا دو گے کہ جیسا میں کہوں گی ویسا ہی کرے گی، ورنہ پھر اس گھر میں اس کی کوئی جگہ نہ ہوگی۔''

''ارے اماں! بے فکر رہیں، اول تو وہ ایسی ہے ہی نہیں، بہت شریف خاندان کی سلجھی ہوئی لڑکی ہے، مزید میں اسے سمجھا دوں گا، آپ بے فکر رہیں اور یہ ابا کہاں ہیں، میں ان کو بتا دوں ذرا، پھر آفس کے لئے نکلتا ہوں۔'' ایک بڑا معرکہ سر ہوتے ہی وہ وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''دیکھ لیا دیر کا نتیجہ، میں تو اسی لڑکی پر راضی تھی جسے تم لوگوں نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا تھا کہ خوبصورت بہت ہے تو شوہر پر حسن کا جادو چلا کر اسے اپنا بنا لے گی، مگر تم لوگوں کو دوسرا سال ہے بس لڑکیوں کے گھروں سے مفت کی دعوتیں کھانے کی ایسی لت لگی کہ ایک کے بعد ایک لڑکی ریجیکٹ کر لی گئی، اب بھگتنا۔'' نمو نے ہمیشہ کی طرح جلتی پر تیل چھڑکا۔

''تو کم بخت! جب بھی بکنا واہی تباہی بکنا، ہم کیوں بھگتیں بھگتے گی وہی جس نے میرے معصوم بچے پر قابو پا لیا تو سمجھ لیا کہ اس کے گھر والے ایسے ہی کاٹھ کے الو ہوں گے، ایک بات تو اچھی ہو گئی کہ شادی کا خرچا بچ گیا اور لڑکی کی پوچھ پگھ کرنے والا آگے پیچھے کوئی نہیں باقی میں خود سنبھال لوں گی، یہ شکیلہ بیگم کی راجدھانی ہے جہاں جو رہے گا اس کے اصولوں کے مطابق ورنہ ٹھڈے مار کے نکلواؤں گی۔'' شکیلہ بیگم کچھ دیر پہلے کا رونا دھونا بھول کر اب آنے والی کے پر کیسے کاٹنے ہیں، کے منصوبے بنانے میں لگ گئیں۔

☆☆☆

''میں جانتا ہوں قدر! کہ اماں مان تو گئی ہیں مگر ان کو جلدی معاف کرنے کی عادت نہیں ہے، گھر کے سارے حالات تم سے بیان کر چکا ہوں، ہو سکتا ہے کہ شروع شروع میں تمہیں کچھ سخت قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑے مگر یقین کرو کہ میں تمہیں پوری ذمہ داری سے اپنا بنا کے لے جا رہا ہوں تو مرتے دم تک ساتھ نبھانے کا عہد بھی کرتا ہوں۔'' قدر نے جلدی سے اس کے لبوں پر اپنا مرمریں ہاتھ رکھا۔

''میاں بیوی کے رشتے میں محبت اور ہم آہنگی ہو تو اس جیسا مضبوط رشتہ ہی کوئی نہیں شجاع، آپ نے بتایا کہ کچھ بگاڑ بھی ہیں آپ کے گھر کے ماحول میں تو مکمل تو کوئی گھر بھی نہیں ہوتا ناں، میں آپ کے گھر کے ماحول کو خوشگوار بنانے کی پوری کوشش کروں گی، نئے گھر کی بنیاد میں تو عورت کو بہت کچھ سہنا پڑتا ہے، آپ ساتھ ہیں تو میں ہر تلخ رویے کو ہنس کر سہہ جاؤں گی پھر ابا کہا کرتے تھے کہ زندگی کے ہر تلخ رویے کو محبت سے رفع کرو، یہ ہتھیار اگرچہ کند ضرور ہے، مگر جب اس کی دھار اثر کرتی ہے تو ساری تلخی اور کرواہٹ کو اپنی شیرینی میں ڈبو دیتی ہے۔'' اس کی باتیں سن کر شجاع نے ایک بار پھر اپنی قسمت پر ناز کیا تھا جسے ایسی سمجھدار، خوبصورت اور سلجھی ہوئی سوچوں والی لڑکی کا زندگی کا ساتھی بنا دیا گیا تھا۔

☆☆☆

گھر میں اس کا پر جوش استقبال صرف علی بخش اور نمو نے کیا تھا شکیلہ بیگم نے لٹھ مار انداز میں اس کے سلام کا جواب دیا تھا جب بڑی دونوں نندیں بھی تنقیدی نظروں سے اس کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔

''واہ ماموں! مامی تو بہت خوبصورت ہے، کہاں پر چکر چلایا؟'' نمو کے تیرہ سال کے بیٹے نے شجاع کو آنکھ مار کر اور لوفرانہ انداز میں کہا، قدر کا منہ بچے کی بے شرمی پر کھلا رہ گیا، جب کہ اس کی ماں اور خالہ اس کو ڈانٹنے کی بجائے ہنس پڑی تھیں۔

''بری بات سنی! بڑی ہیں مامی آپ سے، بڑوں کے بارے میں ایسے بات نہیں کرتے۔'' شجاع خواہ مخواہ شرمندہ ہو گیا۔

''نمو! بھابھی کو کمرے تک لے جاؤ شاباش!'' اس نے ایک طرف پر شوق نظروں سے قدر کو دیکھتی نمرہ عرف نمو کو پکار کر کہا تو وہ

قدر کا ہاتھ پکڑ کر اسے شجاع کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''کامران میں دیکھ رہا ہوں تم دن بدن شریر ہوتے جا رہے ہو، ہر وقت یا ٹی وی یا کھیل، کبھی پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا تمہیں اور بات کرنے کی تمیز بھی نہیں رہی۔'' شجاع نے اسے پنکی کے کان میں سرگوشیاں کرتے اور پھر دونوں کو اپنی طرف ہنستے دیکھ کر کہا۔

''اے ہے، سچ ہی تو کہا بچے نے، ڈراموں میں دیکھتا تھا پہلے یہ عشق معشوقی کے چکر، اب گھر میں دیکھے گا تو سوال تو کرے ہی گا، نہ بڑے ایسے کام کریں نہ ان سے پھر جواب دینا مشکل ہو۔'' بڑی آپا کی بات پر شجاع خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا، ساری زندگی شکیلہ بیگم بیٹیوں کو غلط باتوں اور کاموں پر شہہ دیتی آئی تھیں، اب وہ ہم کام ان کی بیٹیاں اپنی اولاد کے ساتھ کر رہی تھیں۔

''اے شجاع! تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ عمران نے تمہارے اکاؤنٹ میں لاکھ روپیہ ڈلوایا ہے۔'' بڑی آپا کے سوال پر شجاع بوکھلا گیا کیونکہ اس کے بہنوئی نے اپنی بیوی کی فطرت کو جانتے ہوئے بڑی راز داری سے دوبئی سے یہ پیسے اس کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروائے تھے اور خاص تاکید کی تھی کہ بغیر اپنی بہن کو خبر کیئے یہ پیسے ان کی والدہ تک پہنچا دے کیونکہ کچھ دنوں میں بڑی آپا کی چھوٹی نند کی شادی متوقع تھی اور وہ ان کے خاوند نے اپنی بہن کی شادی کے خرچ کے سلسلے میں بھیجے تھے۔

''وہ آپا! آپ کو کس نے بتایا؟'' اس نے خاصا سوچ کر رک رک کر کہا ساتھ ہی ذہن کے گھوڑے دوڑائے کہ یہ خبر ان تک کیسے پہنچی اور خبر کے اسباب و مقاصد بھی پہنچے ہیں یا ابھی بھی راہ فرار ممکن ہے۔

''اس کا مطلب ہے کہ ضرور ماں نے کوئی پٹی پڑھائی ہوگی، کسی نئے خرچ کا رونا رویا ہوگا، کبھی تو مجھے بتائے اور مجھ سے پوچھے بغیر اتنی بڑی رقم بھجوا دی اور میں نے ابھی پچھلے دنوں کہاں کہ سونے کے کڑے بنوا دیں تو کہا کہ ابھی گنجائش نہیں ہے، ارے کیسے نکلے گنجائش بیوی اور بچوں کے لئے جب تک یہ جونکیں جان کی چمٹی ہیں۔''

ان کے واویلے پر شجاع جی بھر کر بدمزہ ہوا، اندر اکیلی بیٹھی قدر کا بھی خیال تھا کہ کیا سوچے گی اور یہاں آپا نے نیا فضیحتہ ڈال دیا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے آپا! بھائی نے اپنے کسی دوست سے کچھ رقم ادھار لی تھی وہ صاحب میرے بھی جاننے والے ہیں، سو رقم کا بندوبست ہوتے ہی میرے ذریعے واپس کرا دی، اب پہلے قرض چکاتے یا آپ کو زیورات بنوا دیتے۔''

''تم سچ کہہ رہے ہو ناں شجاع! گھر ماں، بہن کو تو نہیں بھیجی ناں رقم؟'' شجاع کے رسان سے سمجھانے پر بھی ابھی شک پوری طرح رفع نہیں ہوا تھا ان کا شجاع نے بڑی مشکل سے ٹالا تھا ان کو پھر ایک طرف ناراض بیٹھی شکیلہ بیگم کی طرف متوجہ ہوا۔

''اماں! قدر بہت اچھی ہے، اسے پیار دیں گی تو آپ کو عزت دے گی اور اس گھر کو بھی اپنا گھر سمجھے گی، یتیم ہے اور اللہ کے بعد میں ہی دنیا میں اس کا واحد سہارا ہوں، میں نے اسے بھی سمجھا دیا ہے کہ اب یہی اس کا گھر ہے اور آپ ہی اس کی ماں ہیں۔'' شجاع کے لجاجت سے بولنے پر شکیلہ بیگم منہ ہی منہ میں کچھ بدبدا کر رہ گئیں۔

''آپا! کچھ اچھا سا کھانے وغیرہ کا

بندوبست کر لیجئے۔'' اب وہ بڑی بہن کی طرف رخ کیا جس کے کم و بیش شکیلہ بیگم جیسے ہی تاثرات تھے، تاہم کچھ بولنے سے گریز کیا تھا، شجاع اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب آ گیا جہاں باقی گھر والوں کے برعکس نمو اور قدر بے تکلف سہیلیوں کی طرح باتوں میں مصروف تھیں، کسی ایک فرد کا ہی سہی، قدر کے ساتھ نارمل رویہ اس کے سر سے منوں بوجھ ہٹا گیا۔

حسب معمول دوپہر کو بھی کچن میں نمو ہی لگی رہی تھی، بڑی دونوں نے کچن میں جھانکنے کی زحمت نہیں کی تھی، ابا قدر سے مل کر بہت خوش ہوئے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا دی اور دو ہزار روپے سلامی کے طور پر بھی دیئے تھے، محبت کا یہ انداز شکیلہ بیگم کو ہضم نہیں ہوا تھا سو ہنکارا بھر کر رہ گئیں، دل ہی دل میں بہو بیگم کو خوب دبانے کا پکا ارادہ کر لیا جس کے پروگرام وہ پہلے ہی بیٹیوں کے ساتھ طے کر چکی تھیں اور اس حکمت عملی کا آغاز انہیں کل سے ہی کرنا تھا مبادا وہ معصوم اور خوبصورت لڑکی اپنے حسن کا جادو چلا کر شجاع کو اپنے بس میں کر لیتی اس سے پہلے ہی، نہیں جانتی تھیں کہ حسن اخلاق زندگی کو خوبصورت بنانے کی وہ واحد کنجی ہے جو کسی بھی رشتے میں بندھے انسان کو سب سے پہلے اسیر کر لیتی ہے اور وہ لڑکی شجاع کو اپنا اسیر کر چکی تھی۔

☆☆☆

ناشتہ اگلے دن ریڈی میڈ آیا تھا کہ نمو کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی، سو وقت پر ناشتہ نہ ملنے کے سبب شجاع بھاگ کر بازار سے پوریاں اور چنے لے آیا، نمو آپا نے چائے بنانے کا احسان عظیم کیا، جب تک میز پر ناشتہ لگا نمو بھی چھینکیں مارتی، سرخ ناک کے ساتھ سب کو ٹیبل پر لا چکی تھی، شجاع نے اسے اپنی بھابھی کو بلا کر لے آنے کو کہا اور خود جلدی سے فلاسک میں سے اپنے لئے کپ میں چائے نکالی کہ آفس سے لیٹ ہو چکا تھا جب اس نے نمو کے ساتھ اندر داخل ہوئی قدر کو آتے اور پھر دروازے کے پاس ٹھٹک کر رکتے دیکھا، پھر وہ فوراً ہی پلٹ کر واپس چلی گئی، شجاع نے لاشعوری طور پر کپ واپس ٹیبل پر رکھا، نمو بھی قدر کے پیچھے ہی چلی گئی تھی۔

''وہ..... بھابھی کہہ رہی ہیں۔'' اس نے رک رک کر کہا اور سب کے تاثرات دیکھے، پھر سب کی سوالیہ نظریں خود پر گڑی دیکھ کر جلدی سے بات مکمل کی۔

''بھابھی کہہ رہی ہیں، وہ چونکہ شرعی پردہ کرتی ہیں اور یہاں حسن بھائی بھی موجود ہیں تو وہ اندر ہی ناشتہ کر لیں گی۔'' شکیلہ بیگم کا منہ بہو بیگم کی اس جسارت پر کھلا رہ گیا، حسن بھائی پہلو بدل کر رہ گئے جبکہ ان کی بیگم ابھی تک اس جملے کے زیر اثر بس دروازے کو گھورے جا رہی تھیں جہاں سے قدر واپس گئی تھی۔

''نمو خالہ! شرعی پردہ کیا ہوتا ہے؟ اور بابا سے کیوں کیا جاتا ہے؟ نانو اور ماموں سے کیوں نہیں؟'' ناشتہ روک کر معصوم انداز میں پوچھتی پنکی کا سوال سن کر چھوٹی آپا ہوش میں آئی۔

''دیکھ لیا اماں اور شجاع! ابھی آئے اسے ایک دن بھی نہیں ہوا کہ نندیں کھٹکنے لگیں، اکیلا لڑکا سمجھ کے پھانس لیا ہمارا بھائی اور ابھی کہ بس کر لی دنیا فتح، ارے اپنے باپ کے گھر بیٹھے ہیں، اس کے باپ کے تھوڑی، جو اعتراض کرنے والی آ گئی ہے، اٹھائے اپنا بوریا بستر اور دفع ہو جائے یہاں سے۔'' چھوٹی آپا کے غصے کے مارے نتھنے پھولنے، پچکنے لگے۔

''اُفوہ آپا! بات کو بڑھائیں مت، اس نے آپ سے کچھ بھی نہیں کہا، زندگی گزارنے کے

لئے ہر انسان کی کچھ ترجیحات ہوتی ہیں اور اس نے انہی میں سے ایک کو بیان کیا ہے، وہ میرے حوالے سے اس گھر میں آئی ہے، آپ میری بہن ہیں اور وہ بیوی ہے، آپ مہربانی کر کے میرے حوالے سے اسے دیکھیں اور مقام دیں، بات بات پر بوریا اٹھانے کی بات مت کیا کریں، جاؤ نمرہ! اپنی بھابھی کو ناشتہ دے کر آؤ۔'' شجاع کرسی دھکیل کر اٹھتا ہوا بولا۔

''ہونہہ بھابھی کو ناشتہ دے کر آؤ، اتنا مت سر چڑھاؤ میاں کہ سر پر ہی ناچنے لگے، اب بتاؤ بھلا سارا دن وہ برقع کر کے پھرے گی کیا، آخر کو کام کاج سو بکھیڑے ہوتے ہیں گھر کے اسی نے سنبھالنا ہے سب کچھ، اپنے داماد کو ہم کچھ کہیں گے یا میری بیٹی یہاں سے چلی جائے گی تو یہ اس کی بھول ہے، تم تو دو دن میں ہی ماں بہنوں کو بھول گئے۔'' شکیلہ بیگم تڑخ کر بولیں، شجاع جو اپنے بیگ میں سے ایک فائل نکال کر ورق گردانی کر رہا تھا، فائل واپس رکھ کر زپ بند کی اور ماں کی طرف آیا۔

''اماں! وہ شرعی پردہ کرتی ہے، میں کیسے اس کے اور اللہ کے درمیان آ سکتا ہوں، برقع پہنے یا حجاب اگر ترجیح اس کی ہے تو راستہ بھی خود نکالے گی، آپ اس کی فکر مت کریں کہ وہ پردے کو ڈھال بنا کر گھر کے کام کاج سے جی چرائے گی، میرے لئے آپ کی اور میری بہن بہنوئی کی ویسے ہی عزت ہے جیسے پہلے تھی، ناشتہ کریں آپ لوگ، نکلتا ہوں اب...... خدا حافظ۔''

''امی آپ پلیز میری وجہ سے کچھ مت کہیں بھابھی کو، وہ ایک الگ ماحول سے آئی ہیں اور جب ایک انسان دوسرے ماحول سے آتا ہے تو دوسری جگہ کے اصول اپنانے اور اپنے آپ کو ان کے مطابق ڈھلنے میں تھوڑا وقت درکار ہوتا ہے، اٹھو بچو سکول سے دیر ہو جائے گی حسن بھائی جن کی وجہ سے یہ سارا مسئلہ کھڑا ہوا تھا، اپنی ساس اور بیوی کو غصے میں دیکھ کر رسان سے بولے ویسے بھی وہ ایک صلح جو آدمی تھے۔'' بچوں کو لے کر وہ تو چلے گئے، تاہم شکیلہ بیگم اور ان کی بیٹیاں بہت دیر تک قدر کے خلاف بولتی رہی تھیں۔

''بھابھی! آپا تھوڑی سی زبان کی کڑوی ہے مگر حسن بھائی تو بہت اچھے ہیں، بھلے مانس، گھر میں اپنے کام کی وجہ سے بہت کم رہتے ہیں، اگر ہوں بھی تو پتہ ہی نہیں چلتا کہ گھر میں ہیں یا نہیں، صرف ناشتے کے وقت ہی نظر آتے ہیں، آپ......'' وہ کہتے کہتے تھوڑا رکی۔

''آپ وہیں کر لیتیں سب کے ساتھ ہی ناشتہ۔'' نمرہ کو اپنی بھابھی بہت پسند آئی تھی، کچھ قدر نے ہی اس قدر پیار سے بات کی تھی نمرہ سے کہ وہ تو کل سے گرویدہ ہی ہو گئی تھی اس کی تاہم صبح ناشتہ سب کے ساتھ نہ کرنے کا اتنا برا نہیں لگا تھا جتنی اس کی وجہ اسے چبھی تھی، تبھی جیسے ہی قدر ناشتا کر کے فارغ ہوئی نمرہ نے اس سے پوچھ لیا، اس کی توقع کے برخلاف قدر اس کی بات سن کر مسکرا دی تھی۔

''مجھے اچھا لگا نمرہ کہ تم نے جو بات محسوس کی وہ مجھے بتا بھی دی بجائے دل میں رکھنے کے، کیونکہ تعلقات کی خرابی کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے دل میں جب کدورتیں پنپتی ہیں اور ایسا تب ہوتا ہے جب دوسرے کو بتائے یا سمجھے بغیر بات دل میں رکھ لی جائے۔''

''مجھے تمہارے بھائی (بہنوئی) بہن سے با خدا کوئی پرخاش نہیں ہے، لیکن جو بات قرآن میں صاف اور اٹل ہے اسے تم، میں یا کوئی اور اپنی پسند کے خیالات یا عمل میں کیسے تبدیل کر سکتا

ہے، تم نے نوٹ نہیں کیا کہ کل جب میں ابا سے ملی تب بھی میں نے چادر اوڑھ رکھی تھی، شرع میں نہ تو شرم کرنی چاہیے نہ لحاظ، اسی میں ہماری بھلائی ہے، اسی میں فلاح اسی میں بقا، تم نے دیکھا کہ ہم دن بدن بحیثیت قوم اور معاشرہ تنزلی اور ذلت کی طرف جارہے ہیں اس کی وجہ بھی تو خدائی احکامات سے روگردانی ہے، افسوس کہ ہم گھروں میں استعمال ہونے والے اشیاء کی حفاظت تو کرتے ہیں انہیں صاف کرکے، ڈھانپ کر رکھتے ہیں کیڑے مکوڑوں سے محفوظ رکھنے کے لئے، مگر اپنی اولاد کے لئے ویسی سوچ نہیں رکھتے، ہمارے پاس ٹائم ہی نہیں دیکھنے کا کہ ہمارا بچہ موبائل پر کیا دیکھ رہا ہے، ٹی وی کی فضولیات سے اس کے دماغ پر کیسے غلط خیالات واضح ہورہے ہیں، بچیوں کو بغیر دوپٹے گھر سے باہر بھیج کر ماں اگر اس وقت مطمئن ہوتی ہے تو میرے خیال میں اسے اس وقت بھی واویلا نہیں کرنا چاہیے جب اس کے ساتھ کچھ برا بھلا ہو جائے۔'' جذباتی ہوتے ہوئے اس نے نمرہ کا ہونق چہرہ دیکھا تو بے ساختہ اس کی طویل سانس نکل گئی۔

''سوری نمرہ! میں کچھ زیادہ بول گئی، بس مختصراً بتادوں کہ میرے لئے میرے تخلیق کرنے والے کا حکم سب سے زیادہ اہم ہے، اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ کالج نہیں جاتیں تم، کہاں تک تعلیم حاصل کی۔'' تنفس کو بحال کرتے اس نے ہلکے پھلکے انداز سے نمرہ سے پوچھا، شجاع کے بھانجا اور بھانجی سے جتنی اس کی اس ایک دن میں بات چیت ہو پائی تھی اسی سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ ماؤں نے بچوں کی تربیت جیسے کٹھن کام سے جی چرا کر اپنی یہ ذمہ داری ٹی وی کو سونپ دی تھی، ان بچوں کے منہ سے ادا ہونے والے الفاظ تک میں غیر ملکی انداز و تلفظ چھایا ہوا تھا، پھر جس طرح کے انہوں نے اس سے سوالات کیے تھے وہ شرم سے پانی پانی ہوگئی تھی اسی طرح نمرہ بھی کسی حد تک ایک تخیلانہ خیالات کی حامل لڑکی تھی جس کی منگنی رشتے کے کسی کزن سے دونوں کی پسند کا شاخسانہ تھی، کیبل کے اثرات اس پر بھی خاطر خواہ نظر آرہے تھے، اب وہ اسے یہی بتارہی تھی کہ ایف اے کے بعد اس نے تعلیم کو خیر باد کہہ دیا تھا اور شادی کے انتظار میں تھی۔

''کیا رکھا ہے بھابھی پڑھائی میں، وہ تو شجاع بھائی نے زبردستی کالج میں داخلہ کروادیا تھا میرا تو دل ہی نہیں لگتا تھا، یہ موٹی موٹی کتابیں جن کو دیکھ کر ہی دماغ الٹ جاتا تھا میرا، پھر جتنا بھی پڑھ لو ہونی تو شادی ہی ہے، خواہ مخواہ کی دردسری کا فائدہ۔'' وہ اپنے نادر خیالات بڑی بے تکلفی سے بیان کررہی تھی، قدر گہری سانس لے کررہ گئی۔

☆☆☆

شکیلہ بیگم نے صرف تین دن ہی مارے باندھے برداشت کیا تھا، اس کے بعد انہوں نے نمرہ کو سختی سے کسی کام سے منع کردیا تھا اور رات کو ہی شجاع کو بلا کر کہہ دیا تھا کہ اپنی بیوی کو کہے کہ بہت ہوگیا آرام اب گھر کو سنبھالے کیونکہ یہ سب اب اس کی ذمہ داری ہے، اس کو کیا اعتراض ہوتا، نرم الفاظ میں قدر کو سمجھا دیا تھا کہ چونکہ اس نے اماں اور بہنوں کی پسند سے شادی نہیں کی تو ہوسکتا ہے اسے ان کا ویسے تعاون نہ مل سکے جیسے ملنا چاہیے مگر وہ تسلی رکھے کہ وہ اس کے ساتھ ہے، قدر نے مسکرا کر اسے تسلی دی تھی کہ وہ پریشان نہ ہو وہ سب سنبھال لے گی، اگلے دن وہ نماز ادا کرنے کے ساتھ ہی کچن کی طرف آگئی ساتھ

میں شجاع کو ایک بار پھر نماز کے لئے آواز دی تھی کہ جماعت تو نکل چکی ہو گی، اب گھر پر ہی نماز پڑھ لے مگر وہ ہوں کر کے دوبارہ سو گیا تھا، گھر میں پانچواں دن تھا اس کا، سو اندازہ ہو چلا تھا کہ سوائے ابا کے گھر میں کسی کو نماز پڑھنے کی عادت ہی نہ تھی، رات کو بھی رات گئے ٹی وی کی آواز گھر میں گونجتی رہتی، نتیجتاً دونوں بچوں کو مائیں سکول کے ٹائم پر بچوں کو جھنجھوڑ کر جگاتی چیختی نظر آتیں، صفائی، جھاڑو، کپڑوں کے لئے ملازمہ آتی جبکہ کچن کلی طور پر نمرہ کے سپرد تھا جو آج کچن میں قدم دھرنے کے بعد سے اسے اندازہ ہوا، سو اب یہ ذمہ داری مکمل اسی کے سر ڈال دی گئی ہے کیونکہ نمرہ سمیت کوئی بھی کچن میں نظر نہیں آ رہا تھا، سنک میں جھوٹے برتنوں کے ڈھیر سے نبرد آزما ہونے سے پہلے اس نے آٹا گوندھ کر فریج میں رکھا، ساتھ چائے کا پانی رکھ دیا تھا، ابا کے کھنکھارنے کی آواز سن کر اس نے دوپٹے کا پلو کھینچ کر سر ڈھانپا اور کپ میں چائے ڈال کر ان کو پکڑائی، وہ دعا دیتے چلے گئے تو جلدی جلدی ناشتے کے لوازمات اکٹھے کیے اسی دوران وہ اس گھر کے عجیب لوگ اور عجیب ماحول کو سوچتی رہی، ناشتے پر سب سے پہلے پہنچنے والا شجاع ہی تھا۔

''واہ بیگم صاحبہ! مزہ آئے گا آج تو ناشتے کا، ورنہ تو نمو بیچاری بناتی تو تھی ناشتہ مگر الٹے سیدھے مختلف ممالک کے نقشے دیکھ کر پراٹھا کھانے کو دل ہی نہیں کرتا تھا۔'' وہ خوش ہوتے ہوئے بولا، اتنے میں دونوں آپائیں آنکھیں ملتے بچوں کو گھسیٹتی نظر آئیں، پیچھے جمائیاں لیتی نمرہ تھی۔

''اے نمرہ! جا اپنے بھائی کو ناشتہ دے کے آ، ان کی تو اس دن کی بات ایسی لگی کہ سو منتیں کر لیں مگر ٹیبل پر آنے کو تیار ہی نہیں، حق ہا، یہ دن بھی دیکھنا تھا کہ اپنے ماں باپ کے گھر میں بھی بندہ چوری چھپ کے رہے۔'' پنکی کی پلیٹ میں پنج کر آملیٹ رکھتی چھوٹی آپا نے گھور کر شجاع کے کپ میں چائے ڈالتی قدر کو گھورا تھا، نمرہ نے فوراً حسن بھائی کو ٹرے تیار کی، اتنے میں آنکھیں ملتی شکیلہ بیگم اور ساتھ شمو آپا کے بھی اپنے بیٹے کی کیساتھ تشریف آوری ہوئی تھی، قدر ابا کی ناشتے کی ٹرے ان کے کمرے میں دے آئی تھی اور ابھی شجاع کے پاس پڑی خالی کرسی پر بیٹھنے ہی والی تھی کہ نمو آپا کو اچانک یاد آیا کہ سنی تو پراٹھا کھاتا ہی نہیں ہے اس کے لئے توس سینک دیئے جائیں، ابھی قدر اٹھی ہی رہی تھی کہ شجاع جو کافی دیر سے اس کی اٹھک بیٹھک دیکھ رہا تھا بول اٹھا۔

''تم بیٹھو ناشتہ کرو، نمرہ اٹھو سنی کے لئے توس سینک لاؤ۔'' نمرہ سر ہلاتے اٹھی جبکہ شکیلہ بیگم نے دل ہی دل میں شجاع کو کوسا۔

''کم بخت کے حسن کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے، خیر میں بھی کون سا کم ہوں، ایسا تگنی کا ناچ نچاؤں گی کہ ساری محبت دھری کی دھری رہ جائے گی۔'' پراٹھے کے بڑے بڑے نوالے لیتی وہ دل ہی دل میں منصوبے بنا رہی تھیں۔

☆☆☆

پھر کافی سارے دن ایسے ہی گزرتے چلے گئے، گھر کا سارا کام قدر کے سر پر ڈال کر بھی شکیلہ بیگم مطمئن نہیں ہوئی تھیں، انہیں قدر کا آسودہ اور مسکراتا چہرہ آگ ہی تو لگا دیتا تھا، ہاں نمرہ بہت حد تک قدر کے قریب آ گئی تھی اور ماں سے نظر بچا کے اس کی کاموں میں مدد بھی کرا دیتی تھی، مسئلہ تو تب پیدا ہوا جب ایک دن شجاع نے پچاس ہزار قدر کو رکھنے کے لئے دیئے، مگر اگلے

روز مانگنے پر وہ روپے الماری سے غائب تھے، دونوں میاں بیوی ازحد پریشان ہو گئے کہ شام پانچ بجے الماری میں رکھے جانے والے روپے آخر صبح نو بجے کہاں چلے گئے، مجبوراً شجاع کو سب گھر والوں سے بات کرنا پڑی۔

''لو آج تک تو ایسا کبھی نہ ہوا ہمیشہ ہی لا کر رقم رکھتے ہو کبھی ہزاروں میں تو کبھی لاکھوں میں، اب ماں سے بیوی زیادہ قابل اعتبار تھی تو بھگتو نتیجہ بھی، بار بار کہتی رہی میں کہ خاندان بہت اہمیت رکھتا ہے رشتے ناطے جوڑنے کے سلسلے میں، ارے صاف ظاہر ہے بھوکے ننگے لوگ تھے، خالی ہاتھ آئی تمہاری بیوی، کبھی اتنی بڑی رقم دیکھی ہی نہ گئی تو اچک لی کم بخت نے۔'' شکیلہ بیگم کو تو سن کر ہی پتنگے لگ گئے۔

''ایسی بات نہیں ہے اماں! ایسے کسی پر بھی الزام لگانا صحیح نہیں ہے جب تک بات آنکھوں دیکھی اور کانوں سنی نہ ہو۔'' شجاع کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔

''ہاں اماں! بھابھی ایسی بالکل نہیں ہیں۔'' نمرہ نے لقمہ دیا۔

''تم چپ رہو بھابھی کی چمچی، بیٹھے بٹھائے اتنی بڑی رقم غائب ہو گئی، بتاؤ بھلا جن بھوت لے گئے کیا، بس میاں بہت ہو گئی، چھوڑو طلاق دے کے نکال باہر کرو ایسی اچکی کو۔'

''افوہ اماں! آپ میرے لئے مسئلے کا حل نکالنے کی بجائے بات کا رخ دوسری طرف پھیر رہی ہیں، میری بیوی ہے وہ، چار لوگوں میں اللہ اور اس کے رسول کو گواہ بنا کر اپنی زندگی کا ساتھی بنا کر لایا ہوں، آپ ایسے بات کرتی ہیں جیسے خراب سودا سلف گھر میں آ گیا ہو اور پتہ چلنے پر دکاندار کو واپس دے آیا جائے۔'' شجاع جھنجلایا۔

''تو انسان بھی تو سودا سلف کی مانند ہی ہوتے ہیں ناں بھیا! خراب نکلنے پر ان کو چھوڑنا کون سی انوکھی بات ہے، ہم تو ایسی چور کو اب برداشت نہیں کرنے کے۔'' نمو آپا چمک کر بولیں، شجاع سر کو ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گیا۔

''شجاع کی پریشانی بھی جائز ہے اور ایسے قدر بیٹی کو غلط ٹھہرانا بھی ٹھیک نہیں ہے، فی الحال تو میں ایک دوست سے رقم کا بندوبست کرتا ہوں، تم وہ تو اپنا کام ادھورا مت چھوڑو، واپس آؤ پھر دیکھتے ہیں کہ کیا کرنا ہے۔'' ابا نے ہی قطعی انداز میں کہا۔

''اور ہاں، بہو کے اوپر فی الحال کس قسم کی الزام تراشی سے گریز کیا جائے وہ جیسی اور جس خاندان سے بھی ہے، اب اس خاندان کی عزت ہے، عمر گزری ہے میری زمانے کو پرکھتے ہوئے، وہ بچی مجھے ایسی نہیں لگتی پھر بہتان تو گناہ کبیرہ میں سے ایک گناہ ہے۔''

''ہاں میاں ایک آپ سچے اور ایک آپ کی بہو، باقی سارے اس گھر میں اچکے ہی بستے ہیں۔'' شکیلہ بیگم مرچیں چبا کر بولی تھیں، اپنے کمرے میں ٹہل ٹہل کر قدر کا برا حال تھا، کبھی کبھار کوئی ایک آدھ تلخ جملہ اس کی سماعتوں کی نظر بھی ہو رہا تھا، مگر اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آخر رقم گئی تو کہاں گئی، اس کے کمرے میں صرف نمرہ آئی تھی اور کل شام کو ایک دفعہ پنکی اور سنی بھی آئے تھے جب قدر نے تجلی کی غیر موجودگی میں پسندیدہ ٹی وی پروگرامز نہ دیکھے جانے پر ان دونوں کو بحث کرتے سنا تو کہا کہ اگر وہ بور ہو رہے ہیں تو اس کے کمرے میں آ جائیں، پھر پہلے پہل تو دونوں بچے اس کی باتوں کو لاتعلقی سے سنتے رہے مگر تھوڑی دیر بعد قدر نے اس قدر دلچسپ پیرائے میں ان کو بچوں کے حوالے سے کچھ باتیں بتائیں کہ وہ خود ہی دلچسپی لینے پر مجبور

ہو گئے تھے، صرف دس پندرہ منٹ کے لئے وہ ان کے لئے چپس بنانے کچن میں گئی تھی۔

''مگر بچے ایسا کس طرح کر سکتے ہیں؟'' ایک خیال آنے پر اس نے پھر اپنی سوچ کر خود ہی نفی کر دیا، اتنے میں شجاع اندر آیا تھا۔

''اچھا بھئی! پریشان مت ہونا ابا کے ایک دوست سے رقم لے کر بنک میں جمع کراتا ہوں پھر دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے۔'' معمول کے انداز میں کہتا وہ والٹ اور بائیک کی چابی ٹیبل سے اٹھاتا ہوا بولا، مگر قدر کو ہاتھوں میں منہ چھپا کر روتے دیکھ کر حواس باختہ ہو گیا۔

''ارے کیا ہوا بھئی، یہ نفع، نقصان تو زندگی کا حصہ ہیں، دوبارہ دیکھیں گے کمرے میں ہو سکتا ہے کہیں اِدھر اُدھر رکھ دیئے ہوں۔'' اس کے ہاتھ چہرے سے ہٹائے۔

''شجاع! کہیں آپ بھی ایسا تو نہیں سمجھ رہے کہ میں نے......''

''شش......کبھی ایسا سوچنا بھی مت، میاں بیوی صرف سکھ کے راہی نہیں ہوتے ان کو دکھ کا ساجھی بھی ہونا چاہیے، بخدا مجھے رقم کا افسوس بھی ہے اور حیرت بھی، مگر اس کے لئے میں ہرگز تمہیں قصوروار نہیں سمجھتا، چلو شاباش اب مجھے مسکرا کر رخصت کرو ورنہ اگر یہ روتی شکل دیکھ کر گیا تو دن اچھا نہیں گزرے گا میرا۔'' پیار سے اسے اپنے ساتھ لگا کر شجاع نے تسلی دی تو قدر کی جان میں جان آئی تھی، وہ آنسو پونچھ کر مسکرا دی تھی، شجاع بھی اس کے ہاتھ دبا کر باہر نکل گیا تھا، قدر ایک طویل سانس لیتی کچن میں آئی تھی جہاں اس کے سسر جو بھی چیز پکانی ہوتی، سامان لا کر رکھ دیا کرتے تھے اس کے آتے ہی نمرہ بھی کچن میں آئی تھی۔

''ارے بھابھی! آج فوجیں اپنے ہنگامی دورے پر نکلی ہیں، آپ اور میں مزے کریں گے آج، لائیں آپ جب تک فریج میں سے گوشت وغیرہ نکال کر مصالحہ بنائیں، میں تب تک سبزی بناتی ہوں۔'' نمرہ کو اس کی روئی روئی آنکھیں دیکھ کر دکھ ہوا تھا بھی خوشدلی سے کہا تو وہ بھی پھیکا سا مسکراتی ہوئی سر ہلا کر فریج کی طرف بڑھ گئی۔

پھر جب وہ دونوں کچن سے فارغ ہو کر لاؤنج میں آئی تھیں، دو خواتین کی آمد قدر کو تو خوشگوار لگی تھی البتہ نمرہ جزبز ہو گئی، ان کی گفتگو سے پہت چلا کہ تمکین آپا کی ساس اور نند تھیں اور پنکی سے ملنے آئی تھیں۔

''بس بیٹا کیا بتائیں کہ کسی عجیب فطرت ہے ہماری سمدھن کی بیٹیاں تو انبیاء کی بھی تھیں اور بادشاہوں کی بھی مگر گھر تو کسی نے بھی نہیں بٹھایا بیٹی کو، کیا ان کے لئے بیٹی کو بٹھا کر کھلانا مشکل تھا؟ یقیناً نہیں، اللہ کے حکم کی روگردانی ناممکن تھی ان کے لئے، بڑی بیٹی کی دفعہ ہم سے بہانا بنایا تھا کہ کیونکہ میاں باہر کے ملک ہوتا ہے تو بچے کے ساتھ اکیلی تنگ ہوتی ہے، سو جھمیلے ہوتے ہیں زندگی کے اس لئے ماں کے گھر پر ہے، کیا پتہ تھا کہ شادی کے محض تین ماہ بعد ہی ہمارے بیٹے کو بھی وہی گیدڑ سنگھی سنگھائیں گی کہ کاٹھ کا الو بیوی کے پیچھے چل پڑے گا، نہ بیوہ ماں کا خیال نہ جوان بہن کی فکر، پرائی بیٹی کو بھی دوش دینا غلط ہو گا جب اپنا کھونٹا ہی کمزور ہو، کہا کم از کم ہفتے میں ایک بار ہی شکل دکھا کے ماں کی آنکھیں ٹھنڈی کر جایا کرو، اپنی بچی کو دیکھے مہینے گزر جاتے ہیں، کہتا ہے اماں آپ کے پاس دو اور بیٹے ہیں تو سہی، ارے ہر اولاد کی اپنی جگہ اور مقام ہوتا ہے ماں باپ کے دل میں اور ماں کے لئے بھی بھلا اولاد کا کوئی نعم البدل ہوا ہے۔'' نمرہ چائے بنانے لگی تھی جب اس بزرگ خاتون نے قدر کے آگے

اپنا دکھڑا رو دیا تھا۔
''تین ماہ کے اس عرصہ میں دلہن کے چاؤ اٹھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی ہم نے اس کا صلہ یہ دیا ہمیں اس نے کہ جب امید سے ہوئی تو ماں کے گھر رہنے کے لئے آئی بس وہ دن اور آج کا دن پلٹ کر دوبارہ نہیں دیکھا، بار بار بلایا، میرا بچہ منانے آتا رہا، مگر اس بھلی مانس کی یہی ضد کہ ماں کے گھر ہی رہوں گی، حسن بھی یہیں آ کر رہے ورنہ طلاق دو، ہم شریف لوگ ہیں بچے طلاق جیسا فعل بھلے اللہ نے کسی مصلحت کے تحت جائز قرار دیا ہو مگر ہے تو اللہ کا ناپسندیدہ اور ہم جیسے لوگ تو اس جیسے فعل سے پہلے مر جانا پسند کریں، بیٹے کو ہی دل پر پتھر رکھ کر خصت کر دیا، صرف یہی درخواست کی تھی کہ کبھی کبھار ماں کو شکل دکھا جایا کرو اپنی اور بچی کی، خود تو پھر بھی چکر لگا لیتا ہے مگر اپنی بچی کو دیکھے زمانے بیت جاتے ہیں، کبھی پڑھائی کا بہانا تو کبھی مصروفت کا حیلہ۔'' افسردہ لہجے میں انہوں نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا گویا اور پھر نمرہ کو دیکھ کر چپ ہو گئی تھیں، تاہم قدر نے ان کو خاطر خواہ تسلی دی تھی کہ وہ کوشش کرے گی آپا کی سمجھانے کی جس کا اسے خود بھی یقین نہیں تھا کہ وہ بات بھی کر پائے گی یا نہیں، چائے پینے کے بعد وہ ماں بیٹی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں، نمرہ تو اپنے کمرے میں چلی گئی تھی جبکہ قدر وہیں بیٹھی اپنی زندگی کے اس نئے موڑ کے بارے میں سوچتی رہ گئی تھی جب تک بچے بھی سکول سے آ گئے تھے، بچوں کو کھانا کھلانے کے بعد اس نے اپنے اپنے کمروں میں آرام کے لئے بھیجا، ابا جی کو کھانا پہنچایا، حسن بھائی بچوں کو لے کر آئے تھے، اپنے کمرے میں ہی تھے، کچھ سوچ کر اس نے ان کا کھانا ٹرے میں لگایا اور دوپٹے کا مخصوص انداز میں نقاب کرتی وہ ٹرے لے کر ان کے کمرے کی طرف آ گئی تھی، دروازہ کھلا تھا، اندر سے ٹی وی چلنے کی آواز آ رہی تھی، پنکی حسب معمول بیڈ پر اوندھی لیٹی چینل پر چینل بدل رہی تھی، حسن بھائی صوفے پر نیم دراز تھے، دستک سن کر اٹھ بیٹھے، اسے اندر داخل ہوتا دیکھ صوفے سے ٹانگیں نیچے لٹکائیں اور نظریں جھکا کر بیٹھ گئے، قدر نے آہستہ سے ضروری بات کہنے کی اجازت طلب کی اور ٹرے ٹیبل پر رکھ کر سامنے بیٹھ گئی، حسن بھائی نے سر ہلاتے ہوئے قدرے الجھن بھرے انداز میں ٹرے کو اپنی طرف گھسیٹا اور پنکی کو ٹی وی کی آواز کم کرنے کو کہا، قدر نے آہستہ آہستہ ان کی ماں بہن کی آمد اور ان کی بات بیان کی، حسن بھائی شرمندہ سے نظر آ رہے تھے۔
''بی بی! آپ اب اس گھ کا حصہ ہیں، تو آپ سے کیا چھپانا، گھر کو بچانے کے لئے صرف عورت ہی قربانی نہیں دیتی بعض دفعہ مرد بھی مجبور ہوتا ہے، ہم لوگ خود یتیمی کے سائے میں پروان چڑھنے والے بچے تھے، سو صرف اپنی اولاد کو باپ کے سائے سے محروم نہ رکھنے کی خاطر یہ کڑوا گھونٹ پینے پر مجبور ہوا کیونکہ ان دنوں میں آپ اپنی ساس نندوں کی ہٹ دھرم فطرت کو تو جان ہی گئی ہوں گی، اس عورت کے پاس میرے ہر گھر واپس چلنے کے تقاضے کے جواب میں ایک ہی آپشن تھا طلاق اور اپنی اولاد خصوصاً بچی کے بعد میں ایسا کیسے کر سکتا تھا۔'' بے حد بے بسی ان کے چہرے سے عیاں تھی، کھانے سے ہاتھ جلدی کھینچ لیا انہوں نے، قدر نے ایک طویل سانس لی۔
''مرد کا منصب بہت عظیم ہے بھائی! اسی منصب، فہم اور حوصلے کی وجہ سے اللہ نے اسے عورت سے برتر بنایا ہے، وہ ہٹ دھرم تھیں، ایک معاملے پر تو کسی دوسرے معاملے میں کمزور بھی

ہوں گی، مرد تو عورت کا رمز شناس ہوتا ہے، بار بار اور مسلسل پانی گرنے سے تو پتھر میں بھی سوراخ ہو جاتا ہے یہاں تو ایک عورت کسی ضد تھی وہ بھی بے جا، معاف کیجئے گا ایسے ہر معاملے میں جہاں مرد عدم توازن کا شکار ہوتا ہے ایسے ہی بگاڑ دیکھنے میں آتے ہیں، طلاق کا لفظ کہنا آسان ہوتا ہے، سنا نہیں، انہوں نے کہا اور آپ مان گئے، تھوڑا عرصہ توان کو ٹائم دیتے دور رہ کر دیکھتے، مرد کے بغیر عورت بے سائبان ہوتی ہے، آپ کی تھوڑی سی سختی بھی ضروری تھی، انہوں نے کہا اور آپ بیوہ ماں کو چھوڑ کر ان کے چرنوں میں آن بیٹھے، سوچئے جس بچی کی خاطر آپ نے بیوی کی ایک غلط بات مانی، کل کو آپ بچی کے مستقبل پر سوال کھڑا ہو سکتا ہے کیونکہ بچیاں ماں کی تربیت کو لے کر آگے بڑھتی ہیں، چلیں یہاں بھی آپ ٹھیک تھے، مان بھی لیں تو اپنی ماں کو خود سے اور اپنی اولاد سے محروم رکھنا تو سراسر آپ کے ہاتھ میں ہے، دنیا میں جنت تو آپ نے اپنی دانست میں حاصل کر لی ہے مگر آخرت کی جنت کا کیا ہوا حسن بھائی جو ماں کی فرمانبرداری کے بغیر تو ملنا ممکن ہے فرمابرداری تو ایک طرف چھوڑیں کم از کم ہفتے میں ایک بار پنکی کو ان سے ملوا لایا کریں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی، ساتھ ہی ایک نظر فضول قسم کے پروگرام دیکھتی پنکی پر ڈال کر اس نے تاسف سے سر جھکائے بیٹھے حسن بھائی پر ڈالی، یقیناً وہ ایک کمزور مرد تھے، بیوی تو چلو ان کی دانست میں نافرمان اور ہٹ دھرم تھی، بیٹی کا کیا؟ کیا یہ ایک باپ کا منصب تھا کہ جوانی کی دہلیز پر کھڑی ہوتی بچی اس وقت دوپٹے سے بے نیاز ان کے سامنے ٹی وی پر نازیبا پروگرام دیکھنے میں مگن تھی۔

''پنکی! اگر آپ کو نیند نہیں آ رہی تو آؤ میرے کمرے میں آ جاؤ، باتیں کرتے ہیں۔'' اس نے نرمی سے پنکی کو کہا۔

''نہیں مامی! میرا فیورٹ ڈرامہ آنے والا ہے۔''

''آپ آؤ تو سہی، میں آپ کے ڈرامے سے بھی زیادہ انٹرسٹنگ باتیں بتاؤں گی، اگر اچھی نہ لگیں تو واپس آ جانا۔'' لہجے کی نرمی ہنوز برقرار تھی، پنکی طوہاً کرہاً اٹھی اور سلیپر گھسیٹتی ہوئی اس کے ساتھ آ گئی۔

''سب سے پہلے تو آپ مجھے یہ بتاؤ کہ آپ کے پاس کوئی ایسی خوبصورت چیز ہے جس کے بارے میں آپ چاہتی ہوں کہ صرف آپ کی رہے، آپ کے پاس، کوئی اسے نہ دیکھے نہ اٹھائے نہ کھیلے، اس کی حفاظت آپ کیسے کریں گی؟'' پلیٹ میں بچوں کی پسندیدہ نمکو نکال کر اس نے پنکی کے سامنے رکھی اور دلچسپ پیرائے میں پوچھا، پنکی کچھ دیر سوچتی رہی۔

''میں اسے سب سے چھپا کر رکھوں گی مامی۔'' فٹ سے جواب حاضر تھا۔

''بالکل ایسے ہی کرنا چاہیے، آپ بھی ہماری سب سے پیاری، انمول اور قیمتی گڑیا ہو، تو ہم بھی چاہتے ہیں کہ ہماری گڑیا پر کسی کی بری نظر نہ پڑے، وہ صرف ہماری رہے، ہمارے پاس رہے اور ڈھکی چھپی رہے۔''

پنکی بڑی بڑی آنکھیں کھولے اسے الجھن آمیز انداز میں دیکھ رہی تھی۔

''لڑکیوں کو، بچیوں کو ایسے رہنا چاہیے کہ وہ ڈھکی چھپی نظر آئیں یہ اللہ کا حکم بھی ہے اور اسی میں ہماری بھلائی بھی، آپ بھی اب دوپٹہ لیا کرو، بچیوں کے اٹھنے بیٹھنے میں ایک سلیقہ ہونا چاہیے، ابھی آپ اپنے بابا کے سامنے کس انداز میں لیٹی تھیں، الٹی ہو کر، ایسے میں آپ کے

کپڑوں کی ترتیب خراب ہو گئی اور آدھی سے زیادہ پنڈلیاں باہر نکلی ہوئی تھیں، پھر ٹی وی پر کس قسم کے پروگرام آپ دیکھ رہی تھیں، کیا آپ کے بابا کو اچھا لگ رہا ہوگا؟'' اس کے سوال پر پنکی کا سر نفی میں ہلا۔

''مگر بابا تو مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں، انہوں نے مجھے کچھ نہیں کہا اور دوپٹہ تو مجھے لینا آتا ہی نہیں نہ ہی میرے پاس دوپٹے ہیں۔''

''واقعی بہت پیار کرتے ہیں آپ کے بابا آپ سے، آپ کا بھی تو فرض بنتا ہے ناں ان کے پیار کا ریٹرن دو، تو وہ ایسے کہ پیار صرف کہنے سے نہیں ہوتا اس کے کچھ تقاضے پورے کرنے پڑتے ہیں، بچوں کو ایسے اچھا بن جانا چاہیے کہ وہ اپنے پیرنٹس کی توقعات پر پورا اتریں، کچھ ایسا کریں کہ ان کا دل خوش ہو جائے، چلو آج کے لئے اتنا ہی اب میں پنکی کو ایک مزے کی سٹوری سناتی ہوں اور دوپٹہ لینے کا جہاں تک مسئلہ ہے میں اپنی گڑیا کو دوپٹہ لینا سکھاؤں گی۔''

''مامی آپ بہت اچھی ہیں، نمرہ خالہ سارا دن کاموں میں مصروف ہوتی ہیں، سنی کی جب تک بات مانو تب تک ٹھیک رہتا ہے ورنہ تو ہر وقت لڑاکا بنا رہتا ہے، مجھے ایک فرینڈ کی بہت ضرورت تھی جو آپ کی صورت مجھے مل گئی۔'' پنکی اس سے لپٹ گئی، پھر قدر نے اسے بہت سی باتیں بتائیں، اپنے بچپن کی، اپنی دوستوں کی، پنکی اپنی روٹین بھول بھال کر مکمل اس کے ساتھ مگن تھی پھر پنکی نے راز داری کا وعدہ لیتے ہوئے جو بات اسے بتائی اس نے قدر کو یکدم اٹھ بیٹھنے پر مجبور کر دیا، تاہم اس نے مکمل راز داری برتنے کا وعدہ لیتے ہوئے پنکی سے پوری بات معلوم کی اور تھوڑی سی دیر میں شکیلہ بیگم مع بیٹیوں کے آ جانے پر اس نے پنکی کو باہر بھیج دیا تھا، وہ یکسوئی سے کچھ سوچنا چاہتی تھی۔

☆☆☆

شجاع نے اس کی پوری بات تحمل سے سنی تھی، اس کی فراخ پیشانی پر لکیروں کا جال بتا رہا تھا کہ اسے یہ بات ناگوار گزری ہے۔

''میرا آپ کو یہ سب بتانے کا مطلب کسی سے بھی متنفر کرنا ہرگز نہیں ہے، لیکن یہ بات آپ کے علم میں لائے بغیر میں رہ بھی نہیں سکتی تھی کیونکہ میرا اس معاملے میں کچھ بھی نہ بولنا حالات کو میرے خلاف مزید سنگین کر دے گا، اب آپ پر ہے کہ آپ کسی کو بھی درمیان میں لائے بغیر معاملے کو کس طریقے سے ہینڈل کرتے ہیں۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''میں سمجھتا ہوں۔'' وہ طویل سانس لیتے ہوئے بولا۔

''افسوس کہ اپنی اولاد کی تربیت جیسے اہم فرض کو نظر انداز کر کے نجانے کس قسم کا طرز عمل دے رہی میری بہنیں، خیر یہ مسئلہ تو میں دیکھ ہی لوں گا، مگر اماں کا کیا کیا جائے کہ شادی شدہ بیٹیوں کو گھر بٹھا کر اپنی دانست میں وہ بہترین فیصلہ کئے بیٹھی ہیں مگر اس کے برے اثرات اب نمرہ کے رشتہ پر پڑ رہے ہیں، کامران کے والد صاحب آئے تھے آفس میرے پاس انہوں نے صاف صاف بتایا کہ اگر نمرہ کے بارے میں بھی اماں ایسی ہی کوئی لائحہ عمل سوچے بیٹھی ہیں تو ان کا اس رشتے سے صاف صاف انکار ہے۔'' وہ بے حد پریشانی کے عالم میں بولا۔

''آپ پریشان نہ ہوں شجاع! سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس نے نرمی سے اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

''عورت گرہستن ہے، گھر کی مکمل ذمہ داری کو احسن طریقے سے نبھائے تو گھر جنت بن

جاتے ہیں، مگر ہر عورت نہ تو مکمل گرہستن ہوتی ہے نہ ہی گھر کی تمام ذمہ داریاں احسن طریقے سے نبھانے والی، وہاں کے مردوں کو مضبوط قوت ارادی اور فہم و فراست کے بھرپور مظاہرے کی ضرورت ہوتی ہے، جتنا میں پرکھ پائی ہوئی، اماں کو گھر کے ہر معاملے میں، ہر فیصلے میں کھلی چھوٹ دے کر ابا بالکل ہی کنارہ کش ہو گئے، انہیں ٹوکنا چاہیے تھا، روکنا چاہیے تھا ایک غلط روایت کی داغ بیل ڈالنے سے، اللہ کے حکم کی روگردانی سے صرف بگاڑ ہی پیدا ہوتا ہے وہ چاہے سوچ میں ہو، عمل میں ہو، گھر میں ہو یا معاشرے میں، میں آپ کے گھر والوں کے خلاف نہیں ہوں شجاع مگر ان کے کچھ اطوار بہت ناپسندیدہ ہیں، آپ بھی تو اس گھر کے سربراہ ہیں، مجھے لگتا ہے کہ کچھ فیصلے آپ کو بھی لینے چاہیں ورنہ ہر نقصان قابل تلافی نہیں ہوتا۔'' وہ سوچ سوچ کر بول رہی تھی جبکہ شجاع تائیدی انداز میں سر ہلا رہا تھا۔

☆☆☆

''اے بتا بھی دو شجاع میاں! کہ کیوں سب کو یہاں جمع کیا ہے؟ اور رقم کے بارے میں بھی بیوی سے کوئی باز پرس کی، آج کل کی نسل کا یہی تو مرض ہے کہ کھلی چھوٹ دے رکھی ہے بیویوں کو جو کرتی پھریں، ارے وہ مرد ہی کیا جس کی دھاڑ سن کر در و دیوار نہ سہم جاتے ہوں، بیویوں کی تو کیا مجال کہ نہ دم مار سکیں، پھر کیا مجال کسی عورت کی کہ بغیر اجازت چیز کو اِدھر اُدھر کرے۔''

''اسی مسئلے کے حل کے لئے ہی سب کو بلایا ہے، نمرہ جاؤ اپنی بھابھی کو بھی بلا لاؤ اور دونوں بچوں کو بھی۔'' اس نے اماں کی بات کا جواب دیئے بغیر سنجیدگی سے کہا اور زائرین پر ایک نظر ڈالتے ہوئے نمرہ کے متوقع سسر کے پیغام کے بارے میں بھی صاف بتا دیا۔

''میرا تو خیال ہے کہ اماں آپ کو ایسے کسی فیصلے کی ضرورت ہی نہیں ہے، اچھی بیٹیاں اپنے گھروں میں ہی اچھی لگتی ہیں، مجھے نہیں پتہ آپ کو اس شرط کے پیچھے کیا حکمت عملی ہے مگر نمرہ کے سسر بہت شریف النفس ہیں، ایک ساس گھر میں ہے ایک بیاہی بیٹی شہر کے باہر ہے، اب یہ کہاں مناسب لگتا ہے کہ بہو کو رخصت نہ کرا کے لے جائیں، انہوں نے بیٹے کا گھر آباد کرنا ہے خراب نہیں، ابا آپ ہی بتائیں یہ کہاں کا اصول ہے؟'' وہ جذباتی ہو کر بولا تھا۔

''رہنے دو میاں اور تمہارے ابا کے فیصلے، رشتہ نہیں کرنا تو نہ کریں اور رشتے بہتیرے، ارے یہ بھی کوئی طریقہ ہے بات کرنے کا، مطالبہ منوانے کا، لے کے مردوں کو بیچ میں لے آئیں، میں مر گئی ہوں کیا، عورت آئے میرے پاس، بتائے کہ کیا معاملہ ہے؟ شادی سے پہلے ہی یہ کام شروع کر دیا، ارے صفیہ تو ہے ہی گھنی اور خرانٹ اسی نے پٹی پڑھائی ہو گی میاں کو اور شجاع میاں تم پر بھی بیوی کا رنگ چڑھتا دیکھ رہی ہوں میں، جانتی ہوں کس کی نظر میں چبھ رہی ہیں میری بچیاں، جاؤں گی میں آج خود ہی صفیہ کے گھر صاف بات کرنے، جرأت کیسے ہوئی ان کی میری بچیوں پر انگلی اٹھانے کی، اپنے مردوں کی مرضی سے ان کے ساتھ بیٹھی ہیں اپنی ماں کے گھر۔''

''اچھا نیک بخت، اس بات کو بعد کے لئے اٹھا رکھو اور شجاع بیٹے کو بولنے دو وہ کیا کہنا چاہ رہا ہے۔'' ابا نے ہی بچوں کو قدر اور نمرہ اور اندر داخل ہوتے دیکھ کر کہا ورنہ شکیلہ بیگم اس موضوع پر مسلسل بول سکتی تھیں۔

''کیا ہے یار ماموں! گھنٹہ وہ قاری دماغ خالی کر کے جاتا ہے، ابھی ٹی وی چلایا تھا کہ آپ

کی ایمرجنسی کال آ گئی، کیا بات ہے۔'' سنی کے گستاخانہ اور بیزار رویے پر شجاع نے شاکی نظروں سے اس کی ماں کی طرف دیکھا جو بے نیازسی بیٹھی تھیں۔

''بڑوں کے متعلق تمیز سے بات کرتے ہیں، وہ استاد ہیں تمہارے وہ بھی قرآن کے اور آرام سے بیٹھو، تمہاری شرکت تو سب سے زیادہ ضروری ہے۔'' شجاع کے گھرکنے پر سنی کے تاثرات مزید ناگوار ہو گئے، تاہم وہ بیٹھ ضرور گیا تھا، سب کو خاموش رہنے کی تاکید کرتے شجاع نے اپنا موبائل نکال کر ایک نمبر ڈائل کیا اور سپیکر آن کر لیا۔

''ارسلان بیٹا! کیسے ہیں آپ! سنی کا ماموں بات کر رہا ہوں، اس نے پرسوں آپ کو موبائل منگوانے کے لئے جو رقم دی ہے، وہ آپ نے اب نہیں منگوانا کیونکہ سنی کو میں نے ہی کہا تھا کہ مجھے آپ کے جیسا موبائل منگوا دے دوبئی سے جیسا آپ کے انکل نے آپ کو بھجوایا، ایکچوئلی مجھے اب تمہیں پر مل رہا ہے وہ موبائل، مجھے اپنے گھر کا ایڈریس سمجھا دیں بیٹا، میں تھوڑی دیر تک رقم لے لیتا ہوں آپ سے۔'' روانی سے بات کرتے ہوئے شجاع نے بچے کی یقین دہانی اور ایڈریس بتانے پر الوداعی کلمات کہہ کر کال ڈراپ کی اور موبائل میز پر رکھ کر طائرانہ نظروں سے سب کو دیکھا۔

''شرم تو نہیں آئی ایسی گھٹیا حرکت کرتے ہوئے تمہیں، اپنے گھر میں چوری وہ بھی اتنی بڑی رقم کی، اپنی عمر دیکھو اور حرکتیں دیکھو۔'' اباجی نے ملامت سے سنی کو دیکھا۔

''آپ بھی شروع ہو گئے اباجی! میرا بچہ ایسا نہیں ہے، یہ سازش ہے اس کے خلاف، شجاع کا کون سا سگا بھانجا ہے یہ جو دل میں اس کے لئے کوئی احساس ہو۔'' اس کی ماں کے واویلے سے سنی کا پھیکا پڑتا چہرہ دوبارہ رنگ پکڑ رہا تھا جب شجاع زور سے بولا۔

''بس کریں آپا، خدا کے لئے اولاد کی غلط کاموں پر پشت پناہی ان کو تباہی کے اس دہانے پر لے جاتی ہے جہاں پر بربادی کے سوا کچھ نہیں ہے، یہ سگا سوتیلا تو رہنے ہی دیں، سنی تم مجھے بتاؤ کہ چالیس ہزار تم نے ارسلان کو دیئے باقی کے دس ہزار کہاں ہیں، یاد رکھو کہ میں سب کچھ جانتا ہوں صرف تمہاری زبانی سننا چاہتا ہوں۔'' آپا کو جواب دے کر وہ سنی کی طرف مڑا جس نے سنجیدہ سے ماموں کا ایسا غصیلا انداز آج پہلی بار دیکھا تھا۔

''دوستوں کو ٹریٹ دی تھی۔'' کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد اس کے مجرمانہ اعتراف جرم نے بڑی آپا پر گھڑوں پانی ڈال دیا۔

''کون سی کمی رکھی ہے تمہارے پاپا نے، ہر فرمائش منہ سے نکلنے سے پہلے ہی پوری ہو جاتی ہے، سوچو ذرا ان کا کیا حال ہو گا جب ان کو تمہاری اس حرکت کے بارے میں پتہ چلے گا۔''

''اچھا اچھا پردیس میں ان کو پریشان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بچہ ہے غلطی کر لی ہے، سمجھا دوں گی میں اسے۔'' شجاع کو اگلی بات سے ہی روک دیا بڑی آپا نے، وہ تاسف سے سر ہلاتا اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

ابھی اس واقعے کی بازگشت نہ تھمی تھی کہ اگلے روز نمرہ کی سسرال سے منگنی کا سامان واپس آ گیا تھا، شکیلہ بیگم بھی بات کو سلجھانے کی بجائے اینٹھ گئی تھیں کہ ان کی بیٹی کو رشتوں کی کمی نہیں ہے، ان کی بڑی بڑی بڑکیں جو وہ سامان لانے والی عورت کے سامنے مار رہی تھیں نمرہ روتی ہوئی

قدر کے پاس دوڑی آئی تھی جو کچن میں سالن کے ساتھ ساتھ ناشتے کے برتنوں سے بھی نبرد آزما تھی، نمرہ نے روتے ہوئے ساری بات بتائی تھی۔

''بھابھی! پلیز کچھ کریں، میں اب کامران کے سوا کسی کے بارے میں سوچنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی، میں اماں کے خیالات سے ہرگز متفق نہیں ہوں، ایک لڑکی کا اصلی گھر اس کا سسرال ہوتا ہے، میکے تو وہ مہمان بن کر آتی ہے، میں تو اپنی بہنوں کی اس روش سے سخت نالاں ہوں، میں نے سوچا تھا جب میری شادی ہو جائے گی میں اپنی بہنوں کے اس طرز عمل کی نفی کر کے اس کو غلط ثابت کر دوں گی، اماں کی کسی بھی ایسی بات کو نہیں مانوں گی جو مجھے میرے سسرال میں ہلکا کر دے، سب ختم ہو گیا بھابھی۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی، اب بھی وہ بات کو دبانے کی بجائے الٹا دھمکیاں بھجوا رہی ہیں۔

''اچھا تم پریشان تم ہو، اللہ بہتری کرے گا، میں کچھ کرتی ہوں، تم بھی اللہ سے دعا کرو اور کوشش کرنا اپنے نظریات پر قائم رہے، صرف اتنا کرو کہ اس عورت کو گیٹ کے پاس روک کر خود اندر اماں کے پاس چلی جانا تا کہ کوئی باہر نہ آنے پائے۔'' قدر نے چولہے کے نیچے آنچ ہلکی کی، دوپٹہ سر پر اچھی طرح جماتے ہوئے نمرہ سے کہا، تو وہ بھی اثبات میں سر ہلاتی ہوئی سوں سوں کرتی مڑ گئی۔

''سنو نمرہ! مجھے یقین ہے کہ یہ معاملہ سنبھل جائے گا، مگر انسان پر اللہ کا شکر ہر حال میں واجب ہے، ہم اسے مشکل کے وقت یاد کرتے ہیں، آسانی میں بھلا دیتے ہیں، جبکہ وہ ہمیں دونوں حالات میں نہیں بھولتا، سن کر تو ایک طرف ہم تو فرض سے بھی نافل ہیں جس سے معافی کی کوئی صورت ہی نہیں ہے، تم سمجھدار ہو، مجھے نہیں لگتا کہ مزید تمہیں کچھ بھی سمجھانے کی ضرورت ہے۔'' قدر کے نرمی سے کہنے پر نمرہ نے شرمندگی سے آہستہ سے جی بھابھی کہا اور تیزی سے باہر نکل گئی، بہت دن سے قدر اسے نامحسوس انداز میں نماز کے لئے کہہ رہی تھی مگر نمرہ کی عادت ہی نہیں تھی نماز کی نہ ہی گھر میں کسی اور فرد کی ابا کے سوا شجاع کی بھی اس نے مشکل سے عادت بنوائی تھی نماز کی، مگر عشاء میں ابھی بھی وہ ڈنڈی مار رہا تھا، جس دن پہلی بار پنکی نے دوپٹہ پہن کر اس کے ساتھ نماز پڑھی اس کے لئے بہت بڑی کامیابی کا دن تھا، ہاں اس کی اماں نے خوب ناک بھوں چڑھائی۔

''کیا ہے بھئی! اتی سی بچی کو ملانی بنانا چاہ رہی ہیں بھابھی بھی محترمہ، نہ بھئی ہمارے بچوں پر مت کرے ایسے تجربے۔'' وہ تو پنکی خود ہی اتنی گرویدہ ہو گئی تھی قدر مامی کی خود ہی اس کے آگے پیچھے پھرتی رہتی اور اس کی پیروی کرنے کی کوشش کرتی، نمرہ نے اس کے کہنے کے مطابق اس عورت کو روک کر خود اپنی ماں بہنوں کو مصروف رکھا تھا اور قدر نے وہیں کھڑے کھڑے اس عورت سے دس منٹ بات کی تھی اور اس سے نمرہ کی سسرال کا پتہ پوچھ کر جلد ہی ان کے گھر آنے کا کہا تھا، نمرہ سے ملنے پر اس نے اسے کچھ بھی بتائے بغیر صرف اس نے صرف تسلی دی تھی، ہاں نمرہ نے اپنے مطلب کی ہی خاطر سہی نماز پڑھنا ضرور شروع کر دی تھی۔

☆☆☆

قدر کو یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی تھی کہ اگلے ایک ویک اینڈ پر احسن بھائی پنکی کو اپنی دادی سے ملوانے لے گئے تھے تب چھوٹی آپا نے بہت ہنگامہ کیا تھا مگر احسن بھائی نے ان کی کسی بات کا

جواب دیئے بغیر ایک چپ کی پالیسی اپنائی اور پنکی کو لے کر اپنی ماں کے گھر چلے گئے تھے، چھوٹی آپا بہت دیر تک بڑبڑاتی رہی تھیں، قدر رات کو شجاع کو سب کچھ بتا کر مشورہ کر چکی تھی اور صبح ابا جی کو ناشتہ دینے آئی تو نہ صرف سارا معاملہ ان کے سامنے رکھ دیا بلکہ نمرہ کی خواہش بھی ان تک پہنچا دی تھی۔

''ابا جی! اس وقت چپ رہنے کا وقت نہیں ہے، سوچیں ایک لڑکی جب کچھ عرصہ کسی سے منسوب رہتی ہے تو اس کی سوچوں کا مرکز وہی شخص ہوتا ہے جس کو اس کے گھر والوں نے اس کے لئے منتخب کیا ہوتا ہے، وہ ایک مشرقی لڑکی کی طرح اسی کو اپنا سب کچھ مان کر اس کے گھر کو اپنا گھر تصور کر کے بے شمار توقعات وابستہ کر لیتی ہے، ایسے میں کتنا ہی عرصہ بعد جب اس حوالے سے اس کی سوچ پختہ ہو چکی ہوتی ہے گھر والے کسی بھی معمولی سی بات کو وجہ بنا کر رشتہ توڑ دیتے ہیں، کیا اس لڑکی کا اسی وقت کوئی مناسب رشتہ مل سکے گا، مل بھی جائے تو کیا وہ وہاں ایڈجسٹ ہو پائے گی، مجھ سے کہیں زیادہ دنیا دیکھ اور پرکھی ہے آپ نے، ابا جانتے ہیں رشتہ ٹوٹنے کی صورت میں لڑکے کو ایک چھوڑ ہزار لڑکیاں مل جاتی ہیں، قصور ہو یا نہ ہو نکالا لڑکی کا ہی جاتا ہے، لڑکی کو کئی معاشرتی مسائل کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، میرے ابا نے کہا تھا اب وہی تمہارا اصل گھر ہے، یہ میرا گھر ہے ابا اس کے مسائل میرے مسائل ہیں، اب میں نمرہ کا رشتہ خراب ہوتے نہیں دیکھ سکتی، رو رو کر اس کا برا حال ہے اور اماں اپنی ضد پر اڑی ہیں، ضد اور انا کے کھیل میں صرف بگاڑ پیدا ہوتا ہے، اماں ضد پر اڑی ہیں تو آپ بھی تو سربراہ ہیں ناں اس گھر کے آپ مضبوط بن کر فیصلہ کریں ابا، میں اکیلی کچھ نہیں کر پاؤں گی جہاں مجھے اس گھر میں ابھی تک ایک بہو کا مقام ملا ہی نہیں کیونکہ اماں اور باجیاں آج بھی شجاع کو سوتیلا تصور کرتے ہیں، مجھے کیسے سگا مانیں گے، خدارا بٹی کو رخصت کر کے اس کی خوشیاں اسے دے دیں۔'' وہ ابا کو قائل کر کے حتمی فیصلہ لینے کا سوچ کر آئی تھی، فیصلہ تو بعد کی بات تھی، فی الحال ابا کے لئے سوچوں کے بے شمار دروازے کھول دیئے تھے اس نے۔

☆☆☆

''آپ بے فکر رہیں اماں جی! میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ نمرہ ویسی ہی ثابت ہوگی جیسی اچھی بہو کا خاکہ آپ نے اس کے لئے اپنے ذہن میں بنا رکھا ہے، یہ ہرگز اپنی بہنوں کے نقش قدم پر نہیں چلنے والی وہ بہت اچھی سمجھدار اور سلجھی ہوئی لڑکی ہے، جانتی ہے کہ لڑکی کا اصل گھر اس کا سسرال ہوتا ہے، شکیلہ بیگم کی بیٹی ضرور ہے مگر ان سے بالکل مختلف ہے، آپ انشاء اللہ جمعہ کو چند قریبی لوگوں کو لے کر آ جائیں اور اپنی بہو کو رخصت کرا کے لے جائیں۔''

ابا جی اور شجاع سے مشورے کے بعد وہ نمرہ کی سسرال آج دوسری مرتبہ آئی تھی، پہلی مرتبہ تو اس کی ساس بہت نروٹھے انداز سے ملی تھیں تاہم اپنے بیٹے کی تاکید پر زیادہ دیر اپنا رویہ ویسا نہ رکھ سکی تھی کہ نمرہ بیٹے کی پسند تھی، پھر قدر نے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی ان کو قائل کرنے میں، ان کی ہر شرط بلا چوں چرا مان لی تھی، حتی کہ انہوں نے کہا تھا کہ شادی کے بعد نمرہ کو صرف مہینے میں ایک بار میکے جانے دیں گی وہ بھی خود ساتھ جائیں گی، خود ہی ساتھ واپس لے کر آئیں گی، کیونکہ بیاہی تو بڑی دونوں بھی شکیلہ بیگم نے ٹھیک ٹھاک ہی تھیں، کچھ عرصہ سسرال میں بھی رہیں تھیں، مسئلہ تب خراب ہوا تھا جب ان کا شکیلہ بیگم کے گھر

مسلسل آنا جانا ہوا، قدر جانتی تھی، وہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں اس نے ان کی یہ شرط بھی مان لی تھی، پھر انہوں نے کہا تھا کہ وہ سادگی سے رخصتی کی خواہاں ہیں، قدر نے ان کو جمعے کی تاریخ بھی دے دی تھی۔

☆☆☆☆

''غضب خدا کا! جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے نہیں اس لڑکی کو اس گھر میں آئے ہوئے اور میرے پوچھے بغیر میری ہی اولاد کے بارے میں اتنے بڑے بڑے فیصلے، گھر کا ماحول تو تبدیل ہوتا دیکھ کر چپ رہی ہیں، ارے میری بچیوں کو گھر سے نکال باہر کرنے کے لئے موا نقاب چڑھالیا منہ پر کہ جی شرعی پردہ ہے، چھٹانک بھر کی بچی کو نچانے کیا گیڈر سنگھی سنگھائی کہ وہ وعظ سنانی نظر آتی ہے، میری نمرہ کی باتوں میں پھسلا کے کچن میں لگائے رکھتی ہے، اب اس کی اتنی جرأت کہ میری بچی کا نکاح طے کر کے آگئی، کہاں ہے شجاع بلاؤ اسے، ابھی کے ابھی اسے فارغ کرے یا پھر ماں بہنوں کو دھکے مار کے نکال دے، میں نہیں رہنے کی اب اس گھر میں۔'' شکیلہ بیگم اور ان کی بیٹیاں بپھری ہوئی شیرنیاں بنی بیٹھی تھیں، ابا نے جیسے ہی سنجیدہ لہجے میں آکر نمرہ کے پرسوں نکاح کا بتایا تھا کہ انہوں نے طے کر دیا ہے، شکیلہ بیگم نے دھاڑ کر قدر کو آواز دی تھی اور سارا ملبہ اسی پر گرا دیا تھا، اس سے پہلے کہ وہ اپنی صفائی میں کچھ بول پائی، ابا نے شکیلہ بیگم کی بات کاٹی تھی۔

''میرے ہوتے ہوئے میری بہو کو اس گھر سے کوئی بے دخل نہیں کر سکتا، اپنی بچی کی شادی کرنے کا میں پورا حق رکھتا ہوں اور میں نے اپنا وہ حق استعمال کیا ہے جس کو اعتراض ہے مجھ سے بات کرے۔'' ابا کا ایسا انداز شکیلہ بیگم نے پہلے کب دیکھا تھا، فوراً ہی بھڑک گئیں۔

''ہاں تمہاری چہیتی کیوں جائے گی، میں ہی گھر چھوڑ کے چلی جاتی ہوں۔''

''ہاں ہاں بڑے آرام سے اور شوق سے جاؤ، جہاں تک میرا خیال ہے تمہاری حرکتوں کی وجہ سے تمہارے بھائی نے تم سے کب کا ترک تعلق کر چکا ہے اور کوئی جگہ ہے تو جاؤ ہاں پکا جانے کا ارادہ ہو تو بتا دینا، پکا کاغذ بھی بھجوا دوں گا، قدر بیٹی شجاع کے ساتھ جا کر کچھ ضروری خریداری کرآنا نمرہ کے لئے، بلکہ اسے ساتھ ہی لے جانا اور شجاع آئے تو اسے میرے پاس بھیجو اور ایک کپ اچھی سی چائے بنا کر ابھی دے جاؤ مجھے، یہ لو کچھ رقم رکھ لو۔'' اماں کو جواب دے کر ابا نے بڑی بے نیازی سے ان کی طرف سے رخ پھیرا اور قدر سے مخاطب ہوئے پھر اسے رقم پکڑا کر باہر نکل گئے تھے، اس سے پہلے کہ توپوں کا رخ ایک بار پھر اسی کی جانب ہوتا وہ بھی ان کے پیچھے ہی باہر نکل گئی، شکیلہ بیگم جنہوں نے ساری زندگی ابا کو اپنے آگے ہر حکم بجا لاتے دیکھا تھا کسی صدمے کی سی حالت میں دروازے کو دیکھ رہی تھیں، جہاں سے وہ گئے تھے۔

☆☆☆☆

''اماں! بخدا میری بیوی نے کبھی آپ کی حکم عدولی کی ہوتی، آپ سے بدزبانی کی ہوتی یا گھر کی کسی بھی ذمہ داری کی بجا آوری میں کوتاہی...... میں اس سے باز پرس کرتا، اب آپ کس برتے پر مجھ سے کہہ رہی ہیں کہ میں اسے طلاق دوں، نمرہ سمیت مجھ کو نماز کا عادی کر دیا ہے، اس فرض سے جس سے موت کے سوا کسی کو فراغت نہیں اور ہمیں کسی نے آج تک بتایا ہی نہیں، بچی کو دوپٹہ لینا سکھایا اور قرآن کی تعلیم دے رہی ہے؟ یا اس بات پر کہ وہ ابا سے اور حسن

بھائی سے پردہ کوتی ہے؟ یا اس بات پر کہ وہ چاہتی ہے کہ اس گھر کی بیٹی ٹھیک وقت پر وداع ہو کر اپنے اصل گھر چلی جائے، ٹھنڈے دل سے غور کر کے بتائیں۔'' شجاع جذباتی ہوا۔

''ماں اور بیوی کے درمیان توازن نہ رکھ پانے والے مرد کو میں مرد ہی نہیں سمجھتا کیونکہ گھروں میں جب بھی بگاڑ پیدا ہوتے ہیں اس کی وجہ ماں یا بیوی نہیں ہوتی، مرد کا عدم توازن رویہ ہوتا ہے، آپ میری ماں ہیں، میرے لئے ہمیشہ محترم، مگر وہ بھی میری بیوی ہے اور اب میرے بچے کی ماں بننے والی ہے۔'' شکیلہ بیگم نے صبح سے بھوک ہڑتال کر رکھی تھی، تقاضا صرف یہی تھا کہ اس کے منہ میں تب ہی کچھ جائے گا جب شجاع اپنی بیوی کو طلاق دے گا، شجاع کے آتے ہی کھانا کھلانے کے بعد قدر نے اسے پژمردہ چہرے کے ساتھ بتایا تھا، وہ کھانے کی ٹرے لے کر اماں کے پاس آیا تھا، مگر شکیلہ بیگم اینٹھے بیٹھی تھیں، اب قدر کے امید سے ہونے کی خبر سن کر رہے سہے اوسان بھی جاتے رہے تھے۔

''اچھا مت دو طلاق، مگر گھر کا خرچ پورا کا پورے پہلے کی طرح میرے ہاتھ پر رکھو گے اور اس لڑکی کو سمجھا دو کہ میری اولاد کے معاملات میں دخل اندازی کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔'' وہ روٹھی روٹھی سی بولی تھیں، شجاع نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا اور نوالہ ان کے منہ میں ڈالا۔

''لیکن اماں نمرہ کی رخصتی کل ہو گی، اس میں قدر کا کوئی لینا دینا نہیں ہے یہ نمرہ کی ہی شدید خواہش اور ضد تھی جس پر ابا نے فوری فیصلہ لیا، پھر آپ نہیں چاہتی کہ آپ کی بیٹی اپنے گھر خوش رہے۔'' اس نے ان کو قائل کرنا چاہا جو یہ فیصلہ کیئے بیٹھی تھیں کہ وہ اس رخصتی میں شریک ہی نہیں ہوں گی نہ ہی بارات کا استقبال کریں گی۔

''سوچیں تو اماں! جس بیٹی کو گھر سے عزت نہ ملے اسے سسرال میں کیسے عزت کی نظر سے دیکھا جائے گا، امید ہے کہ آپ کو میری بات سمجھ میں آگئی ہو گی اور اب آپ سارے شکوے اور ناراضی بھول بھال کر نمرہ کو اس گھر سے پورے دل کی خوشی کے ساتھ رخصت کریں گی۔'' اس کے امید بھرے انداز پر شکیلہ بیگم نے نہ ہاں میں سر ہلایا نہ ناں میں۔

☆☆☆

شکیلہ بیگم کا یہی احسان تھا کہ وہ چپ تھیں، بہنیں الگ منہ بنائے بیٹھی تھیں، ایسے میں ساری ذمہ داری خود بخود قدر پر آن پڑی تھی، چند لوگوں نے ہی آنا تھا بارات میں مگر پھر بھی انتظام تو دیکھنا ہی تھا ناں سو وہ بری طرح سے مصروف تھی نمرہ کے پاس پنکی تھی، ابا اور شجاع نمرہ کے زیورات لینے کے لئے ابھی گھر سے نکلے تھے، کچن میں مصروف قدر کو کوئی کام یاد آیا تو اپنے کمرے کی طرف آئی تھی مگر اچانک اپنے کمرے کا دروازہ کھولنے پر جو کچھ اس نے دیکھا اس کے ہوش اڑا دینے کے لئے کافی تھی، الماری کا پٹ کھلا پڑا تھا، سنی جو کہ اسے دیکھ کر حواس باختہ ہو گیا تھا، اپنا ہاتھ پیچھے چھپا لیا مگر پھر بھی قدر کی نظر سے وہ چھپا نہ رہ سکا کہ وہ ابا کی طرف سے دیا گیا اس کا اکلوتا گولڈ کا سیٹ تھا، دروازہ بند کرتی وہ آگے آئی۔

''بے فکر رہو سنی! میں کسی سے کچھ نہیں کہنے والی، مگر آپ کو مجھے بتانا ہو گا کہ آپ کیوں یہ زیور اٹھا رہے تھے اور کیا کرنے والے تھے؟'' نرمی سے اس نے اس کے ہاتھ سے ڈبہ لے کر بیڈ پر رکھا اور سنی کا بازو پکڑ کر اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے مامی! میں کچھ چرا نہیں رہا تھا ویسے دیکھ رہا تھا۔'' اب سنی کا اعتماد

کچھ واپس آیا تھا مگر لہجہ ابھی تک کھوکھلا ہی تھا۔
''آپ کی امی آپ کے منہ سے نکلنے سے پہلے ہر فرمائش پوری کرتی ہیں آپ کے پاپا دوبئی سے آپ کو باقاعدہ پاکٹ منی بھجواتے ہیں، گفٹس اور دیگر اشیاء الگ آپ کے لئے کسی آئے گئے کے ہاتھ بھیجتے رہتے ہیں، ابھی ایک ہفتہ پہلے آپ نے اپنے ماموں کے پیسے اٹھائے اور اب زیور...... آپ کی تو کوئی ایسی ضرورت نہیں جو پوری نہ ہو رہی ہو پھر کیا کر رہے ہو اور کیوں کر رہے ہو سنی؟ کس کے کہنے پر؟ دیکھو بیٹا مسائل کو حل کرنے کے لئے انہیں چھپانا نہیں بتانا پڑتا ہے، مجھے بتاؤ، یقین کرو میں ہر معاملے میں تمہارے ساتھ ہوں، تم ہمارے اپنے بچے ہو، تمہیں جو بھی مسئلہ ہے، پریشانی ہے یا ضرورت ہے اس کو حل کرنا یا پورا کرنا ہم بڑوں کی ذمہ داری ہے۔'' وہ دھیرے دھیرے اس کے بازو سہلاتی کہہ رہی تھی۔
''مامی مجھے بچالیں،...... بچالیں مجھے، وہ لوگ بہت خطرناک ہیں، اب تک مجھ سے بہت سی رقم ہتھیا چکے ہیں، ایک بار امی کی رنگ اور ایک بار ان کا گولڈ کا کڑا بھی دے دیا ہے مگر ہر بار پرامس کرتے ہیں کہ وہ سب کچھ واپس کر دیں گے مگر کرتے ہی نہیں اب ان کا کہنا ہے کہ کم از کم دو لاکھ روپے دوں تب وہ میری ساری وڈیوز واپس کر دیں گے۔'' اچانک لپٹ کر رونے والے سنی کی بات نے قدر کے اندر تک سنسنی سی دوڑا دی تھی۔
''کیسی وڈیوز سنی؟ مجھے کھل کر بتاؤ، ایسے میں کیسے تمہیں ان سے بچا سکتی ہوں، کون لوگ ہیں وہ اور تمہیں کیسے اور کیوں ٹریپ کر رہے ہیں۔'' سنی کو تھپک کر خود سے الگ کرتے اس نے محتاط نظروں سے بند دروازے کو دیکھا اور دل ہی دل میں ایک بار پھر ان ماں باپ کی غفلت کو کوسا جن کی عدم توازن زندگی اور طور طریقوں نے معصوم بچے کو نجانے کن لوگوں کے ہتھے چڑھا دیا تھا۔
اب سنی آہستہ آہستہ بتا رہا تھا، کہ پچھلے سال اس نے اپنے دوستوں کے کہنے پر ایک نیٹ کلب کی ممبر شپ لی تھی، جس کے ممبران میں لڑکے اور لڑکیاں بھی شامل تھے، چھ ماہ پہلے ان میں سے کچھ لوگوں کو ان کی قابل اعتراض تصاویر اور وڈیوز دکھائی گئیں اور دھمکایا گیا کہ اگر یہ واپس لینی ہیں تو ان کو مطلوبہ رقم فراہم کی جائے۔''
''وہ وڈیوز اور پکچرز اگر فیک ہیں تو تمہیں ڈرنے کی کیا ضرورت تھی سنی، ہمیں بتاتے، الٹا ہم ان کو معصوم بچوں کو ہراساں کرنے کے جرم میں پکڑوا سکتے تھے۔''
''وہ سب کچھ ریئل تھا مامی، ہم فرینڈز مل کر چل کرتے تھے تو فرینک نیس میں کچھ ایسی حرکتیں ہو گئیں کہ اگر وہ سب لیک ہو گیا تو ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔'' اس کے مجرمانہ اعتراف نے قدر کو کچھ دیر بولنے کے قابل نہیں چھوڑا۔
''اپنی عمر دیکھی ہے سنی تم نے، چودہ یا زیادہ سے زیادہ پندرہ سال اور حرکتیں، میں کچھ کہنے کے قابل نہیں ہوں اس وقت، ابھی تم جاؤ، نمرہ کی رخصتی خیریت سے ہو جائے پھر دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے، ابھی تم نے ان کی کوئی کال اٹینڈ نہیں کرنی اور کلب تو ہرگز نہیں جانا۔'' گھبرائی ہوئی آواز میں اسے سختی سے ٹوکتی وہ بولی، کہ اس المیے سے اس کا جی بھر بھر آ رہا تھا، پندرہ سالہ اس بچے کی ماں اس وقت بھی ماں کے کمرے میں ٹی وی پر ڈرامہ دیکھتے ہوئے اپنی سسرال کی بدخوئی میں مصروف ہوگی یہ اسے یقین تھا، جب مائیں اپنی ذمہ داری

موبائل اور ٹی وی کو بخش کر خود اولاد کی تربیت سے بری الذمہ ہو جائیں تو ایسے المیے جنم لیتے ہیں۔

''مامی! میں پرامس کرتا ہوں کہ آئندہ میں ایسی کسی ایکوٹی ویٹی میں حصہ نہیں لوں گا، مجھے بچالیں ایک دفعہ کسی طرح، کسی کو پتہ نہیں چلے، پلیز مامی!''

''اٹس اوکے سنی! میں نے کہا ناں، اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو اور معافی مانگو اپنے گناہوں کی، وہ توبہ قبول کرنے والا ہے میں وعدہ کرتی ہوں کہ اگر تم یہ سب چھوڑنے کا عہد کرو تو میں بہت جلد تمہیں اس مسئلے سے نکالنے کی کوشش کروں گی۔''

''وعدہ کرتا ہوں مامی، اللہ سے بھی معافی مانگوں گا، میں بہت پریشان ہوں، کئی بار تو سو سائیڈ کا بھی سوچا مگر پھر ہمت ہی نہیں ہوئی، رات کو نیند نہیں آتی کہ اگر وہ سب کچھ دنیا کو پتا چل گیا تو۔'' وہ روتے ہوئے بولا۔

''یہی تو المیہ ہے سنی کہ سب سے بڑی عدالت سب سے بڑی اور قوی طاقت کا ہمیں خوف ہی نہیں جو ہر پل ہر انسان کو دیکھ رہا ہے اور دنیا کیا کہے گی کہ خوف پل پل مارے دیتا ہے، ابھی جاؤ، تمہارے ماموں آنے والے ہوں گے اب اللہ پر بھروسہ رکھو اور مجھے صرف آج کا دن دو بلکہ جاؤ نمرہ خالہ کے پاس جاؤ، انہیں آج تم لوگوں کی ضرورت ہوگی، جاؤ شاباش۔'' سنی کو تسلی دے کر بھیجا اور خود بیٹھ کر گرنے والے انداز میں بیٹھ کر سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

☆☆☆

''اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے، ورنہ تو میں ڈر رہا تھا کہ ابھی اماں نے اٹھ کر کوئی رخنہ ڈال دینا ہے، تھینک یو، تھینک یو سو مچ قدر، تم سچ میں میری زندگی میں بہار بن کر آئی ہو، صرف نام کی قدر نہیں ہو تم، قدر کے تم خود بھی قدر کے قابل ہو، خدا کی قسم اگر تم میرا ساتھ نہ دیتیں اور ہمت نہ بندھاتیں تو میں کبھی بھی نمرہ کو رخصت نہیں کر پاتا۔'' اس نے اس کے ہاتھوں کو تھام کر شکر گزاری کے جذبات سے مغلوب ہو کر کہا تھا، پھر ایک دو باتوں کے بعد قدر نے سنی کے متعلق ساری بات کھل کر بتا دی تھی۔

''اوہ میرے خدا! یہ کن خطرناک لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا وہ بے وقوف اور اب کیسے ہم اسے اس چنگل سے نکال سکتے ہیں؟'' شجاع تو یہ سن کر بے حد پریشان ہو گیا اور سر ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گیا۔

''آپ پریشان مت ہوں شجاع، میں نے خود بہت سوچا ہے اس مسئلے پر جس مدرسے سے میں نے عالمہ کا کورس کیا تھا اس کی سربراہ بہت مشفق تھیں میرے ساتھ، ان کا بیٹا پولیس ڈیپارٹمنٹ میں اچھے عہدے پر فائز ہے، آپ کل میرے ساتھ چلیں، ان سے چل کر بات کرتے ہیں، وہ ضرور کچھ کریں گی اس حوالے سے، ایک ہمارا بچہ نہیں ہے کئی بچے اور بچیاں اس مسئلے کا شکار ہو کر ان ظالموں کے ہاتھوں کے ہاتھوں بلیک میل ہو رہے ہیں، انہیں اس سے نکالنا از حد ضروری ہے۔'' قدر نے ایک بار اسے پریشانی کے گرداب سے نکالنے کی کوشش کی تھی، اگلے ہی دن بغیر وقت ضائع کیے دونوں میاں بیوی مطلوبہ گھر پہنچے تھے، شکر ہے باجی کے ساتھ ان کا بیٹا جو کہ ڈی ایس پی تھا انہیں گھر پر ہی مل گیا تھا، جس نے اپنے تعاون کا بھرپور یقین دلاتے ہوئے کہا تھا کہ وہ سنی سمیت ان تمام بچوں سے ملنا چاہے گا، شجاع کے ذمہ اس نے یہ کام لگایا تھا، کہ جلد از جلد سنی سے تمام معلومات لے کر اسے دے اور آج ہی ان تمام بلیک میل ہونے والے

بچوں کو اس کے پاس تھانے لایا جائے، اس کے لئے ان کے والدین کو باخبر کرنا بھی ضروری تھا اور تمام بچوں کے بیانات ریکارڈ کرنا بھی تا کہ تمام ثبوتوں کے ساتھ بھرپور کاروائی کی جا سکے، کام اگرچہ مشکل تھا، پھر بھی شجاع نے اس کام کی حامی بھر لی تھی اور واپسی پر قدر کو گھر پر چھوڑ کر اسے سکول کے پرنسپل کو اعتماد میں لے کر پہلے سنی سے پوچھ کر تمام والدین سے ملنا تھا اور والدین سمیت بچوں کو تھانے لے کر جانا تھا۔

☆☆☆

''آ گئیں مہارانی صاحبہ! سیر سپاٹے کر کے، بی بی گھر بسانے کے لچھن سیکھو، ناشتہ کرا کر احسان کیا ہماری جان پر اور روانہ ہو گئیں گلچھرے اڑانے، اب تو نمرہ کو بھی گھر سے نکال باہر کر کے دل ٹھنڈا کر لیا، دوپہر ہونے کو آئی ہے صبح والے برتنوں کا انبار ویسے ہی پڑا ہے، کھانے کی کوئی خبر ہی نہیں کہ کیا پکے گا اور یہاں سیریں ہی نہیں ختم ہو رہیں۔'' گھر آتے ہی شکیلہ بیگم کے جارحانہ تیور سے اس کا سامنا ہوا تھا، مگر وہ کمال ضبط سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تا کہ عبایا اتار کر کچن کی خبر لے سکے، دماغ ویسے ہی سنی والے واقعے میں الجھا ہوا تھا، شجاع کی طرف سے کافی دیر سے کوئی خبر نہ آ سکی تھی اور اس کا فون بھی بند تھا، کھانا بنا چکنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں ظہر کی نماز کی غرض سے آئی تھی جب نمرہ کی اپنے خاوند اور ساس کے ہمراہ آمد ہوئی تھی، گھر میں صرف قدر نے ہی ان کا خوشدلی سے استقبال کیا تھا، ماں بہنیں ان سے ملی تو تھیں مگر مارے باندھے انداز میں، تھوڑی دیر بیٹھ کر وہ لوگ چائے وغیرہ پی کر اٹھ گئے تھے، پنکی نے سکول سے آ کر بتایا تھا کہ سنی کو شجاع ماموں سکول سے کہیں لے کر گئے ہیں اس لئے وہ لیٹ آئے گا، پنکی چونکہ اب قدر کی پکی مرید تھی سو کھانا کھا کے قدر کے کمرے میں ہی ظہر کی نماز ادا کی تھی پھر وہیں پر لیٹ گئی تھی، قدر نے نماز پڑھ کر شجاع کی کامیابی اور سنی کی ہدایت کے لئے دعا کی، کچن میں جا کر چائے بنائی اور کچھ سوچ کر شکیلہ بیگم اور ان کی بیٹیوں کی چائے لے کر اماں کے کمرے کی طرف آ گئی تھی، حسب معمول ٹی وی آن تھا اور تینوں ماں بیٹیاں اسی میں مگن تھیں، چائے تو اپنا حق سمجھ کر دھڑلے سے لے لی مگر نہ تو قدر کو شکریہ کہا نہ بیٹھنے کو، دوبارہ سے ڈرامے میں مگن ہو گئیں، جیسے اس سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی ضروری کام تھا ہی نہیں، کچھ سوچ کر وہ خود ہی بیٹھ گئی۔

''مجھے آپ سب سے ایک بات کرنی تھی بہت ضروری، اس لئے کچھ دیر کے لئے میری بات سن لیں پھر یہ سب دیکھتی رہیے گا۔'' اس نے گلا کھنکھار کر ملجی لہجے میں کہا۔

''سنا دو بی بی! اب کوئی نیا فتویٰ لگانا ہو گا ہم پر، ویسے بھی دنیا میں ایک تم ہی نیک بندی ہو اللہ کی، ہم تو سب کے سب گنہگار ہیں، گھر کے تمام فیصلے بھی تمہارے حکم سے ہونے لگے ہیں، ہم کون...... ہماری کیا مجال...... سنا دو۔'' نخوت سے کہتے انہوں نے ٹی وی کا والیوم آہستہ کیا، قدر کو اس پل اس ناعاقبت اندیش عورت پر نجانے کیوں ترس آیا تھا جو خود تو غلط طرز عمل پر عمر بھر کار بند رہی تھی اب اپنے بچوں کی بھی زندگی تباہ کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

''میں جانتی ہوں آپ میں سے کوئی بھی مجھے پسند نہیں کرتا، اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ نہ تو میں آپ کی پسند سے اس گھر میں آئی تھی نہ ہی اپنے ساتھ جہیز کے ٹرک بھرے لائی تھی، میرے پاس صرف ایک ہی زیور تھا، تعلیم کا، علم کا، جس پر

الحمد للہ مجھے فخر ہے۔''اس کی تمہید پر شکیلہ بیگم نے ہنکارا بھرا جبکہ بیٹیوں نے بھی منہ بنائے تھے۔

''آپ سب کے ناراض رویے کے باوجود میں نے اس گھر کو اپنا گھر اور گھر کے لوگوں کو اپنے سگے رشتوں سے بڑھ کر سمجھا، یہی وجہ تھی کہ اس گھر کے مسائل مجھے اپنے مسائل لگے، میرا آپ سب سے کوئی اختلاف نہیں صرف نظریات کا فرق ہے اور سب سے بڑا المیہ اس گھر کا بیاہی بیٹیوں کا اپنی ماں کے گھر مستقل قیام تھا، سسرال والوں سے قطع تعلق کر کے اور سب سے بڑی بات اپنے خاوندوں کو بھی اپنے گھر نہ جانے کی دھمکیاں دینا، اس کی کسی بھی کمزوری کو ہاتھ میں لے کر۔''

''تو بی بی! تمہیں کاہے کی تکلیف ہے؟ کھاتے اپنے میاں کا ہیں، رہتے اپنے باپ کے گھر ہیں، تمہیں کس بات کے مروڑ اٹھتے ہیں۔'' بڑی آپا پھٹ پڑیں، اس کی بات کاٹ کر انہوں نے چیخنے والے انداز میں کہا۔

''بخدا مجھے کسی سے کوئی تکلیف نہیں ہے، بس یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو فطرت کے تحت تخلیق کیا ہے، خانگی و عائلی زندگی کے علاوہ زندگی کے ہر رشتہ کے گزارنے کے طور طریقوں کو کھول کر اور واضح انداز میں بیان کیا ہے، جہاں اور جب کوئی قانون فطرت سے ٹکرائے گا، بگاڑ وہیں پیدا ہوگا، نقصان اسی فرد یا گھر کے حصے میں آئے گا جو قدرت کے اصولوں سے انحراف کی جرأت کرنے گا، قرآن میں اللہ نے ایسے ہی نہیں فرمایا کہ ''انسان خسارے میں ہے'' خدا کی قسم ہم نادان انسان اس خسارے کا علم ہی نہیں رکھتے۔'' اس کی آواز بھرائی۔

''آپ دونوں نے آپا اپنی دانست میں اپنے سسرال کو چھوڑ کر ماں کے گھر مستقل بسیرا کر کے ان کو نیچا دکھا دیا، مگر درحقیقت سب سے زیادہ خسارہ بھی آپ کے حصے میں آیا آپا۔'' چھوٹی آپا نے کچھ کہنا چاہا مگر اس نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

''میری بات ابھی مکمل نہیں ہوئی آپا، نمرہ کی ساس کے الفاظ تھے کہ شکیلہ بیگم کی بیٹیوں کو بیاہ کر لے جانے کا مطلب ہے اپنے گھروں کو برباد کرنا، کیا کل آپ اپنی بیٹی کے حوالے سے ایسے الفاظ سننا پسند کریں گی آپا، ہرگز نہیں کریں گی۔'' پھر وہ بڑی آپا کی طرف مڑی۔

''بڑی آپا آپ نے خود کبھی اپنے بھائی، شوہر اور ساس کو عزت نہیں دی، تو آپ کا بیٹا کیسے دیتا، جو چیز آپ کسی کو دیں گے نہیں، لینے کی کیسے توقع رکھ سکتے ہیں، عزت اور محبت تو ایسی نفع بخش چیزیں ہیں جتنی دو سود سمیت واپس ملتی ہیں، آپ نے ایسا کوئی سلسلہ رکھا ہی نہیں، نتیجہ کیا نکلا کہ آپ کا بچہ بری صحبت کا شکار ہو کر غلط لوگوں میں پھنس گیا۔'' پھر اس نے آہستہ آہستہ سنی والا سارا واقعہ اور اپنی اور شجاع کی آج کی ساری بھاگ دوڑ سنا دی، جسے سنتے ہی بڑی آپا کا رنگ فق ہوگیا۔

''دعا کریں بڑی آپا کہ شجاع آج کامیاب لوٹیں اور اب میں وہ بات کروں جس کے لئے یہاں آئی ہوں۔'' اس نے بڑی آپا کو روتے پیٹنے سے باز رکھتے ہوئے کہا۔

''بھائی صاحب نے ہر طرح سے آپ کو اپنی ماں کے پاس رہنے کو کہا، الٹا آپ نے ان کی بات ماننے کی بجائے طلاق ہی مانگ لی، وہ آپ کی ضد پر پردیس چلے گئے حالانکہ ان کے بھائیوں کے ساتھ ان کا کاروبار میں حصہ تھا مگر آپ ان کو کسی طرح سے ان کے خاندان سے

کاٹنا چاہتی تھیں مگر آپ نہیں جانتی تھیں کہ بعض دفعہ حالات اور وقت زندگی کی بساط پر آپ کے بچھائے ہوئے مہروں کو اپنی مرضی سے چلا کر آپ کو بے بس کر دیتے ہیں، مجھے آج ہی پتہ چلا کہ عمران بھائی پچھلے ہفتے سے یہاں ہیں، ان کی ماں نے اپنی یتیم بھانجی سے ان کی شادی کر دی ہے، وہ کب تک ایک غیر متوازن زندگی گزارتے آپا اور آپ کی غلط ضد نے آپ کے اوپر سوکن کو لا کر کھڑا کر دیا۔" اس نے تاسف سے کہا تو بڑی آپا تو صدمے کے مارے بول ہی نہ سکیں جبکہ شکیلہ بیگم اور چھوٹی آپا نے عمران بھائی اور بڑی آپا کو کوسنے دینے کا سلسلہ شروع کر دیا۔

"مجھے یہ بات آج نمرہ نے موقع پا کر بتائی، اسے اس کی ساس کی زبانی پتہ چلی ہے کیونکہ بڑی آپا کی ساس اور نمرہ کی ساس میں دور پرے کی رشتہ داری ہے۔" ساس کے استفسار پر اس نے آہستہ سے بتایا۔

"میں آپ کی دشمن نہیں ہوں آپا، مگر ابھی بھی وقت ہے آپ کے پاس، ایک نقصان تو ہو چکا، مزید نقصان سے بچنے کے لئے عمران بھائی کے پاس چلی جائیں، بیوی ان کو مل گئی ہے اولاد بھی ہو جائے گی، آپ خالی ہاتھ رہ جائیں گی، خدانخواستہ اگر اسی روش پر قائم رہی تو عورت کا منصب گھر بسانا ہے، بگاڑنا نہیں، اپنے بچوں کو ان کے رشتوں سے روشناس کرائیں ان سے محبت کرنا اور ان کو عزت دینا سکھائیں، عورت پر تو بہت بڑی ذمہ داری عائد کی ہے خالق کائنات نے، خدارا اپنی ذمہ داری پہچانیں۔" کہہ کر وہ مزید رکی نہیں تھی، بڑی آپا کو روتا اور چھوٹی آپا اور شکیلہ بیگم کو عمران بھائی اور ان کی ماں کو کوستا چھوڑ آئی تھی، شام تک شجاع بھی لوٹ آیا تھا، ذرا سہا سا سنی بھی ساتھ تھا۔

☆☆☆

کچن کا موسم اگر چہ گرم تھا، مگر ماحول نہایت خوشگوار تھا اس پل، دونوں چولہوں پر دھرے پکوانوں کو چیک کرتی بڑی آپا اور چھوٹی آپا، جبکہ چھوٹی گول ٹیبل کے پاس رکھی کرسیوں پر میوہ کاٹتی قدر اور سلاد بناتی نمرہ سب سے بڑا اور خوشگوار پہلو اس کا ماحول کا یہ تھا کہ ان کے درمیان نہایت خوشگوار انداز میں بات چیت ہو رہی تھی، کچھ ہی دیر میں ٹیبل پر کھانا لگ گیا تھا، جس کے لئے وہ تینوں بہنیں ہی پیش پیش تھیں کیونکہ قدر کی دو ماہ کی بیٹی عائشہ نیند سے جاگ کر اس کے پاس پہنچ چکی تھی۔

"بس بھابھی آپ اپنی شہزادی کو سنبھالئے اور آپ کا کھانا بھی میں ادھر ہی لگا دیتی ہوں، بار بار نقاب لگانا اور اتارنا مسئلہ بنے گا، آپ اطمینان سے یہیں کھانا کھا لیں، ہم لوگ باہر مردوں کو دیکھ لیتے ہیں۔" نمرہ نے مختلف چیزیں اس کے سامنے ٹیبل پر رکھ دیں، باقی دونوں نندوں نے بھی مسکرا کر تائید کی تھی، کچھ ہی دیر میں وہ عائشہ کو گود میں لئے ہوئے پوری آسودگی اور اطمینان سے کھانا کھا رہی تھی، گھر کے اس سکون کو پانے کے لئے اس نے بہت سمجھداری اور معاملہ فہمی سے کام لیا تھا، بیاہ کر آنے والی ہر لڑکی کو سسرال میں محبت، مقام اور عزت پلیٹ میں رکھ کر پیش نہیں کی جاتی، اس کو حاصل کرنے کے لئے عورت کو بہت کچھ قربان کرنا پڑتا ہے، اپنی آرزوئیں، خواہشات، خواب بہت کچھ، زندگی برتنے کے لئے وہ اپنے گھر سے دو انمول چیزیں ساتھ لے کر آئی تھی، صبر اور حسن سلوک پہلے پہل اگر چہ اسے ایسا لگا تھا کہ یہ سب کتابی باتیں ہیں، بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن پر انسان کی کوئی اچھائی اثر انداز نہیں ہوتی، اسے غصہ بھی آتا تھا

اور رونا بھی، خود پر ترس بھی آتا تھا اور اللہ سے کبھی کبھار شکوہ بھی کر لیتی تھی مگر پھر فوراً ہی اللہ سے معافی مانگ کر توبہ کر لیتی، آپا کے شوہر کی دوسری شادی نے حالات کو مزید خراب کر دیا تھا، شکیلہ بیگم مزید اس سے برگشتہ ہو گئی تھیں، ہاں ان دنوں کی ایک اچھی بات یہ تھی کہ سنی والا معاملہ حل ہو گیا تھا، بڑی آپا کے شوہر کے بعد حسن بھائی کی بھی ہمت بندھی تھی انہوں نے بھی چھوٹی آپا کو دھمکی دی تھی اگر وہ واپس اپنے گھر نہ گئیں تو وہ بھی عمران بھائی جیسا قدم اٹھانے پر مجبور ہو سکتے ہیں، اس دھمکی نے چھوٹی آپا پر خاطر خواہ اثر کیا تھا اور وہ پنکی کو لے کر واپس اپنے گھر چلی گئی تھیں اور قدر سے ناراضی کے طور پر کافی ماہ ماں کے گھر قدم نہ دھرا تھا، شکیلہ بیگم نے بھی قدر سے بول چال مکمل بند کر دی تھی، ہاں طعنوں اور کوسنوں کا سلسلہ جاری و ساری رہتا تھا، ان کے خیال میں اسی کو نحوست کی وجہ سے ان کے گھر کے حالات ایسے ہو گئے تھے، بڑی آپا کے خاوند پوری طرح اپنی دوسری بیوی کی طرف متوجہ ہو چکے تھے اور جب انہوں نے بڑی آپا کا خرچ دینا بھی بند کر دیا تب بھی قدر ہی تھی جس نے شجاع کے ساتھ جا کر عمران بھائی کو سمجھایا تھا کہ دوسری شادی کے بعد پہلی بیوی کو نظر انداز کر دینا ایک غلط کام ہے پھر انہیں مجبور کیا تھا کہ انہیں ایک بار پھر بڑی آپا کو منا کر واپس لے جانے کی کوشش کرنی چاہیے، کیونکہ وہ اب مستقل پاکستان شفٹ ہو چکے تھے، دو تین دفعہ کہنے کے بعد عمران بھائی بڑی آپا کو منانے پر راضی ہو گئے تھے، شجاع اور قدر نے آپا کو اور شکیلہ بیگم کو بہت سمجھایا تھا کہا بھی تو عمران بھائی ان کو لیجانے پر راضی ہیں، یہ نہ ہو کو اس بار وہ مزید کوئی انتہائی قدم اٹھالیں، آپا بھی دل سے ڈری ہوئی تھیں، بس عمران بھائی کے ایک بلاوے کے انتظار میں تھیں، جیسے ہی لینے آئے تھے ساتھ چل دی تھیں، نمرہ جب بھی آتی اس کی ساس ہمراہ ہوتیں، ہاں بڑی دونوں کے گھر واپس جانے کے بعد اب کبھی کبھار نمرہ اکیلی بھی آ جاتی، کچھ اس کی ساس کو اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ اپنی بہنوں سے مختلف گھر گرہستی میں دل لگانے والی ہستی تھی، شکیلہ بیگم کب تک قدر سے برا رویہ رکھتیں بیٹیوں کو اپنے گھروں میں خوش دیکھ کر ان کا دل نرم پڑ گیا تھا، کچھ قدر کی بڑوں کو محبت اور عزت دینے کی عادت نے رہی سہی کدورت کو بھی دل سے دھو ڈالا تھا، مشکل سے ہی سہی کٹھن دن ٹل چکے تھے۔

''سب سن لو، اپنی گڑیا عائشہ کو میں اپنی بہو بناؤں گی۔'' نمرہ کے اعلان پر شکیلہ بیگم سمیت سب ہکا بکا رہ گئے کہ ابھی وہ صرف امید سے تھی۔

''ارے بھئی! اللہ سے بیٹا مانگا ہے ہم نے اور مجھے چونکہ ایک مکان میں نہیں رہنا، ایک گھر، ایک گہوارہ بنانا ہے جس میں ایک نسل کی آبیاری قدر بھابھی جیسی ہی عورت کرے، کیونکہ وہ جانتی ہیں کہ گھر کیسے بنائے جاتے ہیں۔'' اس نے اطمینان سے کہا تو سب کے ساتھ ساتھ قدر بھی مسکرا دی تھی، آگے کے راستے شفاف اور روشن تھے۔

☆☆☆

صدف آصف

پنڈال کی چھت سے لٹکتے ان گنت قمقموں سے نکلتی روشنی نے سماں بندھا ہوا تھا، اچانک لائٹ بند ہوگئی اور تیز روشنی کا بڑا سا دائرہ اسٹیج کے ساتھ بنے فلور کے گرد جال بنتا چلا گیا۔ مقابلے کے لیے، ایک تیز دھن چھیڑ دی گئی، وہ دونوں بھی بڑی چابکدستی سے رقص کرنے میں محو ہوگئے، مقابلہ بڑے زور و شور سے جاری تھا۔ مہندی کی اس تقریب میں تقریباً پانچ سو سے زائد مرد اور خواتین اپنی نشستوں پر براجمان مقابلے میں کھوئے ہوئے تھے۔ لڑکی والوں کی طرف سے ملکوتی حسن کی مالک فرزین کمال ڈانسنگ فلور پر آئی تو لڑکے والوں کو ثالث سہیل جیسے ڈیشنگ بندے کو زبردستی میدان میں اتارنا پڑ گیا کیوں کہ ان کی طرف سے وہ ہی ایک بندہ تھا جو لڑکی والوں کو منہ توڑ جواب دے سکتا تھا۔

ایک گانے پر وہ پرفارمنس دیتا تو دوسرے پر فرزین، جس کی ڈریسنگ دیکھنے کے قابل تھی۔ وائٹ اور پنک امتزاج کی میکسی جس پر اسٹون کا نفیس سا کام بنا

ناولٹ

ہوا تھا، اس پر خوب جچ رہی تھی۔ سنہری بالوں کے اونچے سے جوڑے کے گرد لپٹی سفید بیلے کی کلیاں۔ اس کی جانب اٹھتی نظریں پلکیں جھپکانا بھول گئیں۔

ڈھولک کی تھاپ میں تیزی آتی چلی گئی، ایک دم سے سارے ہال میں لائٹ جل اٹھیں، ساتھ ہی ان دونوں کے پیر بری طرح سے تھرکنے لگ گئے۔ وہ جیتنے کے لیے کمر کس چکے تھے، سیٹیوں اور تالیوں کی گونج نے فضاء میں ارتعاش برپا کیا ہوا تھا، روشنیوں کی بھرمار نے رات کے اندھیرے کو چمکتے ستاروں میں بدل دیا۔ فریقین کی کامیابی اور ناکامی کا انحصار اس بات پر تھا کہ کون پہلے تھک کر ہار مان لیتا ہے، مگر نہ ان دونوں کی سانسیں اکھڑی نہ ہی پیروں میں لرزش پیدا ہوئی، انہیں اپنے قدموں کی جنبش پر بلا کا کمال حاصل تھا اسی لیے فلور پر جمے رہے۔ لڑکے لڑکیوں کا گروپ اپنی اپنی سائیڈ والوں کو جتانے میں کوشاں تھا، جہاں تالیاں بجا بجا کر، ایک دوسرے پر آوازیں کستے رہے، وہیں ان کی

حوصلہ افزائی بھی کی جارہی تھی۔ محفل میں موجود ہر ایک اس مقابلے سے لطف اندوز ہو رہا تھا مگر عنایا منصور کا غصہ سے برا حال ہونے لگا۔ وہ اپنے ہرفن مولا کزن کی ایسی اوندھی حرکتوں سے ہمیشہ نالاں رہتی تھی۔

''ایسی حرکتیں دیکھ کر کون یقین کرے گا کہ یہ شخص ایک ذمہ دار ڈاکٹر ہے'' عنایا نے بڑبڑ کرتے ہوئے ثالث کو کئی اشارے کیے مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

''ثالث نے بھی وہیں سے آنکھیں دکھائیں، ایسے وقت اسے اپنا ہوش نہیں تھا، بس جیتنے کی لگن، محفل لوٹ لینے کی خواہش نے اس کے وجود میں پارہ سا بھر دیا۔۔عنایا کی صبح ایمرجنسی وارڈ میں ڈیوٹی تھی مگر یہاں تو تقریب ختم ہونے کے کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ڈھلتی رات کے ساتھ تقریب کی رنگینیاں بام عروج تک جا پہنچی۔عنایا کا بس چلتا تو وہ ثالث کو کھینچ کر اسٹیج سے نیچے اتارتی اور گاڑی میں بیٹھ کر گھر روانہ ہو جاتی۔ اب تو ایسا ہونا مشکل ہو گیا۔ وہ فلور پر ایسے جما تھا جیسے نیچے اترے گا ہی نہیں۔ عنایا کو اگر پتا ہوتا کہ وہ یہاں آکر ایسی طوفان بدتمیزی مچائے گا تو

کبھی اس کے ساتھ نہ آتی۔

اچھا۔ بچو۔ ٹھہرو۔ تمہیں۔۔ ابھی مزہ چکھاتی ہوں۔۔'' عنایا کو بدلہ لینے کی سوجھی، ٹھوڑی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے موبائل سے اس کی وڈیو بنانے لگی۔

''ڈاکٹر صاحب کے اب۔ ہوش ٹھکانے آئیں گے'' مرمرہ کو وڈیو بھیجتے ہوئے ایک کمینی سی مسکراہٹ اس کے لبوں سے چپک گئی۔

☆☆☆☆

کاش اس وقت عنایا گھر پر ہوتی تو ہم دونوں مل کر کوئی ہلہ گلہ کرتے'' چینل سرچنگ کرتے ہوئے مرمرہ نے اپنی کزن کو دل سے یاد کیا۔

''چلو۔ وہ نہیں تو کیا۔ چوہے بلی کا کھیل ہی سہی''۔ ٹام کو جیری کے پیچھے بھاگتے دیکھ کر وہ مزے سے پیر ہلاتے ہوئے سوچنے لگی۔

ٹام اینڈ جیری شو دیکھتے ہوئے مرمرہ کا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا، بوریت سے چھٹکارا پانے کے لیے یہ اس کا آزمودہ نسخہ تھا۔ عنایا گھر پر نہیں تھی، مما۔۔ پپا چھوٹی بہن اور بھائی کے ساتھ رشتے داروں کی طرف نکل گئے۔ وہ اکیلی جان جب لیٹے لیٹے جمائیاں لے کر اکتانے لگی تو ٹی وی لاؤنج میں چلی آئی۔ اس کا یہ ہی معمول تھا۔ تنہائی ملتے ہی وہ کارٹون چینل لگا کر بیٹھ جاتی، کبھی کبھی عنایا کی مذاق اڑانے والی نظروں سے بچنا ہوتا تو مدبر بننے کے لیے کسی اچھی سی کتاب کو تھام کر اس میں محو ہونے کی ایکٹنگ کرتی۔ ورنہ بیچ والا دروازہ کھول کر عنایا کے ساتھ چچا کے گھر چلی جاتی۔ اور چچی سے نگاہیں بچا کر کچن کی جانب دوڑ لگائی جاتی۔ وہ اور عنایا فروٹ چاٹ بناتے، فریزر میں رکھے کباب اور سموسے تلتے پھر چائے کے ساتھ دونوں مل کر پارٹی مناتے۔ کبھی کبھی جب کھانے کی چیزوں کی خوشبو لہراتی بل کھاتی اوپر پہنچ جاتی تو ثالث سیڑھیاں پھلانگتا ہوا سیدھے ان کے کمرے میں چھاپہ مارتا اور ان کے شور مچانے کے باوجود ان کے ساتھ شامل ہو کر کھانے کی چیزوں پر ہاتھ مارنے لگتا۔ عنایا یہ سب سوچتی ہوئی مسکرائی۔ اچانک پاس رکھے سیل فون میں وائبریشن ہوئی، مرمرہ کا دھیان کارٹون سے ہٹ گیا، اس نے گود میں رکھا ہوا پاپ کارن کا باؤل سائیڈ ٹیبل پر رکھا، ریموٹ سے ٹی وی کی آواز ہلکی کی اور فون چیک کیا۔

''عینی کو بھی چین نہیں۔۔ مہندی سے بھی مجھے وڈیو بنا کر بھیج رہی ہے'' مسکراتے ہوئے ایپ کھولی اور اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے، قہقہہ لگانا بھول گئی، حزن وملال کی کیفیت کے ساتھ سرمئی آنکھوں میں نمی بھر گئی، اس کی مکمل توجہ وڈیو پر مرکوز ہو کر رہ گئی باقی باتیں بھول گئیں۔

''کاش میں عنایا کی بات مان کر ان دونوں کے ساتھ چلی جاتی'' اسے ملال نے آگھیرا۔

مہندی کی تقریب ملک فیروز کی تھی جو ان دونوں کے اسپتال میں ایڈمن آفیسر تھا، اسی وجہ سے عنایا کو ثالث کے ساتھ جانا پڑا۔ ان کے اصرار کے باوجود مرمرہ نے

"بریگانے کی شادی میں عبداللہ دیوانے" کا نعرہ بلند کرتے ہوئے گھر پر رکنے کو ترجیح دی۔ کالج میں اسپورٹس چل رہے تھے، پوری دوپہر گراؤنڈ میں دھوپ کھانے کے بعد وہ تھک ہار کر گھر لوٹی تو اس کے اندر مزید دو قدم چلنے کی سکت بھی نہ تھی۔ عنایا کے اصرار کے باوجود بن سنور کر غیروں کو بلاوجہ کی خوش اخلاقی دکھانے کا اس کا بالکل موڈ نہیں بنا۔ اسی لیے جانے سے انکار کر دیا اب سیل فون پر آئی ویڈیو نے اس کا موڈ خراب کر دیا "اچھا تو میری غیر موجودگی میں جناب نے خود کو نمایاں کرنے کا موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا" اس نے پاپ کارن کو دانتوں تلے یوں کچلا جیسے ثالث سہیل کی ذات ہو لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ ثالث نے اپنی خوشی سے یہ سب نہیں کیا۔

وہ بھی کیا کرتا لڑکی والوں کی جانب سے بھنگڑا ڈانس کا چیلنج کیا گیا، کوئی آگے نہیں بڑھا تو دوست کی عزت رکھنے کی خاطر اسکی التجا پر میدان میں کود پڑا اور منٹوں میں لڑکیوں کا منظور نگاہ بن گیا۔ عنایا نے بھی جانے کس جنم کا بدلہ نکالا کہ ڈاکٹر صاحب کی لائیو پرفارمنس کیمرے میں قید کرنے کے بعد مرمرہ کو بھیج دی۔ اب وہ بار بار یہ ویڈیو کلپ دیکھتے ہوئے جلتی بھنتی ان دونوں کو کوسنے لگی۔

☆☆☆☆

مرمرہ مشہود کا سارا ددھیال الگ الگ پورشن میں رہنے کے باوجود ایک دوسرے کے گھر ہی پایا جاتا تھا۔ وسیع رقبے پر تین ایک جیسے پورشن بنوانے کے بعد اندر سے ایک راستہ کھلا رکھوایا گیا تھا۔ اسی لیے بظاہر علیحدہ پورشن ہوتے ہوئے بھی "علوی ہاؤس" اندر سے رہنے والوں کے لیے ایک ہی تھا۔ فی زمانہ دنیا کا چلن بدلنے کے باوجود اس گھر میں رہنے والوں کی آپس میں یگانگت و محبت میں کمی نہ آسکی تھی۔

نیچے کے پورشن میں مرمرہ کی فیملی، دوسرے میں اس کے چاچا منصور علوی یعنی عنایا کا خاندان اور اوپر والے پورشن میں ان لوگوں کی بڑی پھوپھی فوزیہ سہیل رہائش پزیر تھیں۔ یعنی ثالث سہیل کی فیملی۔ لمبا چوڑا ثالث

دیکھنے میں جتنا خوبرو اور پرکشش تھا، اندر سے بے چین
اور متلون مزاج تھا۔ اسے کسی پل قرار نہ ملتا۔ وہ زندگی کی
ہر خوب صورتی سے پیار کرتا تھا۔ فطرت کی ہر ہر دلکشی کو
اپنے اندر جذب کر لینے کی خواہش اس کے اندر تحرکی رہتی
تھی دراصل ثالث سہیل کی وجاہت اور خوب روئی اس
کے لیے ایک بہت بڑا پلس پوائنٹ ثابت ہوتی جو ہر کسی کو
اپنی جانب کھینچ لیتی۔ خاص طور پر اس کی شفاف براؤن
آنکھوں سے چھلکتی شرارت، بھرے بھرے ہونٹوں کی
متوجہ کرتی مسکراہٹ سامنے والے کو سحر زدہ سا
کر دیتی۔ یہ اور بات ہے کہ حسن کا شیدائی کبھی کبھی خود
بھی مشکل میں گرفتار ہو جاتا، خاص طور پر صنف نازک
،اس کی خوش اخلاقی کی عادت کو دل سے لگا کر بیٹھ
جاتی۔۔ وہ بڑی صاف دلی سے ہر اچھی شے کو سراہتا۔ پر
اس کی تعریف کبھی کبھی سامنے والے کو غلط فہمی میں مبتلا
کر دیتی۔۔ یہ حقیقت تھی کہ اس کی فطرت میں آوارگی
شامل نہیں تھی۔ بس وہ ہر اچھی شے کو اپنے آس پاس دیکھنا
چاہتا تھا وہ اس میں کامیاب بھی رہتا مگر کبھی کبھی یہ بات
اسے بہت مہنگی پڑ جاتی۔

ایسے موقعوں پر اگر مرمرہ آس پاس ہوتی تو اس کے دل
میں چھید پڑنے لگتے، آنکھوں کے سرمئی پن میں گلابی
ڈورے تیر جاتے۔ عنایا تو آستین چڑھا کر اس کا سر گنجا
کرنے پر تل جاتی اور وہ ''جل تو جلال تو، آئی بلا کو ٹال تو''
کہتا ہوا وہاں سے بھاگ لیتا۔

مرمرہ سے اس مسئلے پر کئی بار زوردار لڑائی بھی ہو چکی تھی مگر
وہ لاپرواہ سا لڑکا، ہنس کے ٹال جاتا۔ دو تین دن احتیاط
کرنے کے بعد پھر سے وہ ہی ہنسی مذاق موج مستی شروع
۔۔ بس مرمرہ اس کی حرکتوں پر کڑھتی رہتی۔ یہ اس کی
قسمت کی خوبی تھی یا خرابی، کہ مشہور زمانہ لیڈی کلر ثالث
سہیل ہی اس کی پریم کہانی کا ہیرو، دنیا میں سب سے
زیادہ اپنا تھا۔ ایک طرف ثالث کی متنوع مزاجی، جستجو کی
کہانی، تلاش کے قصے، دوسری جانب نازک سے بندھن
کی زنجیروں سے لپٹی ہوئی مرمرہ کی محبت، ان باتوں کے
بعد احساسات پر ضرب کی طرح پڑتے۔۔

☆☆☆

گھڑی نے رات کے بارہ بجنے کا اعلان کیا، مگر ابھی تک
مہندی کی رسم نہیں ہوئی۔ دونوں میں سے کوئی بھی ہار
ماننے کو تیار نہیں تھا، اسی لیے اب کے بعد ایک تیز دھن
پر بے تحاشہ رقص کرتے چلے گئے، بہت دیر گزرنے کے
بعد بھی مقابلہ نتیجہ خیز ثابت نہ ہوا۔ دلہن سر جھکائے
جھکائے، رسم کے انتظار میں تھک گئی، بچے بھوک سے بلکنے
لگے اور دلہا کے بڑے بھائی ۔۔ افروز کے صبر کا پیمانہ
لبریز ہو کر چھلک گیا، انہوں نے پنڈال میں جا کر دونوں
طرف کے لڑکے لڑکیوں کو سمجھانا شروع کیا۔ دونوں طرف
کے بزرگوں نے رسم شروع کرنے کے لیے شور
مچا دیا۔ اتنی ڈانٹ پھٹکار کے بعد ایک لڑکے نے منہ
بسورتے ہوئے جا کر میوزک کو بند کر دیا۔ ردھم ایک
چھناکے کے ساتھ ٹوٹ گیا۔ اس کے ساتھ ہی فرزین اور
ثالث کے تھرکتے پاؤں بھی تھم گئے۔ ان دونوں کی
سانسیں پھول رہی تھیں، مہمانوں نے اپنی نشستوں سے
کھڑے ہو کر تالی بجا کر انہیں داد پیش کی، تو وہ مسکرا کر
ہاتھ ہلانے لگے۔ عنایا جو بہت دیر سے ثالث کی فضول
حرکتوں کو برداشت کر رہی تھی، یہ منظر دیکھ کر سکون کا
سانس لیا۔ ہال تالیوں کے شور سے گونج رہا
تھا، جہاں دلہن کی سہیلی نے ان کی عزت رکھی تھی
۔ وہیں دلہا کے دوست نے بھی لڑکے والوں کا سر جھکنے
نہیں دیا۔

عنایا کی نگاہیں اپنے کزن پر مرکوز تھیں، مقابلہ ختم ہونے
کے باوجود وہ جھک کر فرزین کے کانوں میں سرگوشی کرتا ہوا
زہر سے بدتر لگ رہا تھا۔ ثالث کی کسی بات پر فرزین کا
چہرہ ایک دم عنابی پڑ گیا اور نقرئی ہنسی ہونٹوں کے گوشوں
سے جیسے چپک گئی۔ رسم کے دوران ہی مہمانوں کا خیال
کرتے ہوئے کھانا کھول دیا گیا۔ رات کے ایک بج
چکے تھے عنایا کا بھوک سے برا حال ہونے لگا، اس نے
غصے سے ان دونوں کو گھورا جو جانے کون سی داستان حمزہ

چھیڑے بیٹھے تھے۔
عنایا نے آنکھیں سکوڑ کر دیکھا ثالث۔۔اب فرزین کے سنہرے بالوں کے ہالے میں سجے شگفتہ چہرے کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔اس سے اور کچھ نہ بن پڑا تو ٹک ٹک کرتی ہیل کے ساتھ ڈانسنگ فلور پر چڑھ گئی اور ثالث کا بازو تھام کر اسے زبردستی کھینچتی ہوئی نیچے لے آئی۔فرزین کے نازک سے لب حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔
وہ ارے۔۔ارے کرتا رہ گیا،مگر عنایا نے ایک نہ سنی۔پلیٹ میں کباب پراٹھا نکال کر اسے تھمایا اور خود بھی بڑے بڑے نوالے نگلنے لگ گئی اور کھانا ختم ہوتے ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی کی طرف بڑھ گئی،فرزین کی نگاہیں ثالث کو ڈھونڈتی ہی رہ گئی

☆☆☆☆

دکھ کی شدت سے مغلوب،اس کی،بڑی بڑی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات جاری ہو گئی،گلابی لب کپکپاتے ہوئے مزید خوبصورت لگنے لگے،گول معصوم سا سفید چہرہ شدت غم سے سرخ پڑ گیا،عنایا نے سرد آہ سینے میں دبائی اور خاموش نگاہوں سے اس کا معائنہ کیا،شاید اس کے پاس آنے سے پہلے بھی وہ کافی آنسو بہا چکی تھی تب ہی آنکھوں کے ڈورے گلابی ہو رہے تھے۔مرمرہ عنایا کی کزن ہی نہیں عزیز از جان سہیلی بھی تھی مگر وہ اس کے ہر ایک سے دب جانے کی عادت سے بری طرح سے چڑتی تھی۔عنایا شروع سے بڑی خود اعتماد شخصیت کی مالک ہونے کے ساتھ ساتھ حقوق نسواں کی علمبردار تھی۔وہ عورت کو مضبوط دیکھنا چاہتی تھی،مگر کمزور سے دل کی مالک مرمرہ شبود ہمیشہ اس کی امیدوں پر پانی پھیر کر رکھ دیتی وہ اپنے حق کے لیے بھی نہیں بولتی،عنایا اسے طعنہ بھی دیتی رہتی کہ ثالث نے اس کا انتخاب اسی وجہ سے کیا ہے کہ وہ تا عمر اس کو اپنی انگلیوں پر نچاتا ہے۔وہ اس بات پر پلکیں اٹھا کر معصومیت سے دیکھتی اور سر جھکا لیتی تو عنایا کو اس پر ٹوٹ کر پیار آتا۔

''مزید ایک آنسو بھی تمہاری آنکھ سے ٹپکا تو۔۔۔'' عنایا نے اسے سوں سوں کر کے مسلسل روتے دیکھا تو ڈرانے کے لیے پیروں سے چپل اتاری۔
روؤں نہیں تو کیا بھنگڑے ڈالوں'' وہ منہ پھلا کر بولی اور سر جھکا کر اس کا وار خالی جانے دیا۔
''دل چاہتا ہے چار چوٹ کی مار لگاؤں'' عنایا نے حرف تسلی یا دلاسہ دینے کی جگہ دھمکایا۔
''تم ہی فساد کی جڑ ہو۔کیا ضرورت تھی مجھے مہندی والی وڈیو بھیجنے کی'' مرمرہ نے سارا الزام عنایا پر دھر دیا۔
''واہ۔۔واہ کیا کہنے یعنی کہ میں نے تو تمہیں ثالث کے کرتوت لائیو دکھائے اور تم الٹا مجھ پر ہی برس رہی ہو'' وہ بھلا اس کے رعب میں آتی ایک دھمو کا رسید کیا۔
''نہ دکھاتی۔۔کم از پوری رات میرا تکیہ تو نہ بھیگتا'' اس نیاس نے بازو سہلاتے ہوئے بتایا تو عنایا کو اس پر پیار آ گیا۔
''لڑکی۔۔تمہارے پیار نے اس انسان کو اتنا قدر خود غرض بنا دیا ہے۔۔اس کا جو دل چاہتا ہے کرتا پھرتا ہے'' عنایا نے اس کی آوارہ لٹ کو کان کے پیچھے دھکیلتے ہوئے سمجھانا چاہا۔
''میں نے کیا کیا ہے؟'' نم آلود لہجے سے ناراضی چھلک اٹھی۔
''ڈاکٹر کو اتنا سر پر چڑھانے کی کیا ضرورت تھی؟'' عنایا نے ماتھا پیٹتے ہوئے سوال کیا۔
''ان کی نہ مانوں۔۔تو۔۔پھر کیا کروں؟'' مرمرہ کی آواز میں تھکا دینے والے صبر کی صدائیں گونج اٹھیں۔
''اپنے حال پر نہیں تو۔۔کم از کم مستقبل پر ہی ترس کھا لو۔۔'' وہ تیز لہجے میں بولی۔
''بات سنو۔اگر ایک پتھر کو بھی کسی کے ساتھ سالوں سے باندھ دیا گیا ہو تو اس سے انسیت ہو جاتی ہے،وہ تو اس قدر ڈیسنٹ ڈاکٹر ہے کہ دل خود بخود اس کی جانب مائل ہو جاتا ہے۔۔پھر منگنی کے اتنے سال گزرنے کے بعد یہ واویلا بیکار ہے۔'' اس نے بھنویں اچکائیں۔

''۔میرا بس چلے تو اس کا سر بعد میں توڑوں پہلے تمہارا قلع قمع کر دوں'' اس کی باتوں پر عنایا کا غصہ بڑھنے لگا۔

''میڈم۔قلع قمع تو میں تمہارا کرنے والی ہوں۔یہ سب تمہاری رچائی ہوئی سازش تھی'' مرمرہ نے ہمت کر کے اسے ایک دھپ رسید کی جواب میں تیز ناخنوں سے نوچا گیا۔

''میں نے کون سی۔۔سازش۔کی ہے کمنی۔؟'' عنایا نے ماتھے پر بل ڈال کر اسے گھورا۔

''اپنی یادداشت کو ذرا جھاڑ و پونچھا مارو۔یاد ہے نا کہ۔، میں ثالث سے کتنا چڑتی تھی'' مرمرہ نے اس کی کلائی پر چٹکی نوچ کر کچھ یاد دلایا

''ہاں۔۔۔تو؟'' کلائی سہلاتے ہوئے اسے دور دھکیلا۔

''وہ تم ہی تھی نا جو گھر والوں کے کہنے میں آ کر میرے سامنے ہر وقت ثالث ڈاکٹر صاحب کی تعریفیں کرنے میں لگی رہتی کہ ثالث ایسا۔ہے۔میرا بھائی ویسا ہے اور اب۔۔جبکہ میری یہ حالت ہوگئی ہے کہ چاہے بھوک سے آنتوں میں بل پڑ جائیں مگر جب تک وہ گھر واپس نہ لوٹے نوالہ حلق سے نیچے نہیں اترتا تو تم ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کی منفی باتیں مجھ تک پہنچا رہی ہو۔'' طیش میں اس کا گلابی چہرہ ایک بار پھر سرخ پڑ گیا۔۔

''ہاں۔۔تو کیا کروں۔آنکھیں بند کر کے بیٹھ جاؤں۔وہ میرے ڈر سے تو ذرا جامے میں رہتا ہے، ورنہ تم سے تو کچھ نہیں ہونے والا'' عنایا نے چٹکی کاٹ کر جتایا۔

''احسان۔۔۔عظیم'' وہ کمر سہلاتے ہوئی اسے گھور کر بولی۔

''میڈم۔۔صرف۔تمہاری خاطر میں نے اپنے ہونے والے جیٹھ کی زندگی عذاب بنا رکھی ہے، ورنہ سوچو۔۔کون ہوگا جو سسرال والوں سے یوں کھلم کھلا جھگڑا مول لے گا'' عنایا نے مٹھیاں بھینچ کر اسے جتایا۔دراصل وہ ثالث کے چھوٹے بھائی سے منسوب تھی۔

اس بات پر تو عنایا حق پر تھی اسی لیے مرمرہ نے خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی، مار پیٹ کا سیشن اس خاموشی کے ساتھ ہی اختتام پزیر ہوا۔اسے عنایا کے خلوص پر ذرا سا بھی شبہ نہیں تھا۔مگر حالات کچھ ایسے ہو گئے کہ وہ چاہ کر بھی کچھ نہ کر پاتی۔ایک جانب محبت تو دوسری طرف دوستی۔اس نے اپنی بے بسی پر خود ہی ترس کھایا ساتھ ہی بڑی زور کا۔رونا آنے لگا۔سوں سوں کرتے ہوئے عنایا کے پلو سے ناک پونچھی تو اس نے جل کر اپنا دوپٹہ چھڑا لیا۔۔

☆☆☆☆

مرمرہ کی بڑی منتوں کے بعد ثالث نے اس کے لیے ٹائم نکالا اور گھر کے قریب واقع شاپنگ پلازا میں لے آیا۔وہ جلدی جلدی ضروری اشیاء خریدنے لگی۔من پسند شیمپو اور کنڈیشنر خریدنے کے بعد ادھر ادھر دیکھا تو ثالث غائب۔وہ تیزی سے گلاس ڈور تک آئی اور پریشان نگاہوں نے ثالث کو ڈھونڈا، وہ کونے والی کافی شاپ کے پاس کھڑا ایک حسینہ سے ہم کلام، دکھائی دیا۔حسن تو خیر آپ ایک حقیقت ہے مگر اس لڑکی کے وجود کے گرد ایک عجیب سی کشش کا ہالہ تھا۔مرمرہ کے دل میں خطرے کی گھنٹی زور زور سے بجنے لگی۔وہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی ان کے نزدیک پہنچی اور بڑے استحقاق سے ثالث کا بازو تھام کر برابر میں کھڑی ہوگئی۔مرمرہ سمجھ گئی تھی کہ ہمیشہ کی طرح یہ لڑکی بھی سر راہ ملنے والی اس کی کوئی پرانی دوست یا شناسا ہوگی۔جس کی وجہ سے وہ ایک بار پھر اس کی ذات کو فراموش کر چکا تھا۔

ڈاکٹر صاحب اپنی دھن میں مگن بولے جا رہے تھے۔اس لیے مرمرہ کی حرکت پر غور نہ کیا مگر اس لڑکی نے چونک کر مرمرہ کے تیور دیکھے اور نرمی سے مسکرائی۔کوئی سوال جواب کرنے کی جگہ اس نے لب بھینچ کر ان دونوں کو باری باری دیکھا۔ایک غیر لڑکی کے لیے ثالث کی محویت نے دل میں گویا برچھی کی نوک چبھو دی۔اسے عنایا کا دیا ہوا تازہ تازہ لیکچر یاد آیا تو ہمت کرنے کی سوچی

''چلیں۔۔۔'' وہ بیزار صورت بنا کر بولی تو ثالث نے اپنی بات ختم کی اور لڑکی سے اجازت مانگ لی۔

''بہت شکریہ ڈاکٹر ثالث''۔لڑکی نے متانت سے سر ہلایا اور دوسری سمت مڑ گئی
اس لڑکی کے جانے کے بعد۔ثالث بے فکری سے گنگناتا ہوا،آگے بڑھ گیا۔وہ پیچھے لپکی۔
''انسان کم از کم موقع محل تو دیکھ لیتا ہے۔ مرمرہ نے بے چینی سے چلتے ہوئے ناراضگی دکھائی۔
''اب مجھ سے کیا قصور ہوا؟'' گنگنانا بھول کر اس نے مڑ کر حیرت سے پوچھا۔
''آپ۔۔ہمیشہ ہی ایسا کرتے ہیں'' مرمرہ کی سرمئی آنکھوں میں شکوے تیر گئے۔
''ہمیشہ تو نہیں۔۔مگر کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔یار۔''اس نے دلکش انداز میں مسکرا کر ایک آنکھ میچ لی تو مرمرہ کی ناراضگی اڑن چھو ہوگئی۔
''پرامس کریں۔۔کہ آئندہ کسی بھی لڑکی سے یوں فری ہو کر بات نہیں کریں گے'' بے ساختہ منہ سے نکلا۔
''کیا۔۔میں نے کبھی خود کو تم سے چھپانے کی کوشش کی ہے؟''اس کا موڈ آف ہو گیا،چڑ کر سوال پوچھا۔
''نہ۔۔۔نہیں۔۔''وہ بدلتے تیوروں سے خوف زدہ ہوگئی۔
''،جو ہوں جیسا ہوں۔۔تمہارے سامنے ہوں۔اب۔۔اس کے باوجود تمہیں مجھ پر یقین نہیں تو میں کیا کر سکتا ہوں'' ثالث نے جذباتی ہو کر تقریر جھاڑی۔چہرے پر ایک دم سنجیدگی چھا گئی۔
''یہاں۔۔بات اعتبار کی نہیں۔۔۔۔''اس نے صفائی دینا چاہی مگر زبان سے مزید کچھ نہ نکلا۔
'' کچھ نہ بولو۔۔یہ تمہارا نہیں میری چاہت کا قصور ہے۔۔جو تمہارا اعتماد جیتنے میں ناکام ہوگئی ہے''اس نے ہاتھ اٹھا کر کچھ کہنے سے روک دیا۔
''آپ۔۔میرے بنے ہی کب ہیں''شکوہ لبوں پر مچل اٹھا۔
''دیکھو۔جان۔۔کسی ایک کا ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ باقی دنیا سے ناطہ توڑ لیا جائے''ثالث جانے کیا سمجھانا چاہ رہا تھا۔
''یہ کیا بات ہوئی۔۔انسان کسی کی خاطر خود کو بدل تو سکتا ہے''مرمرہ کو بھی غصہ آگیا۔
''اچھا۔۔ٹھیک ہے۔۔میں خود کو نہیں بدل سکتا ہوں۔۔پھر؟''اس کے تیکھے تیور دیکھ کر وہ بری طرح سے جھلا گیا۔
اس کے''پھر'' نے مرمرہ کو زبان بند کرنے کا سگنل دے دیا۔
''میں تمہیں۔۔۔ہر بات کی وضاحت نہیں دے سکتا ''ثالث نفی میں سر ہلا کر بولا،اسے بلاوجہ کی صفائیاں دینا زہر لگتا تھا۔
''آپ۔۔کو مجھ سے محبت نہیں؟''اس کے سوال پر وہ مسکرا دیا۔
''محبت کرنے کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہم کسی کے غلام ہو جائیں،انسان اپنی مرضی سے سانس بھی نہ لے سکے، ویسے بھی میں شخصی آزادی کا قائل ہوں۔''اس نے نرم پڑتے ہوئے اپنا موقف سمجھانا چاہا۔
''ہنہ۔۔شخصی آزادی۔۔''مرمرہ نے اپنے نازک ہاتھوں کو مسلتے ہوئے دل میں سوچا۔
''ویسے تمہاری تسلی کے لیے ایک بات بتا دوں۔۔اس لڑکی کی والدہ میری مستقل پیشنٹ ہیں اور ہم یہاں کھڑے عشق نہیں لڑا رہے تھے بلکہ میں ان کی بیماری کے حوالے سے کچھ سمجھا رہا تھا''اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی تفصیل بتائی۔
''وہ کینسر کے آخری اسٹیج پر ہیں''اس کے چہرے پر چھائی سنجیدگی مرمرہ کو دہلا گئی۔
''اب۔۔چلیں۔کافی پینے کا موڈ نہیں رہا۔؟''اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا اور جواب سنے بغیر کار پارکنگ کی جانب بڑھ گیا۔
''تف ہے مرمرہ۔۔پہلی بار ڈاکٹر صاحب سے جرح کی مگر وہ بھی غلط وقت پر غلط لڑکی کے لیے''۔اس نے خود کو ملامت کیا اور فوراً ثالث کے پیچھے دوڑ لگا دی۔مبادا وہ

اُسے یونہی کھڑا نہ چھوڑ جائے۔

☆☆

گھر پہنچتے ہی وہ عنایا کے پورشن کی طرف دوڑی اور کشن اٹھا کر دھنا دھن پٹائی لگانا شروع کر دی،

''کیا ہوا؟'' وہ بھونچکا ہو کر اپنا بچاؤ کرتے ہوئے بولی۔

''تمہاری وجہ سے۔۔مجھے ثالث کے سامنے اتنی شرمندگی ہوئی'' پھولی سانسوں بکھرے بالوں کے ساتھ اس نے پوری روداد سنائی،

''دیکھو۔لڑکی۔۔محبت کے نام پر بے وقوف بننے کی جگہ آنکھیں کھولو'' عنایا نے پھر سمجھانے کا ٹھکا لیا۔

''ایسی بات نہیں۔۔۔اس بار غلطی میری تھی۔۔۔'' مرمرہ نے اعتراف کیا، مگر عنایا کی آنکھوں سے نکلتے شعلوں نے خاموش کرا دیا۔

''ایک بار پھر سمجھا رہی ہوں۔اس کی رسی ڈھیلی نہ چھوڑو۔کہیں۔۔۔وہ تمہیں دھوکا نہ دے جائے۔'' عنایا نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے معنی خیز انداز میں جتایا۔

''اچھا۔ٹھیک ہے۔میں کوشش کروں گی'' اس نے جی کڑا کر کے، اپنی جان سے پیاری کزن کو یقین دلایا۔

''پوچھو۔۔نہیں۔اس سے دوٹوک بات کرو۔مجھے ہاسپٹل میں یہ بتاتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کہ وہ میرا پھوپھی زاد بھائی ہی نہیں بہنوئی اور ہونے والا جیٹھ بھی ہے۔اسٹاف میں موجود۔ہر دوسری لڑکی تو اس کے گن گا رہی ہوتی ہے۔'' عنایا نے نگاہیں چراتے ہوئے تلخ حقیقت بیان کی

''ہائے۔۔میں کیا کروں۔۔میری تو قسمت ہی خراب ہے''، مرمرہ کے منہ سے بے اختیار سسکاری نکل گئی۔

''تمہاری قسمت نہیں عقل خراب ہے، میں نے کتنا سمجھایا ،اگر شروع سے اس پر کنٹرول رکھا ہوتا تو آج یہ دن تو نہ دیکھنے پڑتے'' عنایا نے دانت کچکچائے اور دھمو کا رسید کرنے کو ہاتھ اٹھایا، اس نے پیچھے ہو کر خود کو بچایا۔دونوں ایک دوسرے سے ناراض ہو کر بیٹھ گئیں۔

''ایک بات بتاؤ۔۔۔تم لوگ چاہتے کیا ہو۔۔میں انہیں چھوڑ دوں؟'' اس نے عنایا سے اچانک پوچھا۔

''نہیں۔۔نہیں۔ہم میں سے کوئی بھی تم دونوں کو الگ ہوتا نہیں دیکھ سکتا'' عنایا نے اس کی پھولی سانسوں کو تشویش سے دیکھتے ہوئے انکار کیا۔

''پھر سب مجھے ہی کیوں سمجھاتے ہیں۔۔کوئی ان سے باز پرس کیوں نہیں کرتا؟'' وہ ایک دم بپھر گئی۔

''سب لوگ تم سے محبت کرتے ہیں اور کسی انجانے دکھ سے بچانے کے لیے سمجھاتے ہیں۔تم اس کے مقابلے میں سمجھدار ہو۔۔اسے بدل سکتی ہو'' عنایا نے اس کے کاندھے پر پیار بھرا بازو ڈال کر کہا۔

''ثالث۔شروع سے ہی ایسے تھے، مگر اس وقت کسی کو یہ خیال نہ آیا۔۔بس رشتے داری مضبوط کرنے کی پڑ گئی ۔بیٹی کو قربانی کا بکرا سمجھ کر خاندان پر قربان کر دیا جھٹ سے نکاح پڑھوا دیا گیا اور اب رخصتی سے پہلے سب میرے پیچھے یوں ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں جیسے سب کچھ میرے اختیار میں ہو'' مرمرہ۔۔بھرائی ہوئی آواز میں ایسے بولی کہ عنایا کا نگاہیں ملانا مشکل ہو گیا۔

''کہتی تو تم بھی ٹھیک ہو۔مگر میں چاہتی ہوں کہ پرانے زمانے کی بوبو بن کر آنسو بہانے کی جگہ نئے دور کی لڑکی بنو، ڈاکٹر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنا حق وصولنا سیکھو'' عنایا بولتی چلی گئی، اس کے بعد اس سے مزید بیٹھا نہ گیا۔خاموشی سے اٹھ کر اپنے پورشن کی جانب چل دی۔عنایا نے سرد آہ بھری اور سوچ میں گم ہو گئی، فرزین کا اس کے ہاسپٹل میں کئی بار چکر لگانا، ثالث کا اکثر اس کے ساتھ کافی پینے جانا، یہ ساری باتیں اس کے لیے پریشانی کی وجہ بنا ہوا تھا، مگر یہ باتیں منہ سے نکال کر وہ مرمرہ کو مزید دکھی نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆☆

وہ کافی دنوں بعد ماموں کے پورشن کی طرف گیا تو باپ بیٹی میں پرانی گاڑی کو لے کر زور و شور سے بحث جاری تھی مگر اس نے دھیان نہ دیا۔وہ تو فرزین کی باتوں کے اثر میں ڈوبا ہوا تھا۔اس نے تو یہ بھی نوٹس نہیں کیا کہ

کار پورچ میں ایک ہفتے سے مرمرہ کی کار نظر نہیں آرہی۔ اور مشہود علوی اسے صبح ڈراپ کرنے جاتے ہیں۔ ہاں وہ چونکا تو اس وقت جب مرمرہ کو ایک دوسری گاڑی سے اترتے دیکھا۔ عام طور پر جب مرمرہ کی کالج سے واپسی ہوتی تو وہ اسپتال میں ہوتا تھا مگر اب وہ ٹائٹ شفٹ کرنے لگا تھا، اس کے ڈیوٹی ٹائمنگ تبدیل ہوگئے تھے۔ اسی وجہ سے دو تین دن سے یہ بات اس کے نوٹس میں آئی کہ مرمرہ کی کالج سے واپسی ایک خوش شکل مرد کے ساتھ ہوتی۔ جو خود بھی بہت باذوق دکھائی دیتا اور اس کی گاڑی بھی کافی مہنگی اور نیو برانڈ تھی۔

ثالث کے دل میں ہلچل سی مچنے لگی مگر خاموش رہا۔

چوتھے روز ثالث جان بوجھ کر ایسے وقت پر داخلی دروازے کے پاس جاکر کھڑا ہوگیا، جب مرمرہ کی واپسی ہوتی تھی۔ مقررہ وقت پر نیو برانڈ کی سفید رنگ کی کار آکر دروازے کے پاس رکی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر وہ ہی ینگ اور اسمارٹ سا مرد بیٹھا تھا۔ مرمرہ مسکراتی ہوئی پچھلی سیٹ سے اتری اور ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کہا۔

ثالث کے سامنے فرزین کے کہے ہوئے الفاظ حقیقت بن کر آگئے، اس کے دل پہ زوردار چوٹ لگی۔

اسے بالکل بھی امید نہیں تھی کہ مرمرہ اس کی آنکھوں کے سامنے یہ کھیل رچائے گی۔ کچھ بھی تھا آخر، وہ اس کے نکاح میں تھی، اس کی عزت تھی، وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئی ثالث نے اسے بے نقط سنادی مگر اس نے بھی صفائی پیش کرنے سے انکار کردیا۔ دونوں میں خوب بحث مباحثہ ہوا۔ نرم و ملائم ریشم جیسے لہجے میں بات کرنے والی مرمرہ کا تو انداز بدلا تو اس نے اس بات کو بھی منفی انداز میں لیا، اسے محسوس ہوا کہ وہ اپنی غلطی ماننے کی جگہ اسے ہی موردالزام ٹھہرا رہی ہے۔ مرمرہ اس کو سنا کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆☆

مرمرہ کو اس دن پتا چلا کہ کانچ کے ٹوٹ کے بکھر جانے کا درد کیا ہوتا ہے، اس کا دل بھی تو شیشے جیسا تھا۔

ثالث کے شک و شبہات نے اسے کرچی کرچی کردیا۔ جھلستی دھوپ میں تھکی ہاری وہ کالج سے واپسی پر اندر کی جانب بڑھی تو گیٹ پر اس کا ٹکراؤ ثالث سے ہوگیا۔

''میں تو تمہیں بہت معصوم سمجھتا تھا'' اس نے چبا چبا کر کہا۔

''اچھا۔ تو اب آپ کے خیالات بدلنے کی وجہ کیا ہے؟'' اس نے نظر سے نظر ملا کر سوال کیا۔

ایک تو کولیگ کے نہ آنے کی وجہ سے وہ اضافی کلاس لے کر آئی تھی دماغ پہلے ہی گھوم ہوا تھا، اس پر ثالث کی بے تکی باتیں، وہ بھی بھنا اٹھی۔۔

''پوچھ سکتا ہوں کہ تم کس کی گاڑی میں گھر لوٹی ہو؟'' ثالث کے لہجے میں رعونت سی نظر آئی۔

''کیا۔۔ مطلب؟'' اس کی آنکھوں میں دکھ و حیرت کے ملے جلے رنگ دکھائی دیے۔

''میں کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے۔؟'' وہ اسکے کھو جانے پر چڑ کے بولا۔

''میں۔۔ آپ کو جواب دینے کی پابند نہیں ہو۔'' مرمرہ نے خاموشی توڑتے ہوئے تیکھے انداز میں کہا۔

''تم۔۔ شاید بھول رہی ہو کہ میرے نکاح میں ہو'' اسے [illegible]وڑتے ہوئے غصہ اتارا۔

''وہ میرے ایک دوست ہیں'' اسے جلانے میں مزہ آیا۔ وہ بھی تو ہمیشہ ایسا ہی کرتا تھا۔

''دوست سے کیا مراد ہے تمہاری؟'' وہ ایک دم آگ بگولا ہوا۔ بات اتنی سادہ نہیں تھی جتنی اس نے سمجھی۔

''دوست کیسے ہوتے ہیں۔ مجھ سے بہتر آپ جانتے ہیں۔'' مرمرہ طنز سے ہنستے ہوئے بولی۔

''ہاں۔۔ میں ان سب باتوں کو اچھی طرح سے سمجھتا ہوں تب ہی پوچھ رہا ہوں۔'' اس کا انداز معنی خیز ہوا۔

''چلیں۔ آپ نے۔ اعتراف تو کیا۔'' وہ کھل کر مسکرائی۔

''ویسے۔۔یہ چکر۔کب سے چل رہا ہے؟۔'' ثالث کے دل کی بات زباں تک آ گئی۔

''کہنا کیا چاہتے ہیں؟'' مرمرہ کے چودہ طبق روشن ہو گئے، حالات کی سنگینی کا احساس ہوا۔

''میں نے بہت آسان اور سادہ زبان میں ایک سوال پوچھا ہے کہ آج کل تم کس کے ساتھ کالج سے واپس آ رہی ہو؟'' اس نے رک رک کر ایک ایک لفظ دہرایا۔

''یہ میرا پرسنل میٹر ہے۔۔'' دل دکھ سے بھر گیا، بس اتنا ہی اعتبار تھا۔

''ہنہ شاید یہ بات بھول گئی ہو کہ...... تم میری منکوحہ ہو۔۔'' اس نے استحقاق سے جتایا۔

''آپ کو۔۔یاد ہے یہ بات ۔۔ویل ڈن۔۔'' مرمرہ نے مذاق اڑایا۔

''میں تم سے ہر طرح کی باز پرس کرنے کا حق رکھتا ہوں'' وہ آپے سے باہر ہونے لگا۔

''بس۔۔یہیں۔۔تک کی برداشت تھی۔اور۔میں جو روزانہ آپ کی لاتعداد محبت کے قصے کہانی سنتی،فون پر لڑکیوں سے ہنس ہنس کر باتیں کرتا دیکھ کر صبر کے گھونٹ پیے۔۔ اس کا کیا؟۔۔'' برداشت کی طنابیں ٹوٹ گئیں، وہ یاد دلاتی چلی گئی۔

''مرمرہ زبان سنبھال کے بات کرو، میں اس لب و لہجے کا عادی نہیں ہوں'' وہ ایک دم تیز لہجے میں بولا۔

''اچھا تو پھر آپ کو بھی میری شخصی آزادی میں دخل اندازی کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔۔'' مرمرہ نے صاف گوئی سے اس کے جملے اسی کو لوٹا دیئے۔

''تم۔۔میری عزت ہو۔۔یوں کسی غیر کے ساتھ۔۔میں برداشت نہیں کر سکتا'' وہ ایک دم زور سے چیخا۔

''ایک کا ہونے کا مطلب یہ تو نہیں کہ انسان باقی دنیا سے ناطہ توڑ لے'' وہ بڑی ادا سے بولی۔

''مجھے فضول بحث میں نہیں پڑنا۔تم بس میرے سوال کا جواب دو۔'' وہ نگاہیں چرا کر بے چینی سے بولا۔

''اگر میں آپ کی کچھ ہوں تو اسی طرح آپ بھی میرے شریک حیات ہیں۔۔پھر مجھ سے باز پرس کا حق کیوں چھینا تھا'' وہ ایک لمحے کو رکی، پھر بات مکمل کر کے ہی دم لیا۔

''شٹ اپ۔۔جسٹ۔۔شٹ اپ۔۔تم اس طرح سے اپنے گناہوں پر پردہ نہیں ڈال سکتی'' ثالث نے پہلی بار مرمرہ کو اپنے مدمقابل جرح کرتے پایا تو اس کی برداشت جواب دے گئی۔

''میں نے کوئی گناہ نہیں کیا،مگر میں بلاوجہ کی صفائی دینے کے حق میں نہیں۔ہوں۔۔'' مرمرہ کو بھی وہ ہی ضد سوار ہوئی جو اس کے مزاج کا خاصہ تھی۔

''اوہ......تو یہ بات ہے۔یعنی کے معاملہ کافی آگے تک بڑھ چکا ہے۔یقیناً۔۔تمہیں۔اب۔میرا ساتھ بھی قبول نہیں ہوگا؟'' ثالث کی شکی نگاہیں اپنے وجود کے آر پار ہوتی محسوس ہوئیں۔

''ثالث میں نے آپ کو۔۔آپ کی تمام خامیوں سمیت قبول کیا تھا،مگر تو سوچ بے کھانے کے بعد آپ مجھ پر بدکرداری کا لیبل نہیں لگا سکتے ہیں'' اس نے خاصی سنجیدگی سے جواب دیا۔

''تم نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے، بے وقوف۔ہاں۔؟'' وہ چلایا۔

''میں اپنے کردار کے حوالے سے صرف اللہ کو جواب دہ ہوں۔مجھے آپ سے کسی قسم کے بھی سرٹیفکیٹ لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے'' اسکے اندر کی مایوسی چہرے سے چھلک اٹھی۔

''۔اب ہماری رخصتی اس وقت ہو گی۔جب تم مجھے مکمل سچائی سے آگاہ کرو گی۔۔؟'' اس نے بھنا کر حکم دیا۔

''انسان کو سوچ کے آئینے میں اپنی شکل ہی دکھائی دیتی ہے، اگر آپ کو اس رشتے سے کوئی مسئلہ ہے تو پھر اچھا ہی ہے جو اسے ختم کر دیں'' اس کے لہجے میں برسوں کی

تھکن سمٹ آئی۔

''مرمرہ بی بی ایک بات کہوں۔ میں تمہاری یہ آرزو پوری ہونے نہیں دوں گا۔۔'' اس نے عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

بہت بہت شکریہ'' مرمرہ کے ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ ابھری اور معدوم ہوگئی۔

''تم سمجھتی کیا ہو خود کو۔'' ثالث کا لہجہ شکستہ ہو چلا۔

'میں چاہتی تو اس بات کا برا کرارا سا جواب دے سکتی تھی۔'' وہ درد سے بلبلائی۔

''تو پھر۔۔جواب دو۔۔نا۔۔میں بھی تو وہ ہی مانگ رہا ہوں'' اس نے امید بھری نظروں سے دیکھا۔

'نہیں یہ کام میں نہیں کروں گی۔ کوئی اور کرے گا۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا

'اچھا۔کون؟۔' ثالث بے تابی سے پوچھ بیٹھا۔

''آنے والا۔۔وقت۔۔وہ دے گا آپ کو صحیح جواب.....' مرمرہ کی آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز رہیں۔اس کے بعد وہ کھٹ کھٹ کرتی ہوئی اندر کی جانب بڑھ گئی۔ان دونوں کے بیچ جدائی کی لکیر کھنچ گئی۔ثالث کے لیے اس کی چاہت بے حد اور بے حساب تھی، ایسے ہی جیسے، ہجر میں بھی وصل کا رمز اپنے اندر چھپائے رکھتے ہیں۔وہ سمجھتی رہی کہ محبت پر کیف ہوتی ہے مگر اس کے لیے اذیت بن گئی، مرمرہ نے اطاعت کی اور ثالث کو شکایت پیدا ہوگئی، اس نے اپنے اندر جہاں بھر کا گداز پیدا کر لیا، مگر محبوب کا دل نرم نہ ہو سکا، اور جہاں دل اکڑ دکھانے لگ جائیں تو پھر وہاں چاہت کے لیے کہاں جگہ بچتی ہے، ان کے بیچ انا کا کھیل شروع ہوگیا۔وہ ضد میں اسپشلائزیشن کا بہانہ بنا کر اسے چھوڑ گیا۔مرمرہ اس کے نکاح کی ڈوری سے بندھی کئی سالوں سے انتظار کی سولی پر لٹکی ہوئی تھی۔ان کے جھگڑے کے بعد وہ ایک ہفتے میں ہی لندن روانہ ہوگیا۔جانے اس نے خاندان کے بڑوں کو کیسا منایا۔رخصتی اس کی واپسی تک کے لیے ملتوی کر دی گئی۔یہ بات تو صرف مرمرہ جانتی تھی کہ وہ اسے سزا دینے کے لیے ایسا کر رہا ہے۔دکھی دل کو سمجھاتے ہوئے وہ قسمت کا فیصلہ اپنے اللہ پر چھوڑ کر بیٹھ گئی۔

☆☆☆☆

ثالث کا اسپشلائزیشن کے لیے لندن جانے کا کافی پہلے سے ارادہ تھا۔اس نے سوچا تھا کہ وہ رخصتی کے بعد مرمرہ کو بھی ساتھ لے جائے گا، اسی لیے چپکے چپکے تیاریاں کرنے میں لگا ہوا تھا اس طرح تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کا ہنی مون بھی ہو جاتا۔وہ مرمرہ کو سرپرائز کرنا چاہتا تھا، مگر الٹا مرمرہ نے ہی اسے سرپرائز کر دیا۔اسے کسی دوسرے مرد کے ساتھ گھلتے ملتے دیکھا۔اس کے پوچھنے پر وہ جس بے باکی سے اپنی غلطی ماننے کے جگہ بحث پر اتر آئی۔اس بات نے انا کو ایسی زک پہنچی کے مرمرہ کو سزا دینے کے لیے اس کی زندگی سے دور جانے کا فیصلہ کر لیا۔سنہرے مستقبل کا واسطہ دے کر گھر کے بزرگوں سے بھی لندن جانے کی اجازت طلب کر لی۔ماں نے بڑی مشکلوں سے اجازت دی۔اب دو سال سے اس کی یاد کو سینے سے چمٹائے دن رات کمانے کی تگ و دو میں مصروف رہا، ماں نے کئی بار کال کر کے واپسی کا پوچھا مگر وہ ایک کے بعد ایک بہانہ بناتا چلا گیا۔اس کی ایسی غیر ذمہ داری پر مشہود علوی کا پارہ ہائی ہونے لگا تھا۔گھر کے حالات کچھ ناسازگار ہونے لگے تو عنایا کا دل گھبرا اٹھا۔وہ ثالث سے جتنا بھی ناراض سہی مگر کزن ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اس کا دودھ شریک بھائی بھی تھا۔وہ اس کی اور مرمرہ کی خوشیوں کے لیے کچھ بھی کر سکتی تھی، اسی لیے اس نے ذہن کے گھوڑے دوڑانے شروع کر دیے مگر ایک نئی مصیبت یہ کھڑی ہوگئی کے اس کی واپسی سے مایوس ہو کر علوی ہاؤس میں عنایا اور باسط کی شادی کی بات گردش کرنے لگیں، اب عنایا اپنی سہیلی کو بیچ منجھدار میں چھوڑ کر ڈولی تو نہیں چڑھ سکتی تھی، اس نے بہت دیر سوچ بچار کی اور پھر اس مسئلے کو حل کرنے کا بیڑہ اپنے نازک کاندھوں پر اٹھا لیا۔کچھ دیر سوچنے کے بعد ایک ترکیب ذہن میں آئی تو وہ مسکراتی ہوئی اپنا سیل فون اٹھا کر مرمرہ کے کمرے کی

جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆☆

عنایا نے مرمرہ کو اسے بتائے بغیر سیل فون کی ریکارڈنگ کا بٹن آن کرنے کے بعد اس کے پرانے زخموں پر سے کھرنڈ اتارنا شروع کی اور وہ بھی اپنا درد زبان پر لے آئی۔

''چاہت میں حسن وخوبصورتی سے زیادہ اعتبار اور ایک دوسرے کے ساتھ مخلص ہونا اہمیت رکھتا ہے''۔ مرمرہ نے بڑی سنجیدگی سے اس کے سوال کا جواب دیا۔

''یار۔تم جانتی ہو نا کہ یہ ڈاکٹر کتنا جذباتی انسان ہے'' عنایا ان دونوں کے بیچ کی کھائی کو پاٹنے کی کوششوں میں مصروف چپکے سے اس کی آواز ریکارڈ کر رہی تھی۔

''عینی میں نے ثالث کے حوالے سے ہمیشہ یہ ہی سوچا ہمیں ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہونا چاہیے، یہ بھی محبت کا ایک رنگ ہے۔کیوں کہ میں ان کے ساتھ جس بندھن میں بندھی تھی اس کی تشریح بھی کچھ ایسے ہی کی جاتی ہے۔نکاح جیسے مضبوط رشتے میں بندھنے کے بعد بد دیانتی، دھوکا اور غیر ذمہ داری کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔پھر بھی وہ مجھے سمجھ نہیں پائے''اس کے لہجے میں نمی بھر گئی۔

''کچھ لوگ ہوتے ہیں۔۔ایسے بے وقوف'' عنایا کا لہجہ معنی خیز ہوا۔

''اس کے باوجود میں نے ان کی تمام خامیوں کو ہنس کر برداشت کیا لیکن جب وہ مجھ پر شک کرتے ہوئے بلاوجہ کی صفائی مانگنے لگے تو پھر یہ بات میرے لیے ناقابل برداشت ہوگئی۔یوں لگا جیسے کسی نے مجھے بڑی بلندی سے اٹھا کر نیچے بہت نیچے پستی میں گرادیا ہو۔'' مرمرہ نے ایک گہری لمبی سانس لی۔

''اچھا۔۔وہ غلط فہمی کیوں کر پیدا ہوئی؟'' عنایا نے جان کر یہ سوال پوچھا اور غیر محسوس طریقے سے سیل فون نزدیک کیا۔

''ان دنوں۔ میری گاڑی خراب تھی۔صبح پپا چھوڑ دیتے مگر واپسی مسئلہ بنی ہوئی تھی۔تم جانتی ہو کہ میں بسوں اور رکشے ٹیکسیوں کے پیچھے نہیں بھاگ سکتی،اپنی پریشانی کا ذکر میں نے بڑے درد بھرے انداز اسٹاف روم میں کیا تو میری یہ مشکل ساتھ جاب کرنے والے سینئر پروفیسر نے حل کردی۔ہمارا گھر ان کے راستے میں پڑتا تھا اس لیے کچھ دنوں تک وہ مجھے ڈراپ کرنے لگے اور ثالث نے مجھے ان کے ساتھ دیکھ لیا۔وہ دماغ میں شک وشبہات بسائے لگے مجھ سے باز پرس کرنے۔

اگر یہ ہی بات آرام سے پوچھتے تو میں آسانی سے بتادیتی مگر وہ تو زہر اگلنے لگ گئے،سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر میرے دل میں زرا سا بھی چور ہوتا تو بھلا میں کسی غیر کے ساتھ گھر کے دروازے تک آتی۔۔کہیں دور نہ اتر جاتی۔مگر سر انوار کے ساتھ ایسا رشتہ جوڑ کر انہوں نے مجھے میری نظروں میں ہی گرادیا انوار سر شادی شدہ ہونے کے ساتھ جوان بچوں کے باپ بھی ہیں یہ الگ بات ہے کہ خود کو اتنا فٹ رکھتے ہیں کہ بوڑھے دکھتے نہیں۔کالج میں بھی......ان کا میرے ساتھ رویہ بہت مشفقانہ ہوتا ہے بس اسی لیے انہوں نے میری مدد کی تھی۔اس کے علاوہ ہمارا بھلا کیسا تعلق ہوسکتا تھا۔'' مرمرہ نے تفصیل سے سچائی بیان کی،اچانک اس کا سانس پھولنے لگا تو عنایا نے پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔

''ڈاکٹر کا شاید اس وقت دماغ خراب ہوگیا تھا جو اتنی سی بات پر خوشیوں سے منہ موڑ لیا۔۔ورنہ وہ دل کا ایسا برا نہیں'' عنایا نے اس کی حمایت میں دو لفظ منہ سے نکالے۔

''اب میں کیا کہوں کہ انہوں نے اپنی منفی سوچوں کی انتہا کرتے ہوئے خود ہی لفظ سے کہانی بن ڈالی۔وہ یہ بھی بھول گئے کہ ان کی منکوحہ ہوتے ہوئے میں ایسا کوئی قدم کیسے اٹھاؤں گی جس سے خاندان کی عزت پر حرف آجاتا۔ان کا نام اپنے ساتھ جڑا دیکھنا میرے لیے محبت کا اعزاز ہے۔'' مرمرہ کے لبوں سے آہستہ آہستہ ادا ہونے

والے یہ الفاظ ریکارڈ ہوتے چلے گئے۔

☆☆☆☆

ثالث کو صبح صبح عنایا کا ایک ریکارڈڈ میسج موصول ہوا۔عنایا نے مرمرہ کا اپنے سیل فون پر ریکارڈ کیا ہوا میسج بھیجا تھا اس نے فوراً ہی کانوں سے موبائل لگا کر میسج سننا شروع کیا۔جس کو سننے کے بعد وہ شرمندہ شرمندہ سا بیٹھا تھا اور اس کے بعد بعد نہ صرف اس کے ہوش ٹھکانے آ گئے بلکہ مرمرہ کی بے گناہی بھی سامنے آ گئی جو ثالث کو غلط ثابت کرنے کے ساتھ جینے کا پروانہ تھما گئے۔کتنا بے وقوف نکلا دماغ میں اٹھتے شبہات کے جوار بھاٹا کو حق بجانب سمجھتے ہوئے یہ بات قطعی طور پر نظر انداز کر گیا کہ وہ جن باتوں کو اپنے لیے جائز سمجھتا رہا، سامنے والے کے لیے کیسے ناجائز ہو گئی۔اپنے معاملے میں روشن خیالی کا ثبوت دینے والا اپنی منکوحہ کے لیے کیسے اتنا تنگ نگاہ بن گیا مگر جب عقل آئی تو لوٹنے کی ہمت جواب دے گئی۔اسے مرمرہ کا سامنا کرنے سے خوف آنے لگا۔خود کو دھتکارتے ہوئے وہ کھانا پینا بھول گیا۔

مرمرہ کا سامنا کرنے کے نام سے اس کی ہمت جواب دے گئی۔وہ تو ابھی بھی واپس نہ آتا مگر عنایا نے ایک اور دھماکا کر دیا اور اس کے ہوش اڑا دیئے۔

عنایا کی کال آئی تھی اور اس نے جو کچھ بتایا وہ ثالث اس کی جان نکالنے کے لیے کافی تھا۔

''تم۔۔۔سچ کہہ رہی ہو؟'' اس نے گڑبڑا کر ہاتھ سے چھوٹتے سیل فون کو مضبوطی سے تھاما

''سولہ آنے۔۔۔سچ۔۔'' وہ اپنی ہنسی پر قابو پا کر بڑی سنجیدگی سے بولی۔۔

''علوی ہاؤس میں مرمرہ کو تمہاری کی زندگی سے دور کرنے کا فیصلہ کیا جا رہا ہے'' اس نے اپنی بات دہرائی۔

''ایسا نہیں ہو سکتا''۔ثالث کی سانس رکنے لگی۔

''اگر اب بھی واپس نہیں آنا تو نہ آؤ مگر مرمرہ ہاتھوں سے نکل جائے گی کیوں کہ تایا ابا غصے میں بھرے ہوئے ہیں اور خلع کی درخواست دائر کرنے والے ہیں''۔اس نے بری طرح سے ڈرانے کے بعد فون رکھ دیا اور آنکھ بند کر کے خواب خرگوش کے مزے لوٹنے لگی۔اسے پتا تھا کے ثالث کے لیے اب ایک لمحہ بھی پردیس میں گزارنا بھاری ہو گا۔وہ ہی ہوا ثالث نے سب کچھ چھوڑ چھاڑ پہلی فرصت میں ملنے والی سیٹ کے لیے ٹکٹ کی بکنگ کروائی اور وطن لوٹنے کی تیاری کرنے لگا۔

☆☆☆☆

سرمئی بادلوں سے سورج کی بنفشی کرنوں تاک جھانک نے موسم کا حسن بڑھا دیا، ہلکی ہلکی بوندا باندی اور اس پر گیلی مٹی کی مہک، کئی دنوں سے جاری گرمی کا بوجھل پن چپکے سے دور ہو گیا۔مرمرہ بے خیالی میں چلتے ہوئے لان کی طرف نکل آئی، فضاؤں میں بہاروں کا ڈیرہ تھا، سبز ٹہنیاں اور شاخیں سرخ و گلابی پھولوں کے بوجھ سے جھکی جا رہی تھیں۔ہوا کا جھونکا اسے چھو کر گزرا تو ثالث کی یاد باغ میں صدا دیتی بلبل کا نغمہ بن گئی۔وہ اپنے دل کے باغی پن پر سر جھٹک کر دو قدم آگے بڑھی۔شبنم سے دھلی سبز گھاس پر سرخ گلاب کا چمکتا ہوا پھول دکھائی دیا۔مرمرہ نے بے اختیار جھک کر پھول کو اٹھانا چاہا، عجلت مہنگی پڑی اور ایک کانٹے نے اسے زخم دے دیا، خون کی ننھی سی بوند گلابی انگلی کی پور پر نمودار ہوئی، اسے ثالث کی یاد نے گھیر لیا۔وہ بھی تو زخم دے کر گم ہو گیا تھا۔

مرمرہ۔۔''۔وہ ہی پکارنے کا دلربا سا انداز، من میں اتر جانے والا بھاری لب و لہجہ، رواں رواں کپکپانے لگا۔

''کیا تصورات کو بھی زبان مل سکتی ہے؟''۔اس نے گھبرا کر سر اٹھایا اور خود کلامی کی۔

''نہیں جناب۔حقیقت میں۔آپ کا مجرم سامنے کھڑا ہے۔'' اس نے شوخی سے قہقہہ لگایا، ثالث کو مجسم اپنے سامنے کھڑا دیکھ آنکھیں حیرت سے جم کر رہ گئیں۔

''آپ۔۔۔کب آئے''۔مرمرہ کے گلابی لب کپکپا اٹھے، اسے پتا ہی نہیں چلا اور وہ لوٹ آیا۔

''میں۔۔کل رات کو ہی آیا ہوں۔'' وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر اس کی کیفیت کو انجوائے کرتے ہوئے پہلے سے زیادہ

خوبرولگ رہا تھا۔
''کمال ہے مجھے کسی نے بتایا کیوں نہیں؟'' اس نے جھنجھلا کر ڈالی سے پھول گھسیٹا۔ کانٹے کی چبھن سے منہ سے سسکی نکلی۔
''میں نے ہی سب کو منع کیا تھا، تمہیں سرپرائز دینا چاہتا تھا'' ثالث نے بڑی نرمی سے اس کی نازک ہتھیلی سے کانٹا نکال کر اسے تھامے رکھا۔
''میری راہ میں کانٹوں کی آبیاری کے بعد، یہ عنایت، بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی'' مرمرہ نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا، وہ خود پر قابو پا چکی تھی۔
''مجھے پتا ہے کہ میں غلطی پر تھا۔'' اس نے دھیرے سے اعتراف کیا۔۔
''یہ بات آپ کو کب محسوس ہوئی۔'' اس نے بغور دیکھا اور ایسے اطمینان سے پوچھا جیسے دوری ان کے بیچ میں کبھی آئی ہی نہیں ہو۔
''اس سے کیا فرق پڑتا ہے مگر احساس ہونا ہی سب سے اہم بات ہے۔'' ثالث کا لہجہ بھاری ہونے لگا۔
''چلیں۔ یہ تو۔ اچھی بات ہوگئی۔ اچھا۔ اب میں چلوں؟'' مرمرہ نے بڑے آرام سے پوچھا۔
ایک بات کہوں۔۔'' ثالث نے اپنے مخصوص شرارتی انداز میں آنکھوں کو میچتے ہوئے اس کا بازو تھامتے ہوئے روکا۔
''اب بھی کہنے کو کچھ بچا ہے؟'' بازو چھڑاتے ہوئے مرمرہ کے لہجے میں طنز کی کڑواہٹ تھی۔
''ہاں۔۔ مجھے یہ بتانا تھا کہ میں۔ تمہیں۔ بالکل پسند نہیں کرتا'' وہ بڑی سنجیدگی سے گویا ہوا۔
''اچھا۔۔ میرے لیے یہ کوئی نئی اطلاع نہیں ہے'' وہ بظاہر مسکراتے ہوئے بولی، یہ اور بات ہے کہ وجود میں ہلچل سی مچ گئی، اس نے سامنے سے ہٹنے میں ہی عافیت جانی۔
''۔جان سنو۔ تو۔۔'' ثالث کے ایسے پکارنے پر اس کے قدم کیسے نہ رکتے مگر منہ سے کچھ نہ بولی۔

''میں تمہیں پسند نہیں کرتا بلکہ تم سے بے انتہا چاہتا ہوں اور اس بات کا ادراک مجھے چند سالوں کی جدائی کے بعد اچھی طرح سے ہوگیا ہے۔۔'' اس کا گہرا لہجہ، جذبے لٹاتی آنکھیں اور ہاتھوں کا لمس، وہ سحر زدہ سی رہ گئی۔
''اچھا۔ مگر میں نہ تو آپ کو پسند کرتی ہوں اور نہ ہی آپ سے محبت کرتی ہوں'' جھوٹ بولنا اسے کبھی نہیں آیا، نگاہیں چرا کر جتاتے ہوئے ہاتھ چھڑالیا۔
''کیا۔ صرف ایک بار میری آنکھوں میں جھانک کر یہ بات کہہ سکتی ہو۔'' سرمئی آنکھوں کی اجنبیت اور گلابی لبوں کی غیریت ثالث کے دل پر تازیانے لگا گئی۔ اس نے زور سے پکار کر امتحان میں ڈال دیا۔
''تم ۔۔ایسا نہیں کرسکتی ہو۔۔ کیوں کہ اب بھی تمہاری ادھوری کہانی مکمل کرنے والا ہیرو میں ہی ہوں'' مرمرہ کی طرف سے جواب نہ ملنے پر ایک بھرپور مسکراہٹ اس کے بھرے بھرے لبوں پر پھیل گئی۔ وہ بھاگتی ہوئی برآمدے میں غائب ہوگئی۔

☆☆☆☆

ثالث نے دو سال تک پلٹ کر دیکھا بھی نہیں، مرمرہ نے بھی کوئی شکوہ نہ کیا کیوں کہ محبت میں شکایت نہیں ہوتی، اطاعت ہوتی ہے۔ وہ اپنے جذبوں کی سچائی کو پرکھتی رہی مگر ایک بار بھی پیچھے سے پکارا نہیں۔ اب جبکہ وہ ثالث کے بناء جینے کی عادی ہوچکی تھی تو وہ اس کے لیے امتحان بنا تجدید محبت کا نعرہ بلند کرتے ہوئے لوٹ آیا۔
مرمرہ صرف ایک ہی بات سوچتی کہ۔ وہ مرد ذات ہے جس کے لیے سب کچھ کھیل ہی رہا مگر اس کے دل کا کیا؟ جس پر بڑی بے دردی سے گھاؤ لگا گیا تھا، ان زخموں سے ابھی بھی خون رستا تھا۔ وہ اپنی ذات کو بے مایہ کرنے والے کو اتنی آسانی سے کیسے معاف کرسکتی تھی، کیسے اسے دوبارہ دل کے سنگھاسن پر سب سا اونچا مقام دے سکتی تھی، مگر اس پر گھر والوں کا اتنا دباؤ تھا کہ ایک دم سے انکار کرنا مشکل لگ رہا تھا۔۔
۔ پریم کہانی کے بھی تو آخر کچھ اپنے اصول ہوتے ہیں،

اب وہ ایسی محبت سے باز آئی جس نے اذیت کے سوا کچھ نہیں دیا۔ثالث کی واپسی کیا ہوئیعلوی ہاؤس کے حالات ہی بدل گئے۔اس کی پھوپھو نے رخصتی کے لیے بھائی کی دلہیز پکڑ لی۔مرمرہ کے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ انہیں کو کیسے روکے۔اس شادی کو کیسے ٹالے۔پھر اسے قدرت نے ایک موقع فراہم کر دیا،آسٹریلیا کی ایک یونیورسٹی نے اعلیٰ تعلیم کے لیے اس کی اسکالرشپ منظور کر لی۔وہ خوشی سے ناچ اٹھی۔اس نے ابھی گھر میں کسی کو اس بات کی خبر ہونے نہ دی۔

انحراف
بہت تاخیر سے لیکن
کھلا یہ بھید خود پر بھی
کہ میں اب تک
محبت جان کر جس
جذبہ دیرینہ کو اپنے لہو سے سینچتی آئی
وہ جس کی ساعت صد مہرباں ہی زندگی کی شرط ٹھہری تھی
فقط اک شائبہ ہی تھا محبت کا
یونہی عادت تھی ہر رستے پہ اس کے ساتھ چلنے کی
وگرنہ ترک خواہش پر
یہ دل تھوڑا سا تو دکھتا
ذرا سی آنکھ نم ہوتی
نوشی گیلانی

☆☆☆☆

عنایا نے اس کا دماغ خراب کر رکھا تھا جہاں دکھائی دیتی شادی بیاہ کے گیت ٹپے ماہیا اور رخصتی کے گانے سنانے بیٹھ جاتی۔اب جو وہ لوٹا تو یوں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا،گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔سب رخصتی کی تیاریوں میں لگ گئے۔مگر اس کے اندر کی خلش اسے بے قرار کیے رہتی۔۔مرمرہ کے دل میں جوار بھاٹا اٹھنے لگا۔کیا اچھا تھا، کیا برا......کیا صحیح تھا، کیا غلط......مگر ثالث سے الگ ہو کے جینا اس کے لیے مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔وہ جب تک واپس نہیں آیا وہ خاموشی سے جیتی رہی مگر اندر ہی اندر ایک سولی پہ ٹنگی ہوئی تھی اگر اس نے وہاں سے پروانہ آزادی بھیج دیا تو......؟ وہ کتنی ہی انا پرست کیوں نہ ہو، کتنی ہی بہادری دکھا دے مگر خود پر طلاق کا ٹھپہ لگوانا اس کے لیے ناممکن تھا ہاں اس کی بن کر وہ دنیا کے کسی بھی حصے میں بہادری سے رہ سکتی تھی۔وہ پلاننگ میں مصروف ہوگئی۔اب سزا دینے کی باری اس کی جو تھی۔اسی لیے ثالث کی زندگی سے دور جانے کا فیصلہ کیا۔۔

☆☆☆☆

''عینی۔۔وہ ماموں کا غصہ ٹھنڈا ہوا یا نہیں۔۔میں تو ڈر کے مارے ان کا سامنا ہی نہیں کر پا رہا؟'' ثالث نے عنایا کا ہاتھ پکڑا اور زبردستی ٹی وی لاؤنج میں لے آیا۔

''ہیں۔۔مگر وہ غصے میں کب تھے۔۔ڈاکٹر؟'' اس نے ہاتھ چھڑاتے ہوئے الٹا سوال داغا۔

''ہائیں۔تم نے۔۔جو ان کے خلع کی درخواست دائر کرنے والی بات بتائی تھی۔۔وہ؟'' اس نے حیرت سے اپنی بہنوں جیسی کزن کو گھورا۔

''ہا۔۔ہا۔۔وہ تو میں نے ہنسوں کے جوڑے کو ملوانے کی سازش رچائی تھی'' اس نے کھکھلاتے ہوئے سچ اگلا۔

''کیا۔۔یعنی کہ۔تم نے مجھ سے جھوٹ بولا۔۔تھا؟'' جان میں جان آئی تو اس کی چوٹی کو کھینچا۔

''ہاں۔تو کیا ہمارے خاندان میں کبھی ایسی بات ہوئی ہے۔۔وہ تو مجھے تمہیں واپس بلوانا تھا'' اس نے ہنس کر کہا اور اپنے بال چھڑوائے۔

''چلو۔شکر ہے۔تم نے زندگی میں ایک کام تو اچھا کیا'' اس کی تیکھی سی ناک شرارت سے دباتے ہوئے وہ ریلیکس ہوا۔

''۔تو کیا کرتی ہمارے گھر میں کب سے شور ہنگامہ نہیں مچا۔ویسے تم بھی تو اپنا بھنگڑا ڈانس مس کر رہے ہو گے'' اس نے شوخی سے دیکھا تو وہ ہنس دیا۔

''تو۔تمہاری شادی نہ کروا دوں؟'' وہ چھیڑنے لگا۔

''زیادہ خوش نہ ہو۔ہماری ہی شادی ہونے جا رہی تھی وہ تو

بھلا ہو جدید ٹیکنالوجی کا جس کے زریعے آپ دونوں کی غلط فہمی دور ہوئی مگر اب یہ بات مرمرہ کو نہ بتا دینا'' اس نے بغیر شرم وحیا کے پٹ سے جواب دیا۔

''اچھا۔ تو تم بھی اس سے ڈرنے لگی ہو؟'' وہ دلکشی سے ہنسا۔

''جو بھی سمجھو۔ مگر یہ بتاؤ کہ ڈیٹ کب کی رکھوائی جائے؟'' اس نے جوش سے کہا۔

''میں تو کل رخصتی کروالوں۔ مگر۔۔ پہلے دلہن کو تو منالو۔۔'' وہ التجائیہ لہجے میں بولا۔

''اب۔۔ مرمرہ کو کیا تکلیف ہے، خدا خدا کر کے تو یہ سہانی گھڑی آئی ہے'' اس نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

ہاں ۔۔مگر عنایا۔۔اب تم ہی اسے منا سکتی ہو'' ثالث نے کزن کے نزدیک ہوکر درخواست کی۔

''مگر تم نے اس پر شک کیا ہی کیوں ' اس نے مزے سے ٹانگیں ہلاتے ہوئے پوچھا۔

'بس پاگل ہو گیا تھا'' وہ شرمندہ ہوا۔

''ویسے ڈاکٹر مجھے تم سے کم از کم اس بات کی امید نہ تھی بہت مایوس کیا'' اس نے مزید شرمسار کیا۔

'بس یار میرا دماغ ایک لڑکی نے اس قدر خراب کر دیا تھا کہ میں اس وقت مرمرہ پر شک کر بیٹھا۔

''اب۔۔ یہ کونسی لڑکی تم دونوں کی لو اسٹوری کے بیچ میں آگئی۔؟'' اس نے سر ہلاتے ہوئے طنز فرمایا۔

''۔۔فر۔۔۔زین ۔۔کمال۔'' اس نے رک رک کر نام بتایا۔

''کون۔۔فرزین؟'' عنایا نے حیرت سے پوچھا۔

''وہ ہی جس نے ملک فیروز کی شادی میں میرے ساتھ ڈانس کیا تھا'' اس کے یاد دلانے پر عنایا کو سب کچھ یاد آگیا۔

''اوہ۔۔اس نے کیا کیا؟'' اسکے لہجے میں تجسس سمٹ آیا۔

''۔اس سے میری بہت اچھی دوستی ہوگئی تھی۔ مجھے اس لڑکی کا حسن، بات کرنے کا انداز اور خود اعتمادی بہت اچھی لگتی تھی مگر میرے دل میں اس کے سوا کوئی دوسری بات نہیں تھی۔ میں یہ بات بھی جانتا تھا کہ اس کی منگنی اپنے کزن سے ہوچکی ہے۔۔ میں نے بھی بہت ایمانداری سے اسے پہلے ہی اپنے نکاح کے بارے میں بتا رکھا تھا ۔ہم دونوں اچھے دوستوں کی طرح اکثر بات چیت کر لیتے ۔،وہ بھی ٹینس کی شوقین تھی اور میں بھی اس کھیل میں ماسٹر پھر اسی کھیل کے بہانے ہماری روزانہ ملاقاتیں ہونے لگی۔ مجھے اندازہ نہ ہوسکا کہ فرزین کھیل کھیل میں کوئی اور ہی کھیل کھیلنے لگی ہے۔'' وہ بولتا چلا گیا کے کیسے فرزین کمال سے دوستی بڑھتی ہوئی اور وہ اس کی چاہت میں گرفتار ہوگئی۔اس نے ہی مرمرہ کے خلاف ثالث کے دل میں شک وشبہہ کا بیج ڈالا جو ایک بے ضرر سے واقعے کے بعد پھل پھول کر درخت بن گیا۔

''اچھا۔ آگے کیا ہوا؟'' وہ بہت توجہ سے سن رہی تھی۔

''ایک دن فرزین نے مجھ ملنے کے لیے بلایا اور کہا کہ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے۔میرے تو ہوش ٹھکانے آگئے۔ میں نے اسے بری طرح سے جھڑک دیا اور یاد دلایا کہ وہ منگنی شدہ ہے اور میرا بھی نکاح ہو چکا ہے۔فرزین نے روتے ہوئے کہا کہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے اور میری خاطر اپنی منگنی تک توڑ دینے کو تیار ہے۔اس پر میں نے اس کی حوصلہ شکنی کی اور جتایا کہ میں اپنی منکوحہ کو بہت شدت سے چاہتا ہوں۔فرزین نے یہ بات سنتے ہی آنسو پونچھے اور لگی میرا مذاق اڑانے اس نے کہا کہ میں چاہتا تو مرمرہ کو ہوں اور شامیں اس کے ساتھ گزارتا ہوں۔ یہ کیسی محبت ہے۔اس نے جل کر مجھے یہ طعنہ بھی دیا کہ کہیں میری طرح مرمرہ نے بھی کسی اور کے ساتھ دوستی تو نہیں کر رکھی۔ یہ نہ ہو کہ میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں اور دوسری طرف مرمرہ بھی کسی اور کے ساتھ چھپ چھپ کر اپنی شاموں کو رنگین بنا رہی ہو۔ میں نے اسے سختی سے چپ کرا دیا، مگر اس کے بعد وہ ہر دوسرے دن مجھ سے ایسی باتیں کر کے میرا دماغ خراب کرتی رہی تو میں نے اس سے دوستی ختم کر لی۔'' اس نے

تھوک نگلتے ہوئے بتایا۔

''بہت ہی شاطر لڑکی تھی'' عنایا کو شدید غصہ آیا۔

''مجھے یہ احساس ہونے لگا کہ میں آج تک مرمرہ کے ساتھ جو کچھ کرتا آیا وہ غلط تھا۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا۔شاید فرزین سے دوستی کی وجہ یہ ہی تھی مرمرہ کے لیے میرے دل میں بہنے والے محبتوں کے سوتوں پر جمی کائی ہٹا کر راستہ بن سکے۔ مجھے پیار کے رموز نہیں پتا تھے۔ مرمرہ کی چاہت کی قدر کرنا بھی نہیں آتی تھی۔ مگر فرزین کی باتوں نے زندگی میں پہلی بار مجھے احساس دلایا کہ میری شاموں پر صرف مرمرہ کا حق ہے ۔۔

''چلو۔۔ یہ تو اچھی بات ہوئی۔۔ مگر پھر تم دونوں میں جھگڑا کس بات پر ہوا؟'' عنایا نے لمبی تفصیل سننے کے بعد سکھ کا سانس لے کر پوچھا۔

''ایک خرابی یہ ہوئی کہ فرزین کی لگائی ہوئی آگ نے میرے من میں کہیں کہیں شک کی چنگاری بھڑکا دی، ۔ویسے بھی میری زندگی میں آنے والی لڑکیوں نے اپنے گھر والوں سے چھپ کر دوستی کے نام پر جس طرح سے محبت کے ڈھونگ رچائے وہ سارے منظر میری آنکھوں کے سامنے آتے گئے ۔میں ان باتوں کے زیر اثر لاشعوری طور پر مرمرہ پر نگاہ رکھنے لگا اور مجھے اس پر انگلی اٹھانے کے لیے ایک بھی ثبوت نہ مل سکا۔۔میرے وجود میں سکون کی لہریں ٹھاٹھیں مارنے لگ گئیں''۔اس نے انگڑائی لے کر کہا۔عنایا ٹوکے بنا،اس کی داستان سن رہی تھی۔

''اچانک ایک بات ایسی ہوئی جس نے میرا دماغ خراب کر کے رکھ دیا۔وہ جانے کس آدمی کے ساتھ کالج سے گھر لوٹنے لگی اور میرے باز پرس کرنے پر سیدھی بات بتانے کی جگہ الٹا مجھ پر برس اٹھی۔ مجھے بھی غصہ آیا اور ہم دونوں کے بیچ زوردار جھگڑا ہو گیا۔'' ثالث عنایا کو تفصیل سے ساری باتیں بتاتا چلا گیا اور منہ پھاڑے سنتی چلی گئی۔

''وہ تو شکر ہے کہ تم نے مرمرہ کی آواز میں ریکارڈ کیا ہوا میسج بھیجا اور میری آنکھوں پر پڑا شک کا پردہ ہٹ گیا'' اس نے طویل انگڑائی لے کر قصہ تمام کیا۔

''شکر اللہ کا تم دونوں کی پریم کی کہانی ادھوری ہونے سے بچ گئی۔'' عنایا نے مسکرا چھیڑا۔

''اب۔۔ ہماری پریم کہانی کی ہپی اینڈنگ اس وقت ہی ہوسکتی ہے ،جب تمہاری پاگل دوست مان جائے''اس نے سرد آہ بھر کر مدطلب نگاہوں سے دیکھا۔

''اب کیا مشکل ہے؟'' عنایا نے پیر کھجاتے ہوئے اسے دیکھا۔

''وہ۔۔محترمہ اب مجھ سے بدلہ لینے کے لیے اعلیٰ تعلیم کے لیے سڈنی جانے والی ہے''اس کے انکشاف پر عنایا کا منہ کھل گیا۔

''یہ۔۔کب ہوا،کمال ہے مجھے خبر ہی نہیں ہوئی۔'' وہ حیرت سے ثالث کو دیکھنے لگی۔

''ابھی ایک ہفتے قبل اسے وہاں کی ایک یونی ورسٹی سے مرمرہ کو آفر لیٹر موصول ہوا ہے۔۔مگر اس نے گھر میں کسی سے اس بات کا ذکر نہیں کیا ہے'' ثالث نے منہ بنا کر بتایا۔

''اچھا۔۔تو پھر تمہاری پکی دوست بن گئی ہے جو چپکے سے کان میں بتا دیا؟''اس کا انداز مذاق اڑانے والا ہوا۔

''وہ لیٹر اتفاق سے میں نے ہی ریسیو کیا اور چپکے سے پڑھنے کے بعد اس کے کمرے میں رکھ آیا''اس کے لہجے میں اداسی بھر گئی۔

۔مرمرہ کی تو ایسی کی تیسی'' وہ دانت کچکچا کر اٹھ گئی اور ثالث کے منع کرنے کے باوجود مرمرہ کے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی۔

☆☆☆☆

حسب روایت دونوں نے صوفے سے کشن اٹھا کر ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر اٹیک کیے اور جب دونوں لڑ لڑ کر کے تھک گئیں تو ایک ہی صوفے پر برابر میں آرام

وہ حالت میں بیٹھ گئیں اور خلاؤں میں گھورنے لگیں
''عینی۔ میں تو سمجھتی تھی کیا اس معاملے میں تم میرا ساتھ دو گی'' کچھ دیر بعد مرمرہ نے عجیب سے انداز میں کہا۔
''ہاں۔ میں تمہارا ہی ساتھ دے رہی ہوں'' عنایا نے دانتوں سے ناخن کترنے کا بیہودہ کام موقوف کیا اور سر ہلاتے ہوئے اسی کے انداز میں جواب دیا۔
''اسے ساتھ دینا کہتے ہیں؟'' اس نے کشن کی جانب انگلی سے اشارہ کیا۔
''ہاں کیوں کہ۔ میں یہاں ڈاکٹر کی نہیں بلکہ تمہارے دل کی ترجمان بن کر آئی ہوں'' عنایا نے آنکھ میچ کر اسے جتایا۔
''ثالث کے ساتھ میرا رشتہ گھر والوں کی مرضی سے طے ہوا تھا نا۔ اس میں میری ایک فیصد بھی رضامندی شامل نہ تھی۔۔ تمہیں یاد ہے نا کہ اس وقت میں نے ،امی۔ بابا کو۔ کتنا منع کیا، بھوک ہڑتال بھی کی کہ مجھے بھائی کے پاس پڑھنے کے لیے سڈنی جانا ہے، اتنی جلدی ان چکروں میں نہیں پڑنا چاہتی ہوں مگر پپا کو تو اپنی بہن کی ناراضی کی فکر تھی، اور مما کو بڑی بیٹی کو وقت سے اپنے گھر کا ہوتے دیکھنے کی خوشی۔ اور تم۔۔ بھی تو ہر وقت ڈاکٹر کے نام کی مالا جپتی تھی۔ سب نے مل کر، مجھ پر دباؤ ڈالا اور نکاح کے بندھن میں باندھ دیا۔۔ میں نے اچھی بیٹی ہونے کا ثبوت دیا اور سب کی رضا میں خوش خوش ثالث کو اپنا سب کچھ مان لیا، جب میں اپنی روح کی گہرائیوں کے ساتھ اس کی ہو چکی تو وہ بلاوجہ کی بات کو ایشو بنا کر مجھے چھوڑ کر چلا گیا''۔ مرمرہ نے اپنے اندر کا غبار نکالنا شروع کر دیا اور وہ سب کچھ سنتی رہی۔
''اس کے بعد میں نے صبر کے گھونٹ پی لیے اور اس کے نام کا ستارہ اپنی مانگ میں بھر کے اندھیری راتوں کو روشن کرتی رہی، منہ سے ایک لفظ نہ نکالا۔ تاکہ ہمارا خاندان جڑا رہا۔ اس میں مجھے کتنی مشکلات پیش آئی ہوں گی اس کا اندازہ کوئی نہیں لگا سکتا۔ اب جبکہ مجھے ان کے بنا جینے کی عادت پڑ گئی تو وہ پھر سے میری دنیا میں ہلچل مچانے آ گئے'' اس نے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔
''میرے اندر اتنا حوصلہ نہیں کہ دوبارہ سے شروعات کروں'' اس کی پھولتی سانسوں کو عنایا نے فکرمندی سے دیکھا۔
''اچھا۔۔ اگر تم کہو تو میں ڈاکٹر کو تمہیں طلاق دینے کے لیے راضی کر لوں؟'' عنایا نے بڑی سنجیدگی سے سوال پوچھا۔
''طلا۔۔ق'' اس نے ششدر ہو کر کزن کو دیکھا، اس انتہا تک جا کر تو اس نے سوچا بھی نہ تھا۔
''ہاں۔۔ تو تم دونوں بے وقوفوں کی پریم کہانی کا یہی انجام ہونا تھا'' اس نے ڈرایا۔
''نہ۔۔۔ نہیں۔۔'' وہ بے ساختہ نفی میں سر ہلاتی گئی۔
''اچھا۔۔ کیوں۔ اس سے الگ ہونا مشکل ہے؟'' عنایا نے معنی خیز نظروں سے دیکھا۔
''مجھے تو صرف علوی فیملی کی فکر ہے۔۔ جو یہ بات برداشت نہیں کر پائے گی'' اس نے نگاہیں چراتے ہوئے ، خود کو بے پرواہ ظاہر کیا۔
''تو ایک بات کان کھول کر سن لو۔۔ علوی فیملی تمہیں کبھی بھی سڈنی جا کر پڑھنے کی اجازت نہیں دے گی۔ خاص طور پر اس موقع پر جب ثالث یہاں رخصتی کے لیے واپس آ گیا ہے'' عنایا نے چڑانے والے انداز میں کہا۔
''ہاں۔۔ مگر میں ابھی رخصتی کے حق میں نہیں ہوں'' وہ لب کاٹتے ہوئے بولی۔
''تم سے پوچھا ہی کب جائے گا۔۔ بس ڈیٹ فکس کر دی جائے گی'' عنایا نے اسے چڑایا۔
''عنایا کہہ تو صحیح رہی۔۔'' وہ سوچوں میں گم ہو گئی۔
''ایک کام کرو۔۔ پہلے جا کر تایا جان سے سڈنی جا کر پڑھنے کی اجازت سے مانگ لو۔۔ پھر باقی باتیں کرنا'' وہ اسے چڑاتی ہوئی اٹھ گئی،
''پپا۔۔ کی پرمیشن۔۔ یہ تو مشکل بات ہے۔'' مرمرہ اپنا سر ہاتھوں میں تھام کر صوفے پر گر سی گئی۔

☆☆☆☆

''اماں۔۔۔نے ماموں جان سے رخصتی کی بات کی ہے مگر مجھے پتا چلا ہے کہ تم سڈنی جا کر اپنا پی ایچ ڈی مکمل کرنا چاہتی ہو'' ثالث نے بڑے مزے سے اس کے برابر میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''کیوں۔اعلیٰ تعلیم کی خواہش صرف آپ کو ہو سکتی ہے؟'' اس نے پرے کھسکتے ہوئے ڈاکٹر کو دیکھ کر طنز فرمایا۔

وہ اب بھی اتنی ہی حسین تھی ثالث نے برا ماننے کی جگہ اسے نثار ہو جانے والی نظروں سے دیکھا۔

''ہماری ساری زندگی پڑھتے پڑھتے گزر جائے گی تو پیار کب کریں گے؟'' اسکے لطیف انداز پر، مرمرہ کا دل دھڑکا مگر چہرے سے ظاہر ہونے نہ دیا۔

''مجھے دیر ہو رہی ہے۔۔'' وہ بات بدلتے ہوئے صوفے سے اٹھنے لگی۔

''ہماری رخصتی۔کو بھی دیر ہو رہی ہے؟'' اس نے پیچھے سے ہاتھ بڑھا کر گھسیٹا اور دوبارہ بٹھا دیا۔

''ہم اس پر بعد میں بھی بات کر سکتے ہیں۔۔'' مرمرہ نے جان بوجھ کر بے زاری سے کہا۔

''چلو۔تمہاری فیورٹ کافی پی کر آتے ہیں'' دل اس کے ساتھ کا متلاشی ہوا تو ثالث نے پیشکش کی۔

''نو تھینکس۔میں نے کافی پینا چھوڑ دی ہے۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

ثالث نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی اور خاموشی سے اٹھ کر قریب آیا۔مرمرہ لاتعلقی سے دوسری جانب دیکھتی رہی۔

''مرمرہ۔پرانی باتوں کو بھول جاؤ۔'' اس کے دونوں ہاتھ تھام کر دکھی لہجے میں کہا۔

''میرے بھولنے سے کیا سب کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے۔؟'' اس نے بھنویں اچکائیں۔

''ہم کوشش تو کر سکتے ہیں۔۔'' اس نے ہاتھوں پر پیار سے دباؤ ڈالا۔

''ایک بات کہوں مجھے نہیں لگتا۔شاید اب میں آپ کو پہلے کی طرح چاہ سکوں۔'' بڑی بے چارگی سے یہ الفاظ اسکے منہ سے ادا ہوئے۔

''جان۔تمہارا ساتھ ہی میرے لیے کافی ہے۔'' اس نے بڑی شدتوں سے جواب دیا۔

''اچھا۔۔اور محبت؟'' وہ طنز سے مسکرائی۔

''اب محبت کرنے کی باری میری ہے'' اس کا انداز ایسا تھا کہ مرمرہ کے ہاتھ پیروں میں کپکپاہٹ ہونے لگی وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆☆

مرمرہ لرزتے قدموں پر قابو پاتے ہوئے اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی بستر پر دراز ہو گئی۔اس کے ذہن پر ثالث کی باتوں کا قبضہ تھا، وہ ان کے سحر سے باہر ہی نہیں آ پا رہی تھی۔خیالات کی یلغار سے بچنے کے لیے اس نے پہلے تکیہ سر کے نیچے رکھا، پھر اسے اپنے اوپر رکھ لیا مگر بے فائدہ۔پچھلے کئی سالوں میں جن باتوں سے اس نے فرار چاہا، وہ ہی حقیقت کی طرح سامنے آ کھڑی ہوئیں۔تھک کر مرمرہ ایک بار پھر سے ماضی کے ان اوراق کو کھولتی چلی گئی، جن سے ہجر کی بو آتی تھی۔زخم پر لگا کھرنڈ اتر گیا اور خون رسنے لگا۔

جب سے ثالث لوٹا تھا سوچوں نے مرمرہ کا پیچھا لے رکھا تھا، وہ ان سے چھٹکارا پانے کے لیے کبھی کوئی ناول لے کر بیٹھ جاتی، کبھی عنایا کے ساتھ واک پر نکل جاتی، اس کی لایعنی باتوں پر سر ہلاتی مگر سمجھ میں کچھ نہیں آتا اور جب کوئی کام کرنے کو نہیں رہ جاتا تو ثام اور جیری لگا کر بیٹھ جاتی مگر ان کی معصوم شرارتوں سے بھی دل نہیں بہلتا۔جیسے ہی تنہائی نصیب ہوتی، سوچیں اس پر حاوی ہونے لگتی۔وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اب ثالث کے کیا ارادے ہیں۔

پچھلے ایک گھنٹے سے وہ سونے کی کوششوں میں مصروف کبھی تکیے پر سر رکھتی، کبھی تکیہ منہ پر رکھتی پر دل و دماغ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھے۔دل اپنی کہے جا رہا تھا اور دماغ اپنی سنا رہا تھا۔تھک ہار کر مرمرہ نے ان کی باتوں پر

کان دھرا۔
''اپنی عزت نفس کی قیمت پر محبت کی پذیرائی کبھی کبھی سر اٹھا کے جینے کے قابل بھی نہیں چھوڑتی''۔ مرمرہ کے دماغ نے دل کو بری سے جھاڑا جو اتنے سالوں بعد ثالث کو دیکھ کر پگھلنے لگا تھا۔
''انہیں ہمیشہ عزت دی، انکو اپنا سب کچھ مان کر غلط باتوں کو بھی نظر انداز کیا، مگر اس عمل پر شکر گزار ہونے کی جگہ ڈاکٹر صاحب ساتویں آسمان پر اڑنے لگے'' دماغ ایک اور نکتہ ڈھونڈ کر لایا۔
''پر وہ پہلی پہلی چاہت بھی تو ہیں'' دل نے منمنا کر کہا۔
''اس چاہت کو اپنا حق سمجھ کے وصولنے کے بعد کس طرح سے پیروں تلے روند کر صاحب آگے بڑھ گئے۔'' دماغ اس کی حمایت میں کچھ سننے کو تیار نہیں تھا یاد دلایا۔
''وہ میرے سب کچھ ہیں۔۔ان کے بغیر میں ادھوری رہ جاؤں گی'' دل کی دہائی الگ جاری تھی۔
''کسی کو ٹوٹ کر چاہنا اچھی بات ہے مگر اس احساس کے ساتھ کہ آپ کی محبت برابری کی بنیاد پر ہونی چاہیے۔ان کے پیروں میں گر کے پیار کی طلب بے وقوفی ہے''۔ دماغ کی پڑھائی گئی یہ پٹی مرمرہ کے دل کو جا لگی۔
میں نے ہمیشہ جھک کر انہیں اونچا مقام دیا۔مگر جب میری باری آئی تو حقیقت جانے بنا وہ مجھے ایک جھٹکے سے زمین پہ گرا کے دور چلے گئے'' مرمرہ کے دل میں ثالث کے لیے جو نرمی پیدا ہوئی وہ دماغ کے سمجھانے پر سختی میں بدل گئی اور اس کی باتوں سے سڈنی جانے کا جو ارادہ کمزور پڑا تھا وہ مضبوط ہوتا چلا گیا۔مگر باپ کو منانا ایک مشکل لمحہ تھا۔کافی دیر سوچنے کے بعد اس نے بھائی کو بیچ میں ڈالنے کا سوچا، جس کے پاس جا کر اسے ٹھہرنا تھا۔

☆☆☆☆

ثالث کو رات بھر نیند نہیں آئی، تو وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ جب اس کے اپنے اندر کا ٹیڑھا انسان سیدھے راستے پر چل پڑا تو پھر مرمرہ کی کھوپڑی کیوں گھوم گئی ہے۔
اتنے سال روشن خیال معاشرے میں گزار آنے کے بعد اس نے خود کا محاسبہ کیا تو اپنے جذباتی پن پر غصے کے ساتھ ہنسی بھی آئی۔کسی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر گھر آ جانے سے کیا انسان کا کردار مشکوک ہو جاتا ہے۔مرمرہ پر شک کرنے کا مطلب اپنی محبت کے ساتھ بد دیانتی تھی۔۔
وہ جسے پیار کرنا نہیں آتا تھا۔مرمرہ سے دوری نے اس کے عشق میں مبتلا کر دیا۔
''اپنی۔۔زندگی کو کسی بھی حال میں منانا۔پڑے گا۔۔ورنہ جینا مشکل ہو جائے گا۔'' جاگتے جاگتے صبح ہو گئی تو وہ گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔
''کیا کہتے ہیں دل سے دل کو راہ ہوتی ہے'' کچن سے کافی کا کپ لے کر وہ مشترکہ لان کی طرف نکلا تو مرمرہ سے اس کا ٹکراؤ ہو گیا۔بھرپور نگاہوں سے اسے دیکھا، صبح کی

نیلگوں روشنی میں، میک اپ سے مبرا مرمرہ کا گلابی چہرہ ، سرمئی آنکھوں پر سورج کی شعاعیں پڑیں تو وہ شیشے کے جیسے چمکنے لگ گئیں۔ گرین سوٹ پر سرخ شال اوڑھے، ، گھنے بالوں کا سادہ سا جوڑا بنائے۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ حسین ہوگئی تھی۔ جب سے وہ آیا تھا ان کی سرسری سی ملاقات ہوئی تھی۔ وہ ہر اس جگہ سے غائب ہو جاتی جہاں اس کی موجودگی کا شائبہ بھی ہوتا۔ دونوں کے بیچ نہ جانے کیسا چوہے، بلی کا کھیل چل رہا تھا۔ عنایا بھی اس کی حالت سے محظوظ ہو کر ہنس دیتی۔ اس وقت بھی مرمرہ ناراض ناراض سی منہ پھلائے اتنی من چاہی لگ رہی تھی کہ ثالث کو۔ اس پر ایک دم ٹوٹ کر پیار آنے لگا۔ وہ بے اختیار اس کی جانب بڑھا۔

مرمرہ نے چونک کر اسے دیکھا، ثالث نے بال چھوٹے کروالیے تھے، نائٹ گاؤن میں اپنے دراز قد کے ساتھ وہ پہلے سے بھی زیادہ وجیہہ ہو گیا تھا۔ دل کو کچھ ہوا مگر نظر انداز کرنا پڑا اور تیزی سے لان عبور کرنے لیے قدم بڑھائے وہ بھی ایک کائیاں اس کا ارادہ سمجھ کر لمبے ڈگ بھرتا ہوا برابر میں چلنے لگا۔ جانی پہچانی سی خوشبو نے اس کے قدموں کو بڑھ کر روک لیا۔ دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی، بس خاموشی کانوں میں رس گھولتی رہی ۔ کافی دیر یونہی گزر گئے تو مرمرہ اپنے پورشن کی جانب مڑ گئی بناء کچھ کہے۔ وہ اسے دیکھتا رہا۔۔ بہت دور تک۔ اس کی قربت نے مرمرہ کو یہ احساس دلا دیا کے وہ اس سے دور جا کر زندہ نہیں رہ سکتی نہ ہی وہ اتنی بہادر تھی، نہ ہی اس کے اندر اتنا حوصلہ تھا۔ اسے ڈاکٹر کے بناء اپنا وجود بے معنی لگنے لگا۔ ثالث کا نام اپنے نام سے الگ کرنے کا سوچ کر پورے وجود پر پھریری سی دوڑ گئی۔ سڈنی جانے کا ارادہ موقوف کرتے ہوئے مرمرہ نے آفر لیٹر کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈسٹ بن میں ڈال دیئے اور تیار ہونے چل دی۔

☆☆☆☆

عنایا سے کیے گئے وعدے کا خیال کرتے ہوئے، وہ ثالث کے ساتھ کافی شاپ چلی آئی۔ اس نے بڑی مشکل سے مرمرہ کو ثالث کی بات سننے کے لیے منایا تھا۔

''۔ زندگی۔۔ ناراضگی اپنی جگہ مگر یقین مانو یہاں سے جانے کے بعد۔ میری صبح و شام تمہارے نام سے شروع ہو کر تم ہی پہ ختم ہوتی تھی۔ ثالث نے اس کے مرمریں ہاتھ تھام کر دل کی سچائی سے اعتراف کیا تو اس کی آنکھوں میں نمی تیر گئی، جو اس نے منہ پھیر کر چھپانے کی کوشش کی۔

''پلیز۔۔ بھول جاؤ وہ ساری باتیں جو میں نے سوچے سمجھے بغیر کر دیں'' اسکے ہاتھ پر نرمی سے دباؤ ڈالتے ہوئے اعتراف جرم کیا۔

''کیا۔۔ بھولنا آسان ہے؟'' مرمرہ کی آنکھوں نے سوال کیا تو وہ شرمندہ سا ہو گیا۔

''وہاں چہار سو حسن بکھرا ہوا تھا مگر میری نگاہ اٹھتی ہی نہیں تھی'' ثالث کے بیان پر مرمرہ نے یقین نہ کرنے والے انداز میں اسے دیکھا مگر وہ بولتا چلا گیا۔

''میرے اندر کا حسن پرست انسان تو یہیں تمہارے آس پاس رہ گیا تھا، اس دوری نے مجھے احساس دلایا کہ میری روح کی پیاس صرف تمہارے دیدار کی متلاشی ہے'' اس کی بھاری آواز جذبات سے پر لہجہ، مرمرہ کے دل کو ڈانواڈول کرنے لگا۔

''۔ وہاں کے سب سے بڑے ہاسپٹل میں جاب کی آفر بھی آئی مگر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر تمہارے پاس واپس لوٹ آیا ہوں کیوں کہ میں جانتا تھا کہ میرا گزارا تمہارے بغیر نہیں ہے''، وہ اتنے پیار سے اس کا چہرہ اوپر کرتے ہوئے بولا کہ مرمرہ کا نظر ملانا مشکل ہو گیا، ایک کوندا سا لپکا اور وہ محبت کی آنچ سے پگھل گئی، اس کی آنکھوں سے چھلکتی مسکراہٹ نے ثالث پر واضح کر دیا کہ دلہن کی ناراضگی ختم ہوگئی یعنی مشکل آسان ہوگئی۔ ثالث نے اپنا بھاری بھر کم ہاتھ آگے بڑھایا، جسے مرمرہ نے بڑی گرم جوشی سے تھاما اور دونوں گاڑی کی طرف چل دیئے۔

☆☆☆

دسمبر کی آخری شام

تمثیلہ زاہد

یہ اس کی زندگی کا مشکل ترین لمحہ تھا جس کے سرکنے کا احساس اسے سخت اذیت دے رہا تھا، کاش یہ لمحہ اس کی زندگی میں آیا ہی نہ ہوتا۔

کاش! وہ خود فریبی کے احساس تلے یوں ہی زندگی گزار دیتی، تو اچھا ہی ہوتا، لیکن جو ہوتا ہے اچھا ہی ہوتا ہے، اللہ کی مصلحت بندوں سے پوشیدہ کیوں رکھی ہے وہ ذہنی طور پر کچھ الجھن محسوس کر رہی تھی، دل و دماغ پر چھایا غبار اب بھی دھندلے عکس کی طرح اس کی آنکھوں کے آگے موجود تھا، وہ پلکیں جھپک جھپک کر اس دھندلاہٹ کے پار دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن اسے بس ایک سایہ ہی نظر آیا، اونچا لمبا قد آور شخص اپنی پشت دکھا کر اب اس کی نظروں سے اوجھل ہو رہا تھا، جوں جوں وہ نظروں کی حدود سے غائب ہونے لگا اسے اس شخص کا قد اب پست نظر آنے لگا تھا، ایک کراہت کے احساس تلے وہ اب اپنا چہرہ چھپا کر سسکنے لگی، اس کی آنکھوں میں جمع پانی گالوں پہ تیزی سے بہنے لگا اور وہ بے بس یونہی سر نکائے بیٹھی رہی، آنسو بہاتی رہی۔

☆☆☆

''ثناء رات کے دو بج رہے ہیں تم اب تک سوئی نہیں، جلد سونے کی عادت ڈالو، ویسے بھی صبح جلدی اٹھنا ہے۔'' امی دوسری بار اس کے کمرے میں چکر لگا چکی تھیں، اب اس سے قدرے غصے میں کمرے میں داخل ہو کر بولیں۔

''کیا ہو گیا ہے امی مجھے اپنا اسائنمنٹ مکمل کرنا ہے نہ، صبح سر کو دینا ہے۔'' وہ سخت جھنجھلا کر

سر اٹھا کر امی کے غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

''انجان بننے کی ضرورت نہیں، تم اچھی طرح جانتی ہو کل صبح کی فلائٹ سے ساحر آرہا ہے اور تمہاری موجودگی وہاں ضروری ہے ورنہ تمہاری تائی امی خفا ہو جائیں گی۔'' وہ اب اس سے سخت لہجے میں بول رہی تھیں۔

''افوہ امی ساحر ہی آرہا ہے، وزیر اعظم تو نہیں جس کے استقبال کے لئے ساری رعایا کو اکٹھا ہونا ضروری ہے۔'' وہ اپنے مخصوص لہجے میں بغیر کسی لگی لپٹی کے بولی۔

''فضول بولنے کی ضرورت نہیں، منگیتر ہو تم اس کی اور تمہاری تائی اماں ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو محسوس کرتی ہیں اور میں اس موقع پر کوئی ایشو بنانا نہیں چاہتی، اسائنمنٹ اگلے روز بھی جمع ہوسکتی ہے۔'' وہ دوٹوک لہجے میں بول کر اس کے کمرے کی لائٹ آف کر کے جا چکی تھیں اور وہ دل میں عجیب سی بے کلی کے احساس تلے منہ بسور کر لیٹ گئی، تھکی ہوئی تو تھی ہی، سو جلد ہی نیند اس کی آنکھوں پر مہربان ہوگئی اور وہ یوں ہی اپنا اسائنمنٹ گلے سے لگائے سوگئی، صبح امی اسے اس حالت میں سوتا دیکھ کر بے اختیار مسکرانے دیں، پھر آہستہ سے کندھے جھنجھوڑ کر اسے اٹھایا، وہ آنکھیں ملتی واش روم میں گھس گئی، وہ واش روم سے فارغ ہو کر کمرے سے باہر نکلی تو دیوار پر لگی گھڑی نو بجا رہی تھی، اس نے اردگرد کا جائزہ لیا، گھر کافی چمک رہا تھا، آج صبح ہی صبح ماسی سکینہ کو بلا لیا گیا تھا، امی نے ماسی سکینہ کے ساتھ مل کر گھر کی آرائش اور سجاوٹ میں بھی تبدیلیاں کی تھیں جس سے گھر میں ایک خوشگوار تبدیلی کا احساس ہو رہا تھا، شام کو لائے گئے ان ڈور پلانٹ بھی امی نے کارنر پر رکھوا دیئے تھے، فلائٹ دس بجے کی تھی وہ عجلت میں ناشتہ بنا کر ٹیبل میں رکھ رہی تھیں۔

''کیا بات ہے امی آپ کی اپنے ہونے والے داماد کے لئے آپ نے ابھی سے شاہی تیاریاں کر لی ہیں جیسے وہ ایئر پورٹ سے سیدھا آپ کے گھر اترنے والا ہے۔'' وہ معنی خیز انداز میں گھر کا فریش ماحول دیکھ کر ڈائننگ ٹیبل سے ایک کرسی کھسکا کر بیٹھتے ہوئے بولی، تو ناشتہ ٹیبل پر سرو کرتی امی نے اسے غصے سے گھورا تھا، اس کے بے باک انداز پر اس کا چھوٹا بھائی نبیل بھی کھی کھی کر کے ہنسنے لگا، امی نے غصے سے اس کے سر پر دھپ رسید کی پھر جلد ناشتہ کرنے کی ہدایت دینے لگیں، وہ بھی خاموشی میں ہی عافیت جان کر مزید کچھ نہ بولی۔

☆☆☆

پانچ سال بعد ایئر پورٹ پر ساحر کو دیکھ کر تائی امی جہاں پھولے نہیں سما رہی تھیں، وہاں آنکھیں بھی برس رہی تھیں، ساحر اپنے نام کی طرح ان پانچ برسوں میں سحر انگیز شخصیت کا مالک بن چکا تھا، نمایاں دراز قد، گندمی رنگت پر ہلکے سنہرے بال اور دو بھوری آنکھوں میں بلا کی کشش لئے وہ اس کے سحر میں جکڑی کتنی دیر یونہی اسے اپنی آنکھوں میں جذب کرتی رہی، ایک احساس تفاخر بھی اس کی رگوں میں شامل تھا کہ یہ شخص بچپن سے ہی اس سے منسوب تھا، یہ اس کے مقدر میں لکھا گیا ہے، اس کے دائیں بائیں کھڑی کزنوں کا اشتیاق اسے زہر لگ رہا تھا۔

''ہیلو۔'' وہ اچانک ہی اس کے سر پر کھڑا ہو کر بولا تھا۔

''السلام علیکم۔'' وہ اپنی بے خودی پر شرمندہ بوکھلا کر بولی تھی۔

ساحر نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے ہی

تھے کہ کزن کی ایک ٹولی نے اس کے گرد دائرہ تنگ کر دیا اور وہ ان میں گھرا ائیر پورٹ سے باہر نکلا تھا، تائی امی نے آج شام سب ہی کو اپنے ہاں رات کے کھانے پر ساحر کے آنے کی خوشی میں بلایا تھا، سو سب ہی اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے اور ان دونوں کے درمیان پھر مزید کوئی بات چیت نہ ہو سکی، وہ خود کو لعنت ملامت کر رہی تھی، کالج سے چھٹی ان موصوف کی وجہ سے کی تھی اور موصوف کی نگاہ میں اسے اشتیاق کی ایک جھلک بھی نظر نہ آئی تھی، اس نے بھی خود سے طے کر لیا تھا وہ بھی اب نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھے گی، منہ پھلائے گاڑی میں بیٹھے وہ خود سے لڑتے لڑتے گھر کب پہنچی اسے خبر ہی نہ ہوئی۔

☆☆☆

ساحر تائی امی کا اکلوتا بیٹا تھا، ابو اور تایا ابا کا مشترکہ کاروبار تھا، چچا ملازم پیشہ تھے اور دو بیٹیوں ماہم اور انعم کے علاوہ ایک بیٹے کی پیدائش کے بعد اس کی جدائی کے غم سے گزر چکے تھے، چچا کی فیملی کے برعکس تایا ابا کے اپنے سے چھوٹے بھائی کے ساتھ تعلقات مثالی تھے، مشترکہ کاروباری لین دین میں کبھی ان دونوں کے درمیان ہلکا سا بھی اختلاف نہ ہوا، دونوں کے مزاج ٹھنڈے اور ہم آہنگ تھے، تایا ابا نے یہی سوچ کر اپنے اکلوتے بیٹے ساحر کو ثناء کے ساتھ منسوب کرنے کا فیصلہ کیا تھا، باقاعدہ منگنی کے بجائے بڑوں کے درمیان ہی فیصلہ طے پایا جا چکا تھا خاندان کے سب ہی افراد اس طے شدہ رشتے سے واقف تھے، دونوں گھرانوں میں بے حد محبت تھی، ساحر اور ثناء بچپن سے ایک ساتھ کھیلتے کودتے، لڑتے جھگڑتے بڑے ہوئے تھے، ساحر ثناء سے چار برس بڑا تھا، وہ اپنا انٹر مکمل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لئے کینیڈا اپنے ماموں کے پاس چلا گیا جہاں پانچ برس اس نے اپنی تعلیم مکمل کرنے میں گزار دیئے، اس دوران ان دونوں میں کوئی رابطہ نہ تھا، بچپن میں کئے ہنسی مذاق کو یاد کر کے ثناء خود پر ہنستی رہتی، ائیر پورٹ پر اسے دیکھ کر اس کے دل میں بجنے والی دھن نے اسے ایسا مسحور کر دیا کہ وہ فطری جھجک تلے اس سے کوئی بات کر ہی نہ سکی، دوسری طرف ساحر کا رویہ نارمل تھا، ثناء اس کے لئے پھولوں کا تحفہ لے کر گئی تھی، اس کی چچا زاد کزنوں کی گود میں رکھے گلاب کے گلدستے نہ جانے کیوں اسے زہر لگ رہے تھے، وہ بلاوجہ ہی ساحر کے گلے کا ہار بن رہی تھیں، ساحر نے اپنی دونوں کزنوں کے ساتھ اس کے ہاتھ سے بھی پھولوں کا تحفہ بہت عام انداز میں لے کر شکریہ کہا تھا وہ تو مزید کچھ اور سننا چاہتی تھی لیکن...... ماہم اور انعم کو دیکھ کر وہ آگے نہ بڑھ سکی اور چپکے سے باہر نکل آئی تھی نہ جانے ان دونوں کے درمیان پہلے جیسی بے تکلفی قائم ہو گی بھی یا...... نہیں...... اس سے آگے کا سوچ کر ہی اس کا چہرہ سرخ ہونے لگا اور وہ جلدی سے اپنے کمرے میں چلی گئی تاکہ شام کی بھرپور تیاری کر سکے۔

☆☆☆

ساحر علی رضا آج بھی ویسا ہی تھا جیسے پانچ برس قبل ہوا کرتا تھا، ویسا ہی شوخ و شریر، برجستہ جملے اور بھوری آنکھوں میں چمک بھی وہی تھی، ان سالوں میں اس کا قد اور نمایاں ہو گیا تھا، وہ پہلے سے بھی زیادہ وجیہہ اور ایک خوش شکل نوجوان میں بدل گیا تھا، وہ تھا ہی اتنا ہینڈسم کہ ماہم اور انعم اس کی شاندار پرسنالٹی آگے مرعوب تھیں، تائی امی نے بیٹے کے آنے کی خوشی میں رکھی تقریب میں سب ہی دوستوں اور رشتہ داروں کو دعوت دی تھی، ان کے گھر کے وسیع لان میں شوخ آنچل کے جھرمٹ میں اسے دور سے ہی ساحر نظر آ گیا

تھا، نہ جانے کیوں اسے اپنے اور اس کے درمیان بے حد فاصلے محسوس ہو رہے تھے، نہ جانے یہ فطری شرم تھی یا جھجک، وہ خود سے اس سے کوئی بات کر ہی نہ سکی، وہ پہلے جیسی بے تکلفی رہی ہی نہیں، وہی رسمی علیک سلیک، اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، نہ جانے کیوں؟ اسے تائی امی میں بھی وہ گرم جوشی نظر نہیں آ رہی تھی، پھر اس نے اگلے روز کالج جلد جانے کا ایسا شور مچایا کہ امی ابو کو جلدی ہی تائی امی کی دعوت سے نکلنا پڑا۔

☆☆☆

''تمہارا موڈ کیوں خراب ہے؟'' رات کو سوتے وقت امی نے پوچھا۔

''نہیں تو...... ایسی کوئی بات نہیں۔'' اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ جواب دیا۔

''پھر اتنی جلدی کیوں مچائی، تمہاری تائی امی کیا سوچتی ہوں گی رشتوں کی نذاکت کا خیال رکھ کر چلا کرو۔'' امی کے ناصحانہ انداز پر وہ چڑ سی گئی۔

''امی کل میرا اسائمنٹ جمع کروانے کا آخری دن ہے اور پھر امتحان بھی سر پر ہیں، باقی رہی بات رشتوں کی تو سارے خیال ہم ہی رکھیں۔'' وہ اب خود پر چادر تان کر لیٹ گئی، امی نے بھی گہری سانس لی اور کمرے میں لائٹ آف کر کے چلی گئیں۔

اگلے دن کالج سے واپسی پر اچانک ملنے والے موبائل پر ساحر کے میسج نے اس کے دل میں کئی رنگ بھر دیئے، وہ اسے ایک مقامی کافی ہاؤس میں ملنے کی دعوت دے رہا تھا، یہ وہی کافی ہاؤس ہے جہاں وہ والدین کے ہمراہ اس کافی ہاؤس میں نہ جانے کتنی بار اور بچپن میں ساحر اس کے ہمراہ بھی ضد کر کے آ جایا کرتی تھی، وہ نوعمری کا دور تھا، اب اسی کافی ہاؤس میں جاتے ہوئے اسے فطری شرم نے گھیر لیا تھا۔

شام کو وہ کافی ہاؤس میں اسی کے روبرو موجود تھی، وہاں پہلے سے موجود بیٹھے ساحر کو دیکھ کر اس کی ہتھیلیاں بھیگنے لگیں، وہ اس کا کزن تھا، لیکن دل کی دھڑکن کسی اور ہی سر میں دھڑک رہے تھے، دونوں کے درمیان بہت دیر تک خاموشی قائم رہی، کافی ہاؤس مکمل پیند تھا، اکا دکا لوگ موجود تھے، باہر سرد ہوا کے تھپیڑے چل رہے تھے، اندر ہیٹر آن تھا، اس کے باوجود اس کی ہتھیلیاں ٹھنڈی برف ہو رہی تھیں، دل بری طرح دھڑک رہا تھا، ایک عجیب سی خاموشی کو ساحر نے اپنی گمبھیر آواز سے توڑا تھا۔

''ثناء! جو لوگ ہمیں اچھے لگتے ہیں، لیکن وقت کے ساتھ یہ پسندیدگی بدل جائے تو اسے کیا کہیں گے؟''

''کیا مطلب؟'' اس کی سنجیدگی اور کچھ ہونے کا احساس سے اس کا دل ڈوبا تھا، پھر یہ چبھن آنکھوں میں سوال بن کر ابھرا تھا، نہ جانے وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔

''کل امی نے مجھ سے اس نجوک کی بات کی جو نہ جانے کب ہمارے بڑوں نے طے کر رکھے تھے، لیکن ضروری تو نہیں بڑوں کے فیصلے صحیح ہی ہوں، مجھے لگتا ہے ہم دونوں ایک اچھی زندگی نہیں گزار سکتے، اس لئے میں خود تم سے اس تعلق کو ختم کرنے کے لئے معذرت چاہتا ہوں۔'' اس کے لہجے میں نرماہٹ تھی، التجا تھی، لیکن نہ جانے کیوں اس کے لفظ سفاک لگے،

''کبھی کبھی کسی لمحے ایسا لگتا ہے جیسے سامنے والا آپ ہی کے لئے بنا ہو، میرے ساتھ بھی پچھلے چند دنوں میں کچھ یوں ہی ہوا، میرے اندر کی خواہش اتنی زور آور تھی کہ اپنا انکار سنانے تمہیں خود چلا آیا، میں تمہیں کسی خوش فہمی میں رکھنا

نہیں چاہتا، میں اچھی طرح جانتا ہوں تمہارے جذبات کو ٹھیس پہنچے گی لیکن اس ضدی دل کا کیا کروں جو کسی اور کے نام کی مالا جھپ رہا ہے۔''

''کون ہے وہ خوش نصیب؟'' وہ اپنے لب بے دردی سے کاٹتے ہوئے بولی۔

''ماہم۔'' اس کی آواز دھیمی ہو گئی۔

ثناء کو اپنی سماعتوں پر یقین نہ آیا، لیکن پھر لمحے بھر میں ایئر پورٹ سے لے کر تقریب کا منظر اس کے دماغ میں گھومنے لگا، ہاں وہ ماہم ہی ہو سکتی تھی جس کی ادائیں اور انداز اسے پہلے دن سے ہی مشکوک لگے تھے، وہ ساحر کے گرد اپنی معنی خیز نگاہوں کے ساتھ اپنی بے باک زبان کا بھی خوب استعمال کرنا جانتی تھی اور اس نے واقعی کر دکھایا بھی، سالوں سے جڑا بندھن کچے دھاگے کی طرح آج ٹوٹ گیا تھا، سامنے بیٹھے شخص کو کبھی اس نے غیر سمجھا ہی نہ تھا، وہ اس کا اپنا تھا، وہی اس کی منزل تھا، وہ یہ جانتی ہی نہ تھی کہ وہ ایک ایسے سفر پر گامزن ہے جو لا حاصل ہے۔

ہاں ایک لا حاصل سفر۔

اس نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی جہاں بکھری نارنجی روشنیوں کا جال بچھا ہوا تھا، اس کی گردن مرجھائے پھول کی طرح جھک گئی، دل تو یہ چاہ رہا تھا کہ سامنے بیٹھے شخص کا گریبان پکڑ لے اور چلا چلا کر یہ پوچھے کہ اسے کیا حق پہنچتا تھا، لیکن مرد کہاں اعتراف کرتا ہے، وہ تو کر گزرتا ہے۔

ساحر نے اسے سوچ میں گم دیکھ کر ایک گہری سانس لی تھی، ان دونوں کے درمیان اب کچھ باقی نہ تھا، وہ بہ ظاہر دونوں ہاتھ میز پر ٹکائے بے تاثر چہرے کے ساتھ سر جھکائے منہ پھیرے بیٹھی رہی، ساحر کو محسوس ہی نہ ہوا کہ وہ کسی آگ میں دہک رہی ہے، اس کے جذبات کی سلگتی چنگاریاں اس تک پہنچی ہی نہیں، ساحر نے اس کی طرف الوداعی نگاہ اٹھائی پھر بولا۔

''محبت نہ ہو تو ہر چیز بے معنی ہے، انسان کی ترجیحات بدل گئی ہیں، تم بہت اچھی ہو یقیناً آئندہ آنے والی زندگی تمہارے لئے محبت کا ایک ایسا شہر آباد کرے گی جس کی تم کل مختار مالک ہو گی۔'' نہ جانے وہ اسے کیا بتانا چاہتا تھا، پھر وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا باہر کی سمت بڑھ گیا، وہ اس کی باتیں چپ سی ہو کر سنتی رہی پھر جب وہ خاموش ہوا تو اس کی نم آنکھوں نے اس کی پشت کو دیکھا تھا، وہ اس کی زندگی سے یوں چلا گیا جیسے آیا ہی نہ تھا اس نے آسمان کی طرف دیکھا جو اب سرمئی گہرے بادلوں سے ڈھک چکا تھا، دسمبر کی یہ آخری شام اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھی، اس نے اپنے رخسار سے آنسو تیزی سے رگڑ ڈالے پھر اپنے قدموں پر مضبوطی سے کھڑی ہو گئی اس یقین کے ساتھ شام کی سیاہی اگلے روز صبح کی اجلی دھوپ نگل لے گی اور اس کی روشن صبح کا آغاز ہو جائے گا۔

وہ جو شہر دل تھا اجڑ گیا
وہ جو خواب تھا بکھر گیا
کبھی موسموں کی نظر لگی
کبھی واہموں نے ڈرا دیا
کبھی منزلوں کے سراب نے
ہمیں راستے میں دغا دیا
کبھی زندگی کی کتاب سے
ہمیں جس نے چاہا مٹا دیا
بس اس لئے

وہ جو چار ہاتھ تھا دور تک
اسے دیکھتے ہی رہے مگر
نہیں دی صدا
اسے روکتے بھی تو کس لئے

☆☆☆

میری زندگی ہے نغمہ
سباس گل

''لو ناشتہ کرلو۔'' حسنہ نے دو جلے ہوئے سلائس اور کچا پکا سا فرائی انڈہ ایک بڑی پلیٹ میں اس کے سامنے رکھا دیا، نغمہ اتنا شاندار ناشتہ دیکھ کر ایک پل کو تو بجھ کے رہ گئی، پھر انڈے کی حالت زار بلکہ حالت بیزار دیکھ کر استفہامیہ لہجے میں بولی۔

''اس انڈے میں زیادہ قصور مرغی کا ہے یا آپ کا؟''

''مرغی نے تو اچھا بھلا دیا تھا یہ تو انہوں نے ناس مارا ہے انڈے کا۔'' حسنہ باجی کے شوہر شفیق الحسن اخبار کھولتے ہوئے نارمل انداز میں جواب دیا، حسنہ تو کچن کی طرف چلی گئیں تھیں دوبارہ اور نغمہ پلیٹ اٹھا کر باہر جانے کو کھڑی ہو گئی۔

''اس انڈے پر زیادہ حق باہر بیٹھی مرغی اور بلی کا ہے ذرا اسے بھی تو دکھاؤں جا کے کہ اس کے دیئے انڈے کے ساتھ کتنا غیر حیوانی و غیر انسانی سلوک کیا گیا ہے۔'' نغمہ نے کچھ اس انداز سے کہا کہ شفیق الحسن بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

''کیا بات ہے بھائی جان! ایک مدت کے بعد اس گھر میں آپ کی ہنسی سننے کو ملی ہے بہت خوشی ہو رہی ہے۔'' انیق الحسن ان کے چھوٹے بھائی سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے چلے آئے اور انہیں دیکھتے ہوئے خوشگوار موڈ میں بولے تو وہ کہنے لگے۔

''میرے بھائی! چند روز تک تمہیں یہ خوشی ملتی رہے گی۔''

''رئیلی۔'' وہ ان کے دائیں جانب ڈائننگ ٹیبل کے گرد رکھی کرسی کھسکا کر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''ہوں۔'' شفیق الحسن نے چائے کا سیپ

مکمل ناول

لے کر مسکرا کر کہا۔

''کوئی خاص وجہ؟'' انیق الحسن نے مگ اٹھا کر گلاس میں جوس انڈیلتے ہوئے پوچھا۔

''ہوں، ایک خاص ہستی ہے اس کی وجہ۔''

''قربان جاؤں اس خاص ہستی کے جس نے میرے بھائی جان کے ہونٹوں پر ہنسی بکھیر دی۔''

''بنا دیکھے ہی قربان جا رہے ہو، دیکھ لیا تو قربان ہو ہو جاؤ گے۔'' شفیق الحسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہ ہستی کسی خاتون کی ہے؟'' انیق الحسن نے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں سوال کیا۔

''ہاں۔'' وہ بھی آہستگی سے اس کے قریب ہو کر بولے۔

''حسنہ بھابھی تو ہو نہیں سکتیں۔''

''صحیح سمجھے۔'' شفیق الحسن نے اخبار کی تہہ لگائی۔

''پھر کون ہے؟ میں جس کے قربان ہو جاؤں گا بتایئے نا۔'' انیق الحسن نے انہیں دیکھتے ہوئے بے تابی سے پوچھا۔

''ابھی آئے گی تو مل لینا۔''

''گلے۔'' وہ شرارت سے بولے۔

''بیٹا! گلے ہی نہ پڑ جائے کہیں، یہ گلے ملنے کے شوق امریکہ میں پورے کر کے آنے تھے یہاں یہ سہولت مہیا نہیں کی جائے گی۔'' شفیق الحسن نے بھی دوستانہ انداز میں شوخ لہجے میں کہا تو وہ ہنس پڑے۔

☆☆☆

شفیق الحسن اور انیق الحسن دونوں بھائی تھے اور آپس میں ان کی بہت دوستی اور محبت تھی، شفیق الحسن ایک ماہر آرکیٹیکٹ تھے اور انیق الحسن ایک ہفتہ پہلے ہی امریکہ سے لوٹے تھے، وہ ہارٹ سرجن بننے گئے تھے امریکہ، ان کے والدین اپنے آبائی گھر میں رہتے تھے، جہاں قریب ہی حسنہ کے والدین بھی رہتے تھے، حسنہ ان کی والدہ کی سہیلی کی بیٹی تھیں، دس سال پہلے ان کی شفیق الحسن کے ساتھ شادی ہوئی تھی وہ مقامی کالج میں اکنامکس کی لیکچرار تھیں، گھر داری سے امور خانہ داری سے نابلد تھیں، شفیق الحسن کم گو، نرم اور دھیمے مزاج کے مالک تھے، جبکہ حسنہ مزاج کی تیز تھیں، زندگی کی گاڑی میں ایک پہیہ سائیکل کا تو دوسرا اسکوٹر کا لگا ہوا یہ کہنا کچھ غلط بھی نہ تھا، حسنہ کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی، بچوں کے لئے آیا رکھی ہوئی تھی، گھر کے کام کاج بھی ملازمہ کر جاتی تھی، بس کھانا پکانے کا کام حسنہ کو کبھی کبھی خود کرنا پڑتا تھا، گھر کا نظام ملازموں کے ہاتھ میں تھا، راشن بے دریغ خرچ ہو رہا تھا، بجلی، گیس، ٹیلی فون کا استعمال بے جا اور بے دھڑک کیا جاتا تھا اور بل ہزاروں روپے کے آتے تھے، شروع شروع میں شفیق الحسن نے حسنہ کو پیار سے سمجھانے، احساس دلانے کی کوشش کی ان کی گھریلو ذمے داریوں کے سلسلے میں مگر وہ تو ہتھے سے ہی اکھڑ جاتیں، ملازمت چھوڑ کر گھر سنبھالنا انہیں منظور نہ تھا، نہ ہی ان کی تربیت میں شامل تھا یاں باپ کے لاڈ پیار نے انہیں نکما بنا دیا تھا، وہ تعلیمی میدان میں کامیابیاں سمیٹتی تھیں لہٰذا انہیں گھر کے کام نہیں کرنے دیئے جاتے تھے، جبکہ نغمہ بھی ان ہی کی بہن تھی، ان سے عمر میں آٹھ برس چھوٹی تھی، خوبصورت، خوب سیرت، سلیقہ مند تھی، گھر داری میں طاق تھی، کیونکہ اسے کوکنگ کا گھر کا صاف ستھرا رکھنے کا شوق شروع سے ہی تھا اور دادی نے اس کے شوق کو دیکھتے ہوئے اسے سب کام سکھائے تھے، انہیں حسنہ کی لاپرواہی اور غیر

ذمے دارانہ طبیعت کی وجہ سے ہمیشہ فکر لاحق رہتی تھی، انیق الحسن اپنی تعلیم کے حصول میں اتنے مصروف رہے تھے کہ بتیس برس کے ہو رہے تھے اور ابھی تک کنوارے تھے، نغمہ صبح ہی بہاول پور سے لاہور شفیق ولا پہنچی تھی اور انیق الحسن چار سال بعد امریکہ سے لوٹے، رات آٹھ بجے وہ گھر پہنچے تھے، نغمہ سے ان کا تعارف نہیں تھا، وہ ان کے حافظے میں بھی شاید اپنی جگہ نہیں بنا پائی تھی، دس سال پہلے بارات کے ساتھ وہ ان کے گھر گئے ضرور تھے لیکن حسنہ کے بھائیوں اور والدین سے ہی سلام دعا ہوئی تھی ان کی اور نغمہ بھی انہیں غائبانہ طور پر جانتی تھی دیکھا تو دس برس پہلے تھا مگر وہ دیکھنا ایسے ہی تھا جیسے شادی کی تقریب میں آئے ہوئے دوسرے مہمانوں کا تھا، یوں بھی تب وہ صرف بارہ برس کی تھی اسے مہمانوں سے زیادہ دولہا دلہن میں دلچسپی تھی۔

☆☆☆

''واہ پراٹھے اور پودینے کی چٹنی کی اشتہا انگیز خوشبو کتنے عرصے بعد سونگھ رہا ہوں یہ شر انگیز اقدام کس کا ہے بھائی جان، جو صرف خوشبو سونگھا کر ہماری بھوک کو بڑھا دیا ہے؟'' انیق الحسن نے لمبا سانس اندر کھینچتے ہوئے شفیق الحسن سے استفسار کیا۔

''تمہاری بھابھی تو کالج کے لئے نکل چکی ہیں، کچن میں کون ہے؟ یہ تم خود ہی جا کر دیکھ لو۔'' شفیق الحسن مسکراتے ہوئے کرسی کھسکا کر بولے۔

''آپ کہاں چل دیئے؟''

''تیار ہونے جا رہا ہوں آفس جانا ہے آج تمہاری وجہ سے تھوڑا دیر سے جا رہا ہوں، شام میں ملیں گے اور ڈنر باہر کریں گے۔'' شفیق الحسن نے دھیمے پن سے جواب دیا۔

''میں گھر کے کھانے کو ترسا ہوا ہوں آپ بھی باہر ہی کھلائیں گے کھانا، بھابھی جان کے حالات اب بھی وہی ہیں کیا؟ کھانا پکانا نہیں سیکھا ابھی تک؟'' انیق الحسن نے جوس ختم کرتے ہوئے سوال کیا۔

''اس کے لئے صرف اس کی جاب اہم ہے گھر اور گھر داری، شوہر بچوں کی ذمے داری اہم نہیں ہے، اب یہی دیکھ لو کہ تم رات یہاں پہنچے ہو اس کے میکے سے بھی مہمان آئے ہیں صبح لیکن وہ پھر بھی نہیں رکی ایک دن کالج سے چھٹی لے سکتی تھی نا، مگر نہیں اس کی نظر میں رشتے اہم ہیں ہی نہیں، رشتوں کو ذمے داریوں کو، بوجھ مصیبت، رکاوٹ سمجھنے والوں کے نزدیک صرف اپنی ذات، اپنی بات اور اپنی خواہشات اہم ہوتی ہیں، اپنوں کی نہیں، اپنے سے جڑے رشتوں کی نہیں۔'' شفیق الحسن نے سنجیدہ اور آزردہ لہجے میں کہا اور اپنے کمرے کی طرف چلے گئے، کچن کے دروازے پر کھڑی نغمہ نے بھی ان کی باتیں سنی تھیں وہ کس سے مخاطب تھے، یہ وہ نہیں جان سکی تھی، اس نے رات کے بچے ہوئے آلو قیمے کے پراٹھے پکائے تھے، ساتھ پودینے ہرے دھنیے کی چٹنی پیسی تھی اور ٹرے میں سجا کر ڈائننگ ٹیبل تک جانے کے لئے کچن سے نکل ہی رہی تھی کہ انیق الحسن پراٹھوں کی خوشبو سے بے تاب ہو کر وہاں چلے آئے، دونوں آپس میں ٹکراتے ٹکراتے بچے تھے۔

''کون ہیں آپ؟'' نغمہ نے ٹھٹکا کر سامنے کھڑے وجیہہ و شکیل انیق الحسن کو دیکھتے ہوئے فوراً سوال کیا۔

''مجھے چھوڑیں، آپ بتائیں کون ہیں آپ؟ اور یہ پراٹھے لے کر کہاں فرار ہو رہی تھیں؟'' انیق الحسن نے اس کے ہاتھوں سے

ٹرے لیتے ہوئے بڑے رعب سے پوچھا تھا، نغمہ کو ان کی اس حرکت پر انہیں حیرت سے دیکھا، چہرہ کچھ دیکھا دیکھا سا لگا تھا، مگر یاد نہیں آرہا تھا کہ کب؟ کہاں دیکھا تھا۔

''میں نغمہ ہوں۔'' نغمہ نے ان کو تحیر آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔

''پیار کا نغمہ؟'' وہ شرارت سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولے تو اس نے مزید وضاحت کرتے ہوئے بتایا۔

''حسنہ باجی کی بہن اور شفیق بھائی کی سالی ہوں۔''

''اووو...... تو سالی، آدھی گھر والی ہیں آپ اسی لئے کچن پر قبضہ جمالیا آتے ہی۔'' انیق الحسن نے اس کو سر سے پاؤں تک بغور دیکھتے ہوئے کہا اور کچن میں رکھی کرسی پر ہی بیٹھ گئے، ٹرے میز پر رکھی اور پراٹھے کا لقمہ توڑ کر منہ میں ڈالا۔

''آپ اپنا تعارف کرانا پسند کریں گے؟''

''مابدولت کسی تعارف کے محتاج تو نہیں ہیں پھر بھی بتائے دیتے ہیں کہ ہم ہارٹ اسپیشلسٹ سرجن انیق الحسن ہیں رات ہی امریکہ کو خیرباد کہہ کر وطن واپس لوٹے ہیں اور شفیق الحسن کے چھوٹے بھائی ہیں۔'' انیق الحسن نے پراٹھا چٹنی اور دہی کے ساتھ مزے لے کر کھاتے ہوئے اپنا مکمل تعارف کروایا تو وہ سمجھی کہ انہیں کہاں دیکھا تھا اور ان کا انداز اتنا بے تکلفانہ کیوں ہے۔

''اوہ، آئی سی...... گڈ ٹو سی یو۔'' نغمہ نے اخلاقاً کہا تو وہ پراٹھے کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے بولے۔

''آپ سے زیادہ اچھا تو مجھے لگا ہے آپ کو دیکھ کر کیونکہ آپ نے اتنا مزیدار ناشتہ جو کرایا ہے، رئیلی پراٹھے اور چٹنی بہت ہی مزیدار ہیں اب یہ ذائقہ آپ کے ہاتھ کا ہے یا میری زبان کا فی الوقت کچھ نہیں کہہ سکتا، ہاں مگر قیمے بھرے پراٹھے میں نے اپنی امی کے ہاتھ کے کھائے تھے برسوں پہلے یا آج آپ کے ہاتھ کے کھا رہا ہوں لاجواب ہیں بھئی بہت مزیدار ہیں۔''

''شکریہ۔'' وہ اتنا کہہ کر چولہے سے چائے اتار کر کپ میں ڈالنے لگی۔

''آپ بھی کھائیے نا۔'' انیق الحسن نے اخلاقاً کہا۔

''آپ سے بچ گیا تو کھالوں گی، بنایا اپنے اور شفیق بھائی کے لئے تھا ناشتہ یہ موصوف پتا نہیں کہاں سے آن دھمکے۔'' نغمہ نے دل میں کہا۔

''چائے۔'' نغمہ نے چائے کا کپ ان کے سامنے میز پر رکھ دیا۔

''شکریہ، آپ ناشتہ نہیں کریں گی؟''

''کرلوں گی۔'' وہ واپس مڑی۔

''ویسے لگتا نہیں ہے کہ آپ حسنہ بھابھی کی بہن ہیں۔'' انیق الحسن نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''کیوں؟'' وہ جاتے جاتے واپس پلٹی۔

''انہیں تو روٹی بھی ڈھنگ سے پکانی نہیں آتی اور آپ نے قیمہ بھرے پراٹھے پکائے ہیں وہ بھی اتنی لذیذ چٹنی کے ساتھ بھئی سبحان اللہ، مزہ آ گیا ناشتے کا، تھینک یو۔'' انیق الحسن نے دل کھول کر اس کے ہاتھ کے پکے پراٹھوں کی تعریف کی تھی مگر وہ خوش نہ ہوسکی کیونکہ اس کی بجیا سے کمپیئر کیا انہوں نے تعریف کرنے کے ساتھ ہی اسے اس کی بجیا کی نالائقی اور پھوہڑ پن بھی جتلا دیا تھا، وہ شرمندہ سی ہوگئی، وہ چائے کا کپ لے کر کچن سے باہر چلے گئے، ٹرے میں رکھی

پلیٹ میں آدھا پراٹھا موجود تھا، وہ کرسی پر بیٹھ کر پراٹھا کھانے لگی یہ سوچ کرکے اب آدھا پراٹھا ضائع تو نہیں کیا جا سکتا اور ناشتہ بھی نہیں کیا تھا اس نے بھوک بھی لگ رہی تھی جو مل رہا تھا وہی غنیمت تھا اس کے لئے، جب وہ آخری نوالہ کھا رہی تھی تب انیق الحسن چائے کا کپ رکھنے کچن میں آگئے۔

''سنا ہے جھوٹا کھانے سے محبت بڑھتی ہے۔'' وہ کپ میز پر رکھتے ہوئے شرارت بھرے لہجے میں بولے۔

''جی ہاں، اگر محبت ہو تو، اور جھوٹا کھانے سے، بچا ہوا کھانے سے نہیں۔'' وہ اپنی جھینپ مٹانے کو تیزی سے کہتی ٹرے اٹھا کر سینک کی طرف بڑھ گئی وہ ہنس پڑا۔

''چائے بھی بہت اعلیٰ تھی بہت شکریہ شاندار، مزیدار ناشتے کے لئے، اور سوری میں نے شاید آپ کے حصے کا ناشتہ بھی کر لیا، وہ کہتے ناں ''دانے دانے پہ لکھا ہے کھانے والے کا نام'' تو یہ ناشتہ میرے نصیب کا تھا، آپ نے میرا بچا ہوا کھایا مجھے بہت اچھا لگا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''دادی کہتی ہیں کہ رزق کبھی ضائع نہیں کرنا چاہیے، بچا ہوا کھانا، جھوٹا کہہ کر ضائع کر دینا بہت غلط فعل ہے اور پھر ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت بھی تو ہے کہ اگر زمین پر روٹی کا ٹکڑا گر جائے تو اسے اٹھا کر صاف کر کے کھالو۔'' نغمہ نے ناشتے کے برتن دھوتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو وہ مسکرانے لگے۔

''درست فرمایا آپ نے۔'' وہ یہ کہہ کر وہاں سے چلے گئے، نغمہ نے ریلیکس ہو کر گہرا سانس لیا۔

☆☆☆

رات تک وہ انیق الحسن کے سامنے نہیں آئی تھی، مگر رات کو سب ڈنر پر جا رہے تھے تو اسے بھی تیار ہونا پڑا، سفید ٹراؤزر سفید دھاگے کے کام والی لانگ بین والی نیلے رنگ کی شرٹ اور دوپٹے میں وہ بہت دلکش اور حسین دکھائی دے رہی تھی، دراز گھنے سیاہ بالوں کو سفید نگوں والے کیچر میں مقید کیے، کلائی پر سفید اسٹرپ والی نفیس سی گھڑی باندھے، پاؤں نیلے اور سفید رنگ ہی اسٹائلش سینڈل پہنے وہ انیق الحسن کی نگاہوں میں بینائی کی طرح سمائی چلی گئی تھی، دودھ اور شہد میں گھلی رنگت، دلکش نین نقش کی مالک نغمہ افتخار اس وقت سراپا بہار لگ رہی تھی اپنی پر وقار شخصیت کی بدولت وہ سرجن انیق الحسن کو دل کے بے حد قریب محسوس ہونے لگی تھی پل بھر میں دل کی دھڑکن نے دھیرے سے سرگوشی کی تھی، کسی کا نام چپکے سے لیا تھا اور ان کے لب مسکرا دیئے تھے۔

بچوں کو لے کر پہلے وہ سب پلے لینڈ آئے تھے جہاں تینوں بچے صائم، صارم اور ثمن بہت انجوائے کر رہے تھے، نغمہ اپنے موبائل میں بچوں کی تصاویر بنا رہی تھی، انیق الحسن کی آنکھیں کیمرے کی طرح نغمہ کے چہرے پر، سراپے پر ہی مرتکز تھیں، غیر ارادی طور پر وہ اسی کو دیکھ رہے تھے۔

''خیر ہے میرے سرجن بھائی کو ایک ہی منظر پسند آ گیا ہے یہاں تو اور بھی رنگ رنگ کی تتلیاں اڑتی پھر رہی ہیں ان کی طرف بھی نگاہ ڈالنے کی زحمت کر لیجئے محترم۔'' شفیق الحسن نے ان کی اس حرکت کو نوٹ کرتے ہوئے ان کے پاس آ کر ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے کہا تو وہ دھیرے سے ہنس دیئے۔

''اس ایک منظر سے نگاہ سیر ہو تو کسی اور سمت دیکھوں نا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولے

نگاہیں اب بھی نغمہ کی طرف جمی تھیں۔
''بس دیکھنے کی حد تک ہی رکھو اس سے آگے جانا بین ہے۔'' شفیق الحسن نے مدھم لہجے میں کہا۔
''کیا مطلب؟ نغمہ انگیجڈ ہے کیا؟'' دل کو بے چینی سے ہوئی تھی۔
''نہیں لیکن۔''
''بس لیکن کو چھوڑیں آپ اور میرے سر پہ سہرا سجانے کی تیاری کریں، اپنی شادی کو دس سال ہو گئے اور بھائی کی شادی کی کوئی فکر ہی نہیں ہے۔'' انیق الحسن نے فوراً سے ان کی بات کاٹ کر ان کو دیکھتے ہوئے کہا۔
''ایسی بات نہیں ہے امی نے تو تمہارے لئے کئی لڑکیاں دیکھ رکھی ہیں بس تم ہی اپنی پڑھائی کی وجہ سے ٹالتے رہے ہو ورنہ یہ کام تو تین چار سال پہلے ہو سکتا تھا۔'' شفیق الحسن نے مسکراتے ہوئے کہا، حسنہ اور نغمہ بچوں کے ساتھ ان کی من پسند گیمز ان کھیلتے دیکھ رہی تھیں، تصویریں لے رہی تھیں اور وہ دونوں بھائی کچھ فاصلے پر ایک بینچ پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔
''چلئے دیر آید درست آید اور امی سے کہیے کہ مجھے کئی لڑکیوں سے نہیں صرف ایک لڑکی سے شادی کرنا ہے لہٰذا اپنی تلاش روک دیں۔'' وہ مسکرا کر بولا۔
''جلد بازی میں فیصلہ مت کرو یہ پوری زندگی کا معاملہ ہے کوئی دو چار دن کی بات تو ہے نہیں، میرا حال تمہارے سامنے ہے اتنی تعلیم یافتہ عورت سے شادی کر کے بھی کوئی خوشی نہیں ملی مجھے بچوں کی نعمت مل گئی شکر ہے اللہ کا وہی میرا غم غلط کرنے کا بہانہ ہیں، میری زندگی کا مقصد اور خوشی ہیں بس، مگر بیوی کا سکھ، ذہنی اور قلبی خوشی، سکون، احساس نہیں ہے میرے پاس، تم بھی اچھی طرح سے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا، ظاہری خوبصورتی دیکھ کر نہیں۔'' شفیق الحسن نے انہیں سنجیدگی سے سمجھایا۔
''میں سمجھ سکتا ہوں آپ کا کرب، آپ کا دکھ، بے فکر رہیے انشاء اللہ تعالیٰ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''
''انشاء اللہ۔'' شفیق الحسن ان کی بات پر مسکرا دیئے۔
اگلی صبح حسنہ نے ناشتہ ٹیبل پر لگا دیا، ڈبل روٹی، انڈے، مکھن اور چائے انیق الحسن اور شفیق الحسن کو اپنی اپنی جاب پر جانا تھا لہٰذا وہ تو ناشتہ کر رہے تھے، انیق الحسن نے ہسپتال میں جوائننگ رپورٹ دینی تھی، بچوں کو آیا کے ساتھ نغمہ دیکھ رہی تھی، صائم اور صارم کو نغمہ نے اسکول کے لئے تیار کر دیا تھا اور ثمن ابھی دو سال کی تھی اور سو رہی تھی۔
نغمہ نے بچوں کو اپنے ہاتھ سے ناشتہ کروایا، دونوں بھائی خالہ کے ہاتھ سے ناشتہ بہت خوشی خوشی ختم کر کے اسکول کے لئے روانہ ہوئے، انیق الحسن بہت توجہ سے اس کے کام کرنے کے انداز دیکھ رہے تھے اور خود کو یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہے تھے کہ نغمہ واقعی حسنہ بھابھی کی بہن ہے۔
''آپ مہمان ہو کر میزبانی کے فرائض انجام دے رہی ہیں پلیز آپ بھی ناشتہ کر لیجئے۔'' انیق الحسن نے اپنا کوٹ پہنتے ہوئے نغمہ کی طرف دیکھ کر کہا۔
''جی کر لوں گی میں تو گھر پر ہی ہوں مجھے کام پر تھوڑی جانا ہے۔'' وہ مسکرا کر ناشتے کے برتن سمیٹتے ہوئے بولی۔
''پھر بھی آپ مہمان ہو کر ہمارے گھر میں کام کر رہی ہیں مجھے یہ اچھا نہیں لگ رہا،

بھابھی...... بھابھی جان! اپنی ہمشیرہ کو تو ناشتہ کروا دیں، یہ مہمان ہیں ہماری خیال کیجئے انکا۔'' انیق الحسن نے اس سے بات کرتے کرتے ایکدم سے حسنہ کو آواز دے کر کہا جو اس کی بات سن کر دونوں ہاتھوں میں پلیٹیں اٹھائے کچن سے برآمد ہوئیں۔

''کوئی مہمان نہیں ہے یہ، اس کی بہن بہنوئی کا گھر ہے یہ اپنی مرضی سے کھا پی سکتی ہے۔'' حسنہ نے دونوں پلیٹیں میز پر رکھتے ہوئے جواب دیا۔

نغمہ کل جیسی ڈبل روٹی کے سوکھے جلے سلائس اور کچا پکا ٹوٹا بکھرا فرائی انڈا دیکھ کر بدمزہ ہوگئی تھی۔

''مرضی ہے آپ کی، مگر اس طرح ہماری مہمانداری کی روایت پر حرف آنے کا خدشہ ہے، باقی آپ کو جو صحیح لگے کیجئے، آپ کی بہن ہیں بہتر جانتی ہیں کہ کیسے ٹریٹ کرنا ہے، میں تو چلا ہوسپٹل، اللہ حافظ۔'' انیق الحسن اپنی بات مکمل کرکے جاتے ہوئے نغمہ پر اچٹتی نگاہ ڈال کر باہر نکل گئے، نغمہ کے چہرے پر نمودار ہوتی شرمندگی انہیں واضح محسوس ہوئی تھی، بمشکل انہوں نے نغمہ کی صورت و خیال کو ذہن و نگاہ سے جھٹکا تھا اور اپنی تمام تر توجہ گاڑی ڈرائیو کرنے پر مرکوز کی تھی۔

''ناشتہ ختم کرکے ثمن کے پاس چلی جانا میں تب تک کالج جانے کی تیاری کرلوں آج دس بجے جانا تھا مجھے اسی لئے سکون سے ناشتہ بھی بن گیا سب کا۔'' حسنہ نے چائے پیتے ہوئے اور ساتھ ساتھ سلائس کھاتے ہوئے اسے کہا تو انہیں دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''بجیا! آپ کے گھر مہمان آتے ہیں؟''

''ظاہر ہے بھئی آتے ہیں ہم کوئی دنیا سے الگ تو نہیں جی رہے۔'' حسنہ نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''دو چار دن کو رہنے کے لئے آتے ہیں؟''

''ہاں۔''

''تو آپ ان کو کیسے انٹرٹین کرتی ہیں؟''

''میں کوئی (Jugger)۔'' جگلر، جادوگر، امداری ہوں جوکر ہوں جو انٹرٹین کروں گی؟'' حسنہ نے تیز لہجے میں جواب دیا۔

''میرا مطلب تھا کہ آپ مہمانوں کو بھی ایسا ہی کھانا ناشتہ پیش کرتی ہیں؟ جلے ہوئے سلائس، کچا انڈا اور یہ بدمزہ سی، بدرنگ، کچی پتی، کچے دودھ والی چائے، جلی، سوکھی روٹیاں، کچی بوٹی والا، بدذائقہ سالن وغیرہ؟'' نغمہ نے بے خوفی سے کہتے ہوئے ان کا چہرہ دیکھا تھا، جہاں ناگواریت کے تاثرات پھیلتے چلے جارہے تھے۔

''آرام سے ناشتہ کرو میرے کاموں میں، کھانوں میں کیڑے مت نکالو تم بھی۔'' وہ غصے سے بولیں۔

''میں ورکنگ وومن ہوں گھر اور باہر دو دو ذمے داریاں نبھا رہی ہوں۔''

''کس نے کہا ہے آپ سے کہ دو دو ذمے داریاں نبھائیں؟ آپ صرف گھر کی ذمے داری نبھائیں، گھر سنبھالیں اور سکون سے رہیں۔'' نغمہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''مجھے گھر میں مالی بن کر رہنے کا شوق نہیں ہے۔'' وہ بولیں۔

''آپ کے شوہر کھا لیتے ہیں یہ کچے پکے، جلے بجھے سے کھانے؟''

''کھا لیتے ہیں تم ان کی فکر مت کرو، انہیں جو بھی مل جائے کھا لیتے ہیں دوسرے مردوں کی طرح کھانے پینے میں نخرے نہیں کرتے نہ ہی فرمائش کرتے ہیں شکر ہے اللہ کا ورنہ تو میں کچن میں کھانے پکانے کے غم میں ہی آدھی رہ جاتی، ہر

وقت ایک یہی ٹینشن سر پر سوار رہتی کہ میاں جی کے لئے آج کیا پکاؤں؟'' حسنہ نے اپنی چائے ختم کرتے ہوئے جواب دیا۔

''مہمانوں کو کہاں سے کھلاتی ہیں؟''

''شہر میں ہوٹل کس لئے کھلے ہیں، آرڈر کر دیتی ہوں گھنٹے بھر میں پورا لنچ، ڈنر گھر آ جاتا ہے ہوم ڈلیوری سروس کس مرض کی دوا ہے۔'' حسنہ بے نیازی سے جواب دے کر کالج کے لئے تیار ہونے چلی گئیں اور نغمہ سوچ کر رہ گئی دوبارہ ناشتہ بنانے کا اور حسنہ کا بنایا ہوا ناشتہ ہی زہر مار کرنے لگی۔

ملازمہ سوا دس بجے آ گئی تھی، صفائی کرنے کے بعد اس نے کپڑے دھونے کے لئے واشنگ مشین لگا لی اور کچن آ کر اپنے لئے چائے بنانے لگی، ثمن ایک پندرہ سالہ آیا کے پاس تھی، نغمہ سب کچھ دیکھ رہی تھی، گھر خاصا بے ترتیب ہوا پڑا تھا، کہیں کپڑے بکھرے ہوئے تھے، کہیں بچوں کی چیزیں، کھلونے وغیرہ صفائی، سلیقہ کہیں نہیں تھا باوجود اس کے ملازمہ صفائی کرنے آتی تھی، لیکن مالکن سر پر نہیں ہوتی تھی تو وہ بھی اوپر سے ہاتھ مار جاتی تھی۔

''کیا نام ہے آپ کا؟'' نغمہ نے کچن میں آ کر ملازمہ کو چائے پیتے دیکھ کر پوچھا۔

''کشور'' وہ چائے کا گھونٹ بھر کے بولی۔

''کتنا عرصہ ہو گیا یہاں کام کرتے ہوئے؟''

''دو سال سے اوپر ہو گئے ہیں جی۔''

ستائیس اٹھائیس سالہ گندمی رنگت والی کشور نے اسے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''ہوں، پھر بھی آپ صفائی ٹھیک سے نہیں کرتیں تنخواہ تو وقت پر مل جاتی ہو گی نا؟''

''جی ہاں جی! باجی بیگم وقت پہ تنخواہ دے دیتی ہیں۔''

''تو آپ صفائی بھی ٹھیک سے کیا کرو چائے ختم کر کے آؤ میں آپ کو دکھاتی ہوں کہ آپ نے کہاں کہاں سے صفائی نہیں کی۔'' نغمہ نے سنجیدگی سے کہا تو وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

''میں تو ٹھیک سے صفائی کرتی ہوں جی، باجی نے تو کبھی شکایت نہیں کی، وہ خوش ہیں میرے کام سے۔''

''ان کی مجبوری ہے کیونکہ وہ نوکری کرتی ہیں تم تنخواہ پوری لیتی ہو تو کام بھی پوری ایمان داری سے کیا کرو۔'' نغمہ نے تیزی سے کہا اور اس کے ساتھ کچن سے باہر چلی آئی اور اسے اس کی صفائی میں کوتاہی کی نشاندہی کرنے لگی۔

''میں پہلے سالن روٹی پکا لوں جی، بعد میں صفائی کر لوں گی نہیں تو دیر ہو جاتی ہے اور باجی نے کالج سے آ کر مجھے باتیں سنانی ہیں۔'' کشور نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کھانا بھی تم بناتی ہو؟''

''ہاں جی، کبھی کبھی جب مہمان آئے ہوں تو میں ہی پکاتی ہوں اور ہفتے میں ایک دن دو چار سالن اکٹھے پکا کے رکھ دیتی ہوں فریزر میں تین چار روٹیاں ڈال دیتی ہوں، دوپہر میں اس کام کے پیسے باجی الگ سے دیتی ہیں۔'' کشور نے تفصیل سے جواب دیا۔

''ہوں، تو آج کیا پکانا ہے؟'' نغمہ نے پوچھا۔

''بکرے کا گوشت پکانا ہے قورمہ ٹائپ اور مٹر پلاؤ ساتھ میں سلاد، روٹی وغیرہ وہ چھوٹے صاحب بھی آ گئے ہیں ناں امریکہ سے تو تھوڑا اہتمام کرنا ہے ورنہ تو ایک ہانڈی اور روٹی ہی کافی ہوتی ہے۔''

''شام کی چائے کتنے بجے پی جاتی ہے؟''
''پانچ ساڑھے پانچ بجے تک وہ بھی میں بناتی ہوں میں ہی دیتی ہوں صاحب کو۔'' کشور نے مزید بتایا۔
''ٹھیک ہے تم صفائی اور کپڑوں کی دھلائی کا کام کرو ٹھیک طرح سے کھانا آج میں پکاؤں گی۔'' نغمہ نے سنجیدگی سے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولی۔
''آپ کو کھانا پکانا آتا ہے کمال ہے باجی، آپ کی باجی جی کو تو ابھی تک پکانا نہیں آیا آٹھ دس سال ہو گئے ان کی شادی کو۔'' کشور نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔
''ہاں جنہوں نے سیکھنا ہو گھر سنبھالنا ہو وہ سیکھ ہی لیتی ہیں۔'' نغمہ خود کلامی کرتی کچن کی طرف چلی گئی اور کشور پھر سے صفائی میں جت گئی تھی۔
شفیق الحسن اور انیق الحسن رات کو ہی گھر کھانا کھاتے تھے، دوپہر میں ہوسپٹل اور اپنے آفس میں ہی کچھ کھا لیتے تھے، شام کی چائے کے ساتھ اسنیکس وغیرہ لے لیتے تھے، نغمہ نے کھانا تیار کر لیا تھا، صفائی اور سیٹنگ بھی ہو گئی تھی، ذرا سی توجہ سے گھر بھی چمک گیا تھا، کھانوں کی خوشبو سے سب کی بھوک بھی چمک اٹھی تھی۔
''واؤ، گھر اتنا صاف ستھرا اور اچھا لگ رہا ہے اور کھانوں کی خوشبو بھی بھوک بڑھا رہی ہے، بھائی جان، آج کوئی آ رہا ہے کیا؟'' انیق الحسن نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے شفیق الحسن سے پوچھا۔
''میرے علم میں تو ایسا کچھ نہیں ہے تمہاری بھابھی کو پتا ہو گا ان سے پوچھو۔'' شفیق الحسن نے کندھے اچکا کر کہا۔
''السلام علیکم شفیق بھائی! آپ آ گئے۔''

نغمہ، ثمن کو گود میں لیے وہاں چلی آئی۔
''وعلیکم السلام! کیسی ہو سسٹر؟'' انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
''بالکل ٹھیک۔'' وہ مسکرائی۔
''ہم بھی ان کے ساتھ ہی آئے ہیں کیا ہم نظر نہیں آ رہے آپ کو؟ ہمیں تو سلام تک نہیں کیا۔'' انیق الحسن نے اس کے سندر صبیح چہرے کو دیکھتے ہوئے گلہ کیا۔
''سلام تو آپ بھی کر سکتے تھے باہر سے آپ آئے ہیں گھر آپ کو سلام کرنا چاہیے تھا خواہ گھر میں کوئی موجود نہ ہو تب بھی گھر میں داخل ہو کر سلام کرنا چاہیے دادی کہتی ہیں بہت ثواب ملتا ہے اور برکت ہوتی ہے۔'' نغمہ نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔
''جی السلام علیکم! خوش۔'' انیق الحسن نے خجل سا ہو کر کہا۔
''وعلیکم السلام! کھانا تیار ہے آپ دونوں چینج کر کے آ جائیں میں کھانا لگاتی ہوں۔'' نغمہ نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا، دونوں بھائی چھ فٹ کے اونچے لمبے اور مردانہ وجاہت کا پیکر تھے، اتنی ڈیشنگ پرسنالٹی تھی ان کی کہ لڑکیاں فدا ہوا کرتی تھیں ان پر مگر وہ ایسے شریف النفس واقع ہوئے تھے کہ ''نو لفٹ نو ویکنسی'' کا بورڈ چہرے پر لگائے رہتے تھے ہر وقت۔
''بھئی! آپ کیوں کھانا لگائیں گی؟ آپ مہمان ہیں بھابھی کہاں ہیں وہ کھانا لگائیں ناں۔'' انیق الحسن بولے۔
''کھانے کی خوشبو بتا رہی تھی کہ کھانا نغمہ نے پکایا ہے تو ٹیبل پر لگانے کا کام بھی نغمہ ہی کرے گی کیوں سسٹر صحیح کہہ رہا ہوں ناں۔'' شفیق الحسن نے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور ثمن کو اس سے لے لیا۔

''ہنڈرڈ پرسنٹ صحیح کہہ رہے ہیں آپ۔''

''لو بھیا پھر تو کھانے کا مزا آنے والا ہے تم بھی آ جاؤ ہاتھ منہ دھو کر میں بھی آتا ہوں چینج کر کے۔'' شفیق الحسن نے خوشگوار لہجے میں انیق الحسن کو دیکھتے ہوئے کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے ثمن ان کی گود میں ہی تھی۔

''شیروں نے بھی کبھی منہ دھوئے ہیں۔'' انیق الحسن اپنا کوٹ صوفے پر پھینک کر آستین اوپر چڑھانے لگے۔

''ہاتھ تو دھوئے ہوں گے ناں۔'' نغمہ نے کہا تو وہ ہنس پڑے۔

''ہاں ہاتھ دھوتے ہیں ہم اور ہاتھ صاف کرتے ہیں آپ کے ہاتھ کے پکے پکوان پر۔''

''میں کھانا لگاتی ہوں۔'' نغمہ ان کی بات پر مسکراتے ہوئے بولی اور کچن میں چلی گئی، انیق الحسن بھی جلدی سے چینج کر کے آ گئے۔

سب نے کھانے کی بہت تعریف کی اور پیٹ بھر کر کھایا، نغمہ بہت خوش تھی کے اس کی ذرا سی محنت سے سب کے چہروں پر خوشی آ گئی تھی۔

''بھئی بیگم صاحبہ! آپ کی بہن ہمارے گھر مہمان بن کر آئی ہیں اور آپ نے انہیں کام پر لگا دیا ہے یہ اچھی بات تو نہیں ہے۔'' شفیق الحسن نے کھانے کے برتن اٹھاتی نغمہ کو دیکھ حسنہ سے کہا تو وہ سپاٹ لہجے میں بولیں۔

''میں نے تھوڑی کام پر لگایا ہے اسے ہی شوق ہے نمبر بنانے کا۔'' ان کی بات نے نغمہ کو بری طرح شرمسار کیا تھا وہ برتن اٹھا کر کچن کی طرف بڑھ گئی، اسی وقت انیق الحسن بھی پلیٹیں اٹھا کر کھڑے ہو گئے اور کچن کی طرف جاتے ہوئے بولے۔

''بھائی جان! نغمہ مہمان تھوڑی ہیں وہ کہتے ہیں نا ایک دن مہمان، دوسرے دن، مہمان اور تیسرے دن۔''

''تیسرے دن کسی کی ''جان'' بن جاتے ہیں کچھ مہمان۔'' انیق الحسن نے آخری جملہ کچن میں آ کر نغمہ کو دیکھتے ہوئے آہستگی سے ادا کیا تھا، وہ انہیں دیکھ کر سٹپٹا گئی۔

''آ...... آپ کیوں لے آئے برتن، میں اٹھا لیتی۔'' وہ ان کے ہاتھوں سے پلیٹیں لیتے ہوئے بوکھلائی ہوئی بولی۔

''یہ آپ کے کرنے کے کام نہیں ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں بولے۔

''تو جس کے کرنے کے کام ہیں ان سے تو آپ لوگ کروا نہیں سکے اب تک۔'' اس نے پلیٹیں ان کے ہاتھوں سے لینے کے بعد سنک میں رکھ دیں۔

''آپ کروا سکتیں ہیں؟'' انیق الحسن ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے استفہامیہ لہجے میں بولے تو اس سے پہلے کے وہ ان کی بات کا جواب دیتی حسنہ کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

''نغمہ! برتن مت دھونا صبح ماسی آئے گی تو دھو دے گی۔''

''جی اچھا بجیا!'' اس نے وہیں سے جواب دیا اور چائے کی کیتلی کا ڈھکن اٹھا کر دیکھنے لگی چائے تیار تھی جو وہ کھانا لگا کر پکنے رکھ گئی تھی۔

''آپ جائیں میں چائے لے کر آتی ہوں۔'' نغمہ نے انیق الحسن کی طرف دیکھے بنا کہا تو وہ خاموشی سے مسکراتے ہوئے کچن سے چلے گئے۔

☆☆☆

''بات سنو نغمہ! یہ تمہیں شفیق الحسن کے سامنے اپنا سلیقہ اور سگھڑاپا دکھانے کی ضرورت نہیں ہے سمجھی، یہ میرا گھر ہے میں دس سال سے

چلا رہی ہوں، لہٰذا جو جیسا ہے اسے ویسا ہی رہنے دو چلنے دو۔'' حسنہ نے نغمہ کے کمرے میں آ کر اسے کھری کھری سنا دیں۔

''بجیا! آپ نے ہی کہا تھا امی ابو سے کہ نغمہ کے پیپرز ختم ہو جائیں تو اسے یہاں میرے پاس بھیج دیں چھٹیاں گزارنے کے لئے اور میں نے وہی کام کیا ہے جو میں اپنے گھر میں کرتی ہوں اور جو آپ کو کرنا چاہیے اپنے گھر میں، میں نے ایک دن کام کیا ہے اور شفیق بھائی کو بچوں کو فرق محسوس ہوا ہے آپ اسی سے اندازہ لگا لیں کہ آپ کے دس سال بھی انہیں متوجہ و متاثر نہیں کر سکے اور میرے ایک دن کی تھوڑی سی توجہ اور محنت انہیں نظر آ گئی محسوس بھی ہو گئی ہے، آپ اصل وجہ جاننے، سمجھنے کی بجائے مجھے ڈانٹ رہی ہیں افسوس کی بات ہے بجیا۔'' نغمہ نے سنجیدگی سے جواب دیا اور حسنہ کا پارہ مزید ہائی ہو گیا۔

''فضول باتیں مت کرو نغمہ، مردوں کو تو عادت ہوتی ہے دوسری عورتوں اور لڑکیوں میں خوبیاں تلاش کرنے اور بیوی میں عیب ڈھونڈنے کی، تمہارا ایک دن میرے دس سال پر بھاری نہیں پڑ سکتا، میرا شوہر مجھ سے خوش ہے مطمئن ہے اس نے کبھی شکایت نہیں کی، ہاں شروع کے چند سال وہ بہت بلبلاتے تلملاتے آخر کار انہیں سمجھ آ گئی کہ میں بھی انسان ہوں میری بھی کوئی پسند، شوق اور زندگی ہے، شادی کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ میں ماسی بن کر رہ جاؤں، میں نے بھی بہت کچھ برداشت کیا ہے اب اگر شفیق کچھ برداشت کر لیتے ہیں تو کیا ہوا؟ زندگی کی گاڑی ایسے ہی چلتی ہے کچھ لو اور کچھ دو کے اصول کے تحت۔'' حسنہ تیز اور غصیلے لہجے میں بولیں۔

''تو کچھ دیا آپ نے شفیق بھائی کو؟''

''تین بچے دیئے ہیں یہ کیا کم ہے؟''

''یہ تین بچے تو اللہ کا انعام ہیں رحمت و نعمت ہیں آپ کی زندگی میں اللہ کتنا مہربان ہے آپ پر اور آپ کو پھر بھی اس کا احساس نہیں ہے، آپ کے شوہر بہت اعلیٰ ظرف، صلح پسند اور خیال رکھنے والے انسان ہیں انہوں نے آپ کو سب کچھ دیا ہے کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی آپ کو آپ بھی تو ان کا خیال رکھا کریں ناں۔'' نغمہ دھیمے پن سے بولی۔

''تم نے ایک دن میں بڑے اندازے لگا لئے ہیں کہ میں اپنے میاں کا خیال نہیں رکھتی، خیال نہ رکھتی تو وہ اتنے اچھے تھے نا جو مجھے یوں چین سے رہنے دیتے، رہنا ہے تو آرام سے رہو ورنہ چلی جاؤ واپس میرا کام مشکل مت کرو شفیق کے سامنے ضرورت نہیں ہے اپنی قابلیت دکھانے کی۔'' نغمہ نے سپاٹ اور درشت لہجے میں کہا اور اس کے کمرے سے چلی گئیں، نغمہ دل مسوس کر رہ گئی، آنسو ضبط کر گئی، نغمہ نے واپس جانے کا ارادہ باندھ لیا۔

صبح وہ اپنے کمرے سے دانستہ باہر نہیں نکلی تھی، کشور بھی آج سات بجے ہی آ گئی تھی اور ناشتہ بنا رہی تھی۔

''بھئی ہماری مہمان نظر نہیں آ رہیں کہاں ہیں وہ؟'' انیق الحسن نے ناشتے کی ٹیبل پہ نغمہ کو موجود نہ پایا تو کہنے لگے۔

''چاچو! خالہ تو آج واپس جا رہی ہیں۔'' صائم نے افسردگی سے بتایا وہ نغمہ کے کمرے سے ہو کر آیا تھا ابھی۔

''واپس جا رہی ہیں...... کیوں بھئی؟'' انیق الحسن کے ساتھ ساتھ شفیق الحسن کو بھی یہ سن کر بہت حیرت ہوئی تھی۔

''پتا نہیں چاچو! آپ انہیں روک لیں ناں۔'' صائم بولا۔

''یہ کیسے روکیں گے؟ یہ تو ہر وقت انہیں مہمان مہمان کہتے رہتے ہیں، ایک دن مہمان، دوسرے دن مہمان، تیسرے دن بلائے جان، اسی لئے تو وہ تیسرا دن ہونے سے پہلے ہی واپس جا رہی ہیں کہیں چاچو انہیں بلائے جان نہ کہہ دیں۔'' صارم نے بھی معصومیت سے سارا مدعا انیق الحسن پر ڈالتے ہوئے کہا۔

''ارے ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ میری اس بات کو دل پر لے گئیں میں نے تو مذاقاً کہا تھا۔'' انیق الحسن نے بے کل ہو کر کہا۔

''انیق! ایسا کچھ نہیں ہے تم آرام سے ناشتہ کرو نغمہ کا دل نہیں لگا یہاں جبھی جا رہی ہے شاید۔'' حسنہ نے چائے کا کپ شفیق الحسن کے سامنے رکھتے ہوئے کہا وہ مسلسل ان کے چہرے کے تاثرات پڑھ رہے تھے اور معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے، نغمہ اتنی سی بات پر تو واپسی کا قصد نہیں کر سکتی تھی۔

''لیکن ہمارا دل تو لگ گیا تھا ان کے آنے سے۔'' انیق الحسن نے زیرلب کہا۔

''بھابھی! وہ کیوں جا رہی ہیں اتنی جلدی آپ کو تو معلوم ہوگا نا؟'' انیق الحسن نے حسنہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ بے نیازی سے بولیں۔

''مجھ سے تو نغمہ نے ایسا کچھ نہیں کہا۔''

''تم نے تو نغمہ کو کچھ نہیں کہا؟'' شفیق الحسن نے ان کی صورت کو بغور دیکھتے ہوئے کریدا۔

''میں نے کیا کہنا ہے اسے، میں نے تو خود اسے اصرار کر کے یہاں بلایا تھا اب اگر اس کا ہی دل نہیں لگ رہا تو میں اسے زبردستی تو نہیں روک سکتی نا، آپ ناشتہ کر لیں میں جا رہی ہوں آج کالج میں دیر ہو جائے گی فنکشنز کی تیاری اور انتظامات دیکھنا ہے میٹنگ ہے آج او کے۔''

حسنہ نے تیزی سے اپنی بات مکمل کی بچوں کو خدا حافظ کہا اور اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر باہر نکل گئیں، وہ سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

''دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔'' شفیق الحسن نے انیق الحسن کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ فوراً بولے۔

''تو وہ کالا نکال باہر کریں ناں اور دال کو بچالیں۔''

''نغمہ بہت اچھی بچی ہے وہ ضرور حسنہ کی کسی بات پر ہرٹ ہو کر جا رہی ہے یہاں سے ہمیں اس سے بات کرنی ہوگی یہ ہمارے لئے بہت شرمندگی کی بات ہوگی اگر وہ یوں دوسرے دن ہی اپنے گھر واپس چلی گئی، اس عورت کو اپنی عزت کی پرواہ ہے نہ ہی اپنے شوہر کی، پتا نہیں کب سمجھ آئے گی اسے۔'' شفیق الحسن نے فکرمند اور تاسف زدہ لہجے میں کہا۔

''ڈونٹ وری بھائی جان! انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا، آپ ناشتہ کریں میں نغمہ سے بات کرتا ہوں۔'' انیق الحسن نے ان کے ہاتھ پر اپنا تسلی بھرا ہاتھ رکھ کر کہا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا اور بچوں کو ناشتہ کرانے لگے۔

انیق الحسن نغمہ کے کمرے کی طرف جا رہے تھے جونہی راہداری سے مڑے تیزی سے آتی نغمہ سے ٹکرا گئے، نغمہ پیچھے کو گرنے لگی تھی جبھی انہوں نے اس کا بازو پکڑ کر گرنے سے بچالیا۔

''بہت جلدی ہے آپ کو یہاں سے جانے کی، ساری رکاوٹیں عبور کر کے بس جانا چاہتی ہیں۔'' انیق الحسن نے اس کے چہرے پر پھیلی بوکھلاہٹ اور حیا کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے اپنے مخصوص دوستانہ لہجے میں بے تکلفی سے کہا تو وہ سنبھل کر ان کے ہاتھ کی گرفت سے اپنا بازو آزاد کراتے ہوئے نظریں چرا کر بولی۔

''ایسی بات نہیں ہے۔''
''تو کیسی بات ہے؟'' انیق الحسن نے اس کے چہرے پر پھیلی گھبراہٹ کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''مجھے شفیق بھائی سے بات کرنی ہے۔'' نغمہ نے جانے کے لئے پرتولتے ہوئے کہا۔
''پہلے مجھے تو کلیئر کیجئے، وہاں بچے مجھے آپ کے یہاں سے جانے کا قصور وار ٹھہرا رہے ہیں کہ میرا کہا آپ کو برا لگ گیا ہے کے ایک دن مہمان، دوسرے دن مہمان، تیسرے دن بلائے جان، میں نے بلائے جان تو نہیں کہا تھا نا؟ میں نے تو جان کہا تھا، کیا میرا جان کہنا آپ کو برا لگ گیا۔'' وہ اسے نگاہوں کی گرفت میں لئے، مدھم شوخ اپنائیت بھرے لہجے میں بولے۔
''نہیں تو۔'' وہ بوکھلا رہی تھی۔
''تو کیا اچھا لگا تھا؟'' وہ شریر ہوئے۔
''آ..... آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ مجھے جانا ہے تو بس جانا ہے۔'' وہ ٹپٹا کر بولی۔
''میدان چھوڑ کر بھاگ رہی ہیں۔'' وہ دھیرے سے ہنسے۔
''میں کسی میدان جنگ میں نہیں ہوں کہ میدان چھوڑ کر بھاگ جاؤں۔'' وہ انہیں خائف نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔
''گرہستی اور گھرداری کا انتظام و نظام بھی میدان جنگ سے کم نہیں ہوتا، رشتوں کا تانا بانا، انہیں سمجھنا اور نبھانا، طریقے سلیقے سے چلانا، سب کے دل جیتنا اور سب کی خوشی کے لئے سیکری فائز کرنا، اپنی پسند خوشی اور آرام تیج کر اپنوں کی پسند خوشی اور آرام کا خیال رکھنا ایک بہادر، اعلیٰ اوصاف کے حامل فرد کا ہی کام ہو سکتا ہے یعنی خاتون کا۔'' وہ معنی خیز لہجے میں بہت سی باتیں اسے سمجھا گئے۔

''میں یہ سب باتیں سمجھتی ہوں۔''
''تو جو نہیں سمجھتیں انہیں سمجھائیے، احساس دلائے بغیر یہاں سے جا رہی ہیں، آپ کو حسنہ بھابھی نے کچھ کہا ہے نا جبھی آپ نے یوں اچانک جانے کا فیصلہ کر لیا؟'' انیق الحسن نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو اس نے تحیر آمیز نظروں سے ان کے چہرے کو دیکھا تھا، وہ کیسے اصل وجہ جان گئے تھے، یقیناً وہ حسنہ کو بہت اچھے سے جان گئے تھے باوجود اس کے کہ وہ چار سال امریکہ رہے لیکن اپنی بھابھی کے مزاج سے بخوبی واقف تھے اور نغمہ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔
''جی نہیں، بجیا نے مجھے کچھ نہیں کہا بس میرا دل نہیں لگا یہاں۔'' اس نے حسنہ کا بھرم رکھنے کے لئے بات بنائی تھی۔
''اور ہمارا جو دل لگ گیا ہے اس کا کیا؟''
''جی۔'' وہ ان کے شوخ جملے پر دنگ رہ گئی۔
''کچھ نہیں آیئے، ناشتہ کیجئے اور بھول جایئے کے آپ ابھی کہیں جا رہی ہیں۔'' انیق الحسن نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ مزید کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گئی۔
''شفیق بھائی! آپ کو کھانے میں کیا پسند ہے؟'' ناشتے سے فارغ ہو کر نغمہ نے ان سے پوچھا، ان کے کہنے پر اس نے اپنا واپسی کا ارادہ ملتوی کرنا پڑا تھا۔
''یہ سوال تو کبھی ہماری بیگم نے بھی ہم سے نہیں پوچھا سسٹر اس لئے پسند ناپسند کا اظہار کرنا چھوڑ دیا ہے ایک عرصے سے۔'' شفیق الحسن نے اپنی اس معصوم اور سمجھدار سالی کو دیکھتے ہوئے کہا۔
''اچھا مجھے تو بتایئے نا ابھی۔'' وہ ان کے شکوے کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی تو وہ

مسکراتے ہوئے کہنے لگے۔

''تمہارے ہاتھ کا بنا پالک چکن اور مٹن پلاؤ بہت پسند ہے مجھے اور ہری مرچوں والا چکن قورمہ سا کچھ بنایا تھا ایکبار تم نے جب میں تمہارے گھر گیا تھا وہ شامی کباب، بریانی، کوفتے، قیمہ کریلے یہ سب بھلا کس بھلے آدمی کو پسند نہیں ہوں گے؟''

''واؤ زبردست، یہ سب تو مجھے بھی بہت پسند ہیں انشاء اللہ جتنے دن میں یہاں ہوں باری باری آپ کی پسند کی تمام ڈشز بناؤں گی۔'' نغمہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ ہنس کر بولے۔

''جنت کا نظارہ کرادو گی پھر تو تم سسٹر۔''

''ہم سے بھی ہماری پسند پوچھ لیں ہم بھی اس گھر میں رہتے ہیں اور آپ ہمارے ساتھ ہمسایہ ممالک والا برتاؤ رکھتی ہیں۔'' انیق الحسن نے اپنا اوورآل اٹھا کر کھڑے ہوتے ہوئے نغمہ کو دیکھتے ہوئے اپنائیت بھرا گلہ کیا۔

''چلیں آپ بھی بتائیں، آپ کو کیا پسند ہے؟'' نغمہ نے مسکرا کر انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ بے ساختہ بولے۔

''نغمہ!''

''جی۔'' وہ چونکی۔

''کچھ نہیں، آپ جو بھی پکائیں گی بہت مزیدار پکائیں گی، مجھے یقین ہے خدا حافظ۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور ہوسپٹل جانے کے لئے نکل گئے، انیق الحسن کی ذومعنی اور معنی خیز باتیں نغمہ کے اندر کھلبلی مچا رہی تھیں، ان کی آنکھوں میں چمکتی ذہانت اور شرارت باتوں سے چھلکتی شوخی بے تکلفی اور دوستانہ پن انداز میں اپنائیت بھرا احساس تھا جو نغمہ کو خود بخود ان کے بارے میں سوچنے پر اکسا رہا تھا، انیق الحسن چھ فٹ کے گوری رنگت کے ساتھ دلکش مردانہ وجاہت کے مالک تھے، سیاہ آنکھوں میں ہر وقت شرارت، ذہانت اور امید کی قندیلیں روشن رہتی تھیں، وہ کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل ہو سکتے تھے، نغمہ کو وہ خود سے زیادہ حسین وجمیل دکھائی دیتے تھے، اس کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اتنا ہینڈسم ڈیشنگ اور اسمارٹ ہارٹ سرجن اس کے بارے میں کچھ خواب سا، پیار سا، احساس سا سوچ سکتا ہے، مگر انیق الحسن کو یہ سادہ سی کیئرنگ لڑکی اپنے ظاہری حسن کے علاوہ اپنے کردار وسوچ کے ساتھ ان کی پسندیدگی حاصل کر چکی تھی، وہ شفیق الحسن کے سمجھانے کے باوجود اسی کے بارے میں سوچ رہے تھے اور اپنی سوچوں پر انہیں اختیار بھی نہ تھا، حد یہ تھی کہ آج کل ہوسپٹل میں صبح سے شام تک مصروف رہنے کے باوجود وہاں بھی وہ ان کی مصروفیت میں فرصت کا کوئی پل چرا کر سامنے آ جاتی اور وہ مسکرا کر سر ہلا کر رہ جاتے اور آج تو حد ہوگئی ''ہارٹ ڈیزیز'' پر سیمینار تھا ان کو ڈائس پر لیکچر دینے کے لئے بلایا گیا مگر وہ نغمہ کے خیال میں گم بیٹھے رہے، برابر میں بیٹھے ان کے کولیگ ڈاکٹر الطاف حسین نے انہیں کہنی مار کر متوجہ کیا تو وہ کچھ خجل سے ہوئے اور پھر مسکراتے ہوئے اٹھ کر اسٹیج کی جانب بڑھ گئے، لیکچر تو انہوں نے بہت اچھا دیا تھا لیکن گھر آ کر نغمہ کو ڈھونڈتے ہوئے کچن میں چلے آئے جہاں وہ رشین سلاد بنا کر فریج میں رکھنے والی تھی، وہ اسے دیکھتے ہی بولے۔

''میں نے سب جگہ آپ کی تلاش میں گھوڑے دوڑا دیئے اور آپ یہاں زبیدہ آپا کی ترکیبیں آزما رہی ہیں۔''

''جی نہیں یہ خالصتاً میری اپنی ترکیب ہے۔'' نغمہ نے باؤل ہاتھ میں لئے ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے فوراً وضاحت کی وہ اس کی

اس معصومانہ وضاحت پر محظوظ ہوئے تھے۔

''اور جو کچھ میرے ساتھ ہو رہا ہے نا وہ بھی خالصتاً آپ کا اپنا کیا دھرا ہے اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے اچھا بھلا دل کا سرجن بن کر لوٹا تھا، آپ نے دل کا چین قرار لوٹ کر مجنوں بنا دیا ہے بس نغمہ، نغمہ کی صدائیں لگا کر صحراؤں میں نکلنا باقی رہ گیا ہے اور مجھے لگتا ہے کہ وہ دن بھی زیادہ دور نہیں ہے۔'' انیق الحسن نے بڑے رعب دار انداز میں اس کے سامنے کھڑے ہو کر اس کے چہرے پر نگاہیں جما کر کچھ اس انداز میں کہا کے وہ حیران رہ گئی، الجھن آمیز نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

''آپ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟''

''آپ ایسی حرکتیں کیوں کر رہی ہیں کہ بندہ کام سے ہی جائے؟'' انیق الحسن نے اس کے چہرے کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے الٹا اس سے سوال کر ڈالا۔

''میں نے کیا کیا ہے؟''

''اف اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا۔'' انیق الحسن نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر کہا اور جانے کے لئے مڑے تو اس کی مترنم آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

''آپ کو کیا ہوا ہے؟''

''پیار۔'' انیق الحسن واپس پلٹے، اس کے ہاتھوں میں موجود باؤل کو دیکھا دائیں جانب میز پر رکھی پلیٹ سے چمچ اٹھایا اور رشین سیلڈ چمچ میں بھر کر منہ میں ڈال کر اس کی حیرت زدہ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے یہ ایک لفظی جواب دیا اور اسے ساکت چھوڑ کر وہاں سے چلے گئے۔

☆☆☆

زندگی اور رشتوں
میں
پیار گر نہ ہو شامل
سانس تھکنے لگتی ہے
آس چھوٹنے لگتی ہے
بے کلی سی ہوتی ہے
بے بسی سی ہوتی ہے
زندگی اور رشتوں
میں
پیار گر نہ ہو شامل
زندگی سزا بن کر
اجنبی سی لگتی ہے
روٹھی روٹھی لگتی ہے
زندگی اور رشتوں
میں
پیار کی ضرورت ہے
زندگی اور رشتوں
میں
پیار بھی ضروری ہے

آج پھر صبح صبح حسنہ کی لاپرواہی اور غیر ذمے داری کا مظاہرہ نغمہ نے دیکھا تھا کہ شفیق الحسن کے کپڑے استری ہوئے نہیں تھے اور حسنہ نے نغمہ کو ان کے کپڑے استری کرنے کے لئے کہہ دیا تھا اور شفیق الحسن غصے سے بول اٹھے تھے۔

''یہ تمہارے کرنے کے کام ہیں تم تو ملازموں سے بھی ٹھیک سے کام نہیں کروا سکتیں، ہفتے میں ایک بار لازمی ایسا ہوتا ہے کہ میرے کپڑے وارڈ روب میں نہیں ہوتے، حد ہوتی ہے لاپرواہی اور غیر ذمے داری کی۔''

''ہاں تو ایسی کون سی قیامت آ گئی ہے اگر کپڑے استری کیے ہوئے نہیں ہیں؟ مجھے بھی کالج جانا ہوتا ہے دس کام ہوتے ہیں دیر سویر ہو ہی جاتی ہے کام میں، بھول گئی تھی میں ملازمہ کو

کہنا۔'' حسنہ نے غصیلے لہجے میں آگے سے جواب دیا۔

''اپنے کپڑے پریس کرنا تو کبھی نہیں بھولتیں، میرے کپڑے ملازمہ نے دھونے استری کرنے ہوتے ہیں اس میں بھی کوتاہی۔'' شفیق الحسن ضبط کی آخری حدوں کو چھوتے ہوئے بولے۔

''تو رکھ لیں کوئی الگ سے ملازم صرف اس کام کے لئے، یا باہر کسی دھوبی سے استری کروالیا کریں۔'' حسنہ جواب دے کر یہ جا وہ جا، تب نغمہ ان کے کپڑے استری کر کے انہیں دے گئی اور وہ شرمندہ سے ہو گئے۔

''دیکھا آپ نے، یہاں چار سال بعد بھی وہی حالات ہیں ہاں بھابھی کا والیم تھوڑا ہلکا ہو گیا ہے ورنہ پہلے تو وہ چیخا کرتی تھیں اور پورا محلہ سنا کرتا تھا اتنی تعلیم یافتہ خاتون ہو کر وہ بھی ظاہر نہیں ہونے دیتیں تھیں کہ وہ اتنی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں، بندہ شادی اس لئے کرتا ہے کہ سکون سے رہے زندگی میں۔'' انیق الحسن نے جاتے جاتے نغمہ کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ شرمندہ سی ہو گئی، آخر اس کی بڑی بہن کی بات کر رہے تھے وہ جب اتنی شرمندہ تھی، ان کے رویے غیر ذمے دارانہ رویے سے تو ان کے کہنے پر تو اس کی شرمندہ سوا تھی۔

''اور جو شادی نہیں کرتا وہ؟'' نغمہ نے پوچھا۔

''جو شادی نہیں کرتا وہ بھی اس لئے نہیں کرتا کہ سکون سے رہے۔'' انیق الحسن نے ٹیبل پر سے اپنی گاڑی کی چابی اور موبائل اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔

''اچھا! تو اس لئے آپ نے اب تک شادی نہیں کی۔'' نغمہ ان کی اس بات سے یہی نتیجہ اخذ کر سکی تھی اور کہہ بھی دیا۔

''اب ایسا بھی نہیں ہے پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں لہٰذا ساری لڑکیاں اور ساری بیویاں بھی حسنہ بھابھی جیسی نہیں ہوتیں، معذرت خواہ ہوں آپ کی بجیا ہیں مگر آپ میں اور ان میں زمین آسمان کا فرق ہے، کچھ لوگ زمین پر قدم جما کر بھی آسمان کی بلندی کو چھو لیتے ہیں جبکہ کچھ لوگ آسمان پر ہوتے ہوئے بھی زمین کی پستیوں میں سفر کر رہے ہوتے ہیں اور ان کو اس بات کا احساس تک نہیں ہوتا۔'' انیق الحسن یہ کہہ کر دروازے کی سمت بڑھ گئے۔

''آپ ناشتہ تو کر لیجئے۔'' نغمہ کو اچانک خیال آیا کہ وہ بنا ناشتہ کیے ہی ہوسپٹل جا رہے ہیں تو فوراً بولی تو وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''اس احساس کے لئے بے حد شکریہ، لیکن میں ایسی صورتحال میں ناشتہ نہیں کر سکتا اور شاید بھائی جان بھی آج بنا ناشتہ کیے ہی آفس چلے جائیں، آپ پریشان مت ہوں ہم باہر سے کچھ کھالیں گے، آپ ضرور ناشتہ کر لیجئے گا او کے گڈ بائے۔'' انیق الحسن نے نغمہ کے شرمندگی کا تاثر لئے دلکش چہرے کو دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا اور وہاں سے چلے گئے، وہ شرمندہ سی کھڑی تھی کہ ان کے کانوں میں حسنہ کی آواز پڑی۔

''نغمہ! مجھے آج کالج کے اینول فنکشن کی تیاری کے سلسلے میں دیر ہو جائے گی ہو سکتا ہے چار پانچ بج جائیں گھر آتے آتے تم کھانا پکا لینا اور سب کو دے بھی دینا، ثمن کے لئے کسٹرڈ بنا لینا، کشور آئے تو اسے کہنا کے آج شفیق کے سارے کپڑے استری کر کے رکھ کے جائے سمجھ گئیں۔''

''جی میں تو سمجھ گئی ہوں آپ کب سمجھیں گی بجیا؟''

''پلیز، کوئی فضول کی بکواس مت کرنا اب

پہلے ہی شفیق کی وجہ سے صبح صبح میرا موڈ خراب ہو گیا ہے ان کو تو بہانہ چاہیے میرے کاموں میں کیڑے نکالنے کا۔'' حسنہ نے اسے سختی سے ٹوکتے ہوئے تیز لہجے میں بدتمیزی سے کہا تو وہ بولی۔

''تو آپ وہ کیڑے پہلے ہی نکال دیا کریں ناں تاکہ انہیں بہانہ نہ مل سکے۔''

''رہنے دو بس، اپنے مشورے تم اپنے پاس ہی رکھو، جب تمہاری شادی ہوگی نا تب تمہیں پتا چلے گا کہ شوہر کتنے بڑے نقاد ہوتے ہیں بیوی کے ہر کام میں کمی، کجی عیب ڈھونڈتے رہتے ہیں، شوہروں کو خوش رکھنا بہت مشکل کام ہے۔'' حسنہ نے ناشتہ کرتے ہوئے تیزی سے جواب دیا۔

''مشکل تو کچھ بھی نہیں ہوتا بجیا! بس عزم وہمت کی ضرورت ہے ثابت قدمی اور نیک نیتی سے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔'' نغمہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''تو تم اپنی مشکلیں آسان کرتی رہنا میں تو چلی کالج گیٹ بند کر لینا۔'' حسنہ نے ناشتہ ختم کرتے ہوئے تیزی سے کہا اور اپنا شولڈر بیگ اٹھا کر چلی گئیں، چند منٹ بعد شفیق الحسن بھی ناشتہ کیے بغیر صائم اور صارم کو لے کر چلے گئے، وہ بچوں کو اسکول ڈراپ کرتے تھے واپسی پر وہ وین میں گھر آتے تھے۔

☆☆☆

آسیہ بیگم (انیق الحسن، شفیق الحسن کی والدہ) کا فون آیا تھا، انیق الحسن ہوسٹل میں تھے جب آسیہ بیگم نے ان کے موبائل پر کال کی تھی۔

''السلام علیکم امی! کیسی طبیعت ہے آپ کی؟''

''وعلیکم السلام! میں تو ٹھیک ہوں تم یہ بتاؤ کے تمہیں کیا ہوا ہے؟ آج پانچ دن ہو گئے تمہیں پاکستان آئے ہوئے اور ابھی تک ماں باپ سے ملنے نہیں آئے۔'' آسیہ بیگم نے ناراض لہجے میں کہا۔

''امی! آپ کو بتایا تو تھا کے بہت مصروف ہوں آج کل انشاء اللہ جلدی آؤں گا، آپ دونوں سے ملنے۔'' انیق الحسن نے نرمی سے جواب دیا تو وہ غصیلے لہجے میں بولیں۔

''سب جانتی ہوں میں کہ تم کہاں مصروف ہو، اور کیوں مصروف ہو؟''

''میں سمجھا نہیں امی، آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں؟''

''وہی جو تم مجھ سے چھپا رہے ہو، سب خبر ہے مجھے تمہاری اس نکمی بھاوج کی بہن نغمہ آئی ہوئی ہے نا وہاں اسی میں مصروف ہو تم، جیسی ایک بہن نکمی بدتمیز اور پھوہڑ ہے ویسے ہی دوسری بھی ہوگی بلکہ وہ تو اس سے بھی دس ہاتھ آگے ہوگی جونہی پتا چلا کہ تم پاکستان آرہے ہو، پہنچ گئی شفیق الحسن کے گھر تاکہ تمہیں پھنسا سکے۔'' آسیہ بیگم کا لہجہ، ہر ہر جملہ ان کے اندر کی بدگمانی، نفرت اور غلط فہمی کی داستان سنا رہا تھا، انیق الحسن کو ان کے یہ خیالات جان کر بہت دکھ ہو رہا تھا۔

''امی پلیز اس لڑکی کے بارے میں ایسی باتیں مت کریں وہ ویسی نہیں ہے بہت اچھی لڑکی ہے اور میں یہاں نغمہ کی وجہ سے نہیں رکا ہوا، تین روزہ سیمینار ہے جس میں میری شرکت بہت ضروری تھی اسی لئے مجھے یہاں رکنا پڑا کل سیمینار ختم ہو جائے گا پھر اس کے بعد میں آؤں گا آپ سے اور ابو سے ملنے۔'' انیق الحسن نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے دو دن دیکھتے ہیں ورنہ ہم خود لاہور آجائیں گے۔'' آسیہ بیگم نے درشتی سے کہا اور کال منقطع کر دی، انیق الحسن کو ان کے نغمہ کے

بارے میں خیالات نے پریشانی میں ڈال دیا تھا۔

☆☆☆

نغمہ نا چاہتے ہوئے بھی انیق الحسن کی شہد آگیں باتوں کے فسوں میں کھوسی گئی تھی، ان کے انداز تکلم سے ہر اک زاویہ نگاہ سے، لفظوں سے انتخاب سے اسے اپنے لئے ان کی محبت جھانکتی محسوس ہوئی تھی، ان کی چاہت گنگناتی ہوئی رقص کرتی ہوئی دکھی تھی، مگر وہ انہیں کوئی بھی مثبت جواب دینے سے قاصر تھی، وہ ان کے جذبوں کی پذیرائی ان کے براہ راست اور صاف صاف الفاظ میں آئی لو یو کہنے پر بھی نہیں کر سکتی تھی، حسنہ اس کی بڑی وجہ تھیں اور انیق الحسن کی والدہ کے حسنہ کے بارے میں خیالات سے بھی وہ پہلے سے آگاہ تھی لہٰذا ایسے کسی خواب کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی وہ اور نہ ہی انیق الحسن کی حوصلہ افزائی کر کے بات آگے بڑھا سکتی تھی سو اس نے انہیں ان کی معنی خیز باتوں میں ڈھکی چھپی محبت کو نظر انداز کرنے میں ہی بہتری سمجھی۔

نغمہ نے شفیق الحسن کی پسند کے کوفتے اور دودھ والی سویاں بنائی تھیں اور دوپہر کو انہیں فون کر کے گھر آ کر کھانا کھانے کا کہا تھا، وہ گھر آ بھی گئے تھے اور بچے بھی اسکول سے آ کر کھانے کی میز پر موجود تھے اور بہت مزے سے کھانا کھا رہے تھے۔

''نغمہ! تم ہماری عادتیں بگاڑ کر جاؤ گی لڑکی! اتنے مزیدار کھانے ہمیں کون پکا کر کھلائے گا؟'' شفیق الحسن نے کھانا کھاتے ہوئے کہا۔

''آپ کی بیگم پکا کر کھلائیں گی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''وہ پکا ہی نہ لیں کبھی۔'' شفیق الحسن نے ہنستے ہوئے کہا۔

''انشاء اللہ تعالیٰ ضرور پکائیں گی۔''

''خالہ جان! مما کی تو روٹی بھی پکانا نہیں آتی اور آپ تو ان سے بہت چھوٹی ہیں پھر بھی اتنا اچھا کھانا پکاتی ہیں۔'' صائم نے بھی دل کی بات کو زبان دیتے ہوئے کہا ساتھ ہی صارم بھی بول پڑا۔

''اور کیا، خالہ بہت مزے دار کھانا پکاتی ہیں۔''

''بچو! ایک بات یاد رکھیں اپنی مما کے بارے میں کبھی غلط نہ سوچتے ہیں اور نہ کہتے ہیں بری بات ہے یہ اور اچھے بچے تو بری بات نہیں کرتے نا؟'' نغمہ نے دونوں بچوں کو دیکھتے ہوئے سمجھایا اور ساتھ ہی گود میں بیٹھی ثمن کے منہ میں بھی نوالہ بنا کر دیا، شفیق الحسن نے اس کی اس بات پر اسے ستائشی نظروں سے دیکھا تھا۔

''نہیں خالہ جان!'' وہ دونوں ایک ساتھ بولے۔

''گڈ، چلیں اپنا کھانا ختم کریں۔'' نغمہ نے پیار سے کہا۔

''تھوڑا سا کھانا ہمارے لئے بھی سوئیٹ گرل۔'' اسی وقت انیق الحسن نے وہاں داخل ہوتے ہوئے تو نغمہ نے چونک کر سر اٹھایا اور دروازے کی سمت دیکھا۔

''آپ اتنی جلدی کیسے آ گئے؟'' نغمہ نے حیرانگی سے پر لہجے میں پوچھا۔

''آپ کے ہاتھ کے بنے کھانوں کی خوشبو ہمیں کھینچ لائی ہے۔'' انیق الحسن نے مسکراتے ہوئے کہا اور ادھر ڈائننگ ٹیبل کی طرف آ گئے۔

''انیق کو میں نے فون کیا تھا کہ گھر پہنچ جائے مزیدار لنچ ہمارا منتظر ہے۔'' شفیق الحسن نے نغمہ کو اپنی جانب دیکھتے پایا تو بتایا۔

''اور آپ ایسی بے مروت ہیں کہ بھائی

جان کو فون کر دیا مجھے نہیں کیا میں بھی ان کا بھائی ہوں اس گھر کا حصہ ہوں۔'' انیق الحسن نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ خود کو کمپوز رکھتے ہوئے بولی۔

''آپ ہاتھ دھولیں پہلے پھر کھانا کھایئے گا۔''

''اف، ڈاکٹر میں ہوں اور.....'' انیق الحسن نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اس انداز سے کہا کہ سب کو ہنسی آ گئی، سوائے نغمہ کے وہ انہیں دانستہ نظر انداز کرتے ہوئے ثمن کو کھلانے میں مگن ظاہر کر رہی تھی خود کو، وہ ہاتھ دھو کر آ گئے کھانا کھایا خوب تعریف کی کھانے کے بعد سویٹ اور چائے سے فارغ ہو کر دونوں بھائی واپس اپنی اپنی ڈیوٹی پر چلے گئے۔

شام کو پانچ بجے کا وقت تھا جب نغمہ بچوں کے ساتھ لان میں فٹ بال کھیل رہی تھی، شفیق الحسن کی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی نغمہ نے دور سے ہی دیکھا تھا حسنہ بھی فرنٹ سیٹ پر ان کے برابر بیٹھی تھی، انہوں نے شفیق الحسن کو فری ہو کر فون کر دیا تھا کہ آفس سے واپسی پر انہیں پک کر لیں سو وہ انہیں پک کر کے گھر آ گئے تھے، گاڑی سے اترتے ہی بجائے اندر جا کر چینج کرنے کے سیدھے لان میں چلے آئے اور ان سب کے ساتھ کھیلنے لگے، بچے باپ کو اپنے ساتھ کھیلتے دیکھ کر اور بھی زیادہ پر جوش اور خوش ہو گئے تھے اور نغمہ بھی حسنہ اور شفیق الحسن کے گھر ساتھ آنے پر مطمئن ہو گئی تھی کہ صبح والا جھگڑا صبح ہی ختم ہو گیا تھا، شفیق الحسن کا موڈ تو کم از کم یہی ظاہر کر رہا تھا یا شاید وہ ہر بڑی چھوٹی بات کو برداشت کرنے کا ملکہ رکھتے تھے، نغمہ نے سوچا۔

''ہیلو سسٹر کہاں کھو گئیں؟'' شفیق الحسن نے نغمہ کو بیٹ پکڑے گم صم وکٹوں کے پاس کھڑے دیکھ کر مخاطب کیا تو وہ چونکتے ہوئے بولی۔

''کہیں نہیں، یہیں ہوں۔''

''ذہنی طور پر یہاں نہیں ہو ورنہ یوں کلین بولڈ نہ ہوتیں۔'' شفیق الحسن نے مسکراتے ہوئے کہا تو اس نے ایکدم سے مڑ کر دیکھا وکٹیں گری ہوئی تھیں۔

''اوہ، یہ کیسے ہو گیا؟''

''کام ہو یا کھیل جب مکمل توجہ اور دھیان اس پر مرکوز نہیں ہو گا تو کام میں ناکامی اور کھیل سے آؤٹ ہونا لازم ٹھہرتا ہے۔'' شفیق الحسن نے گیند صائم کو دیتے ہوئے کہا اور لان چیئر پر آ بیٹھے۔

''ویسے شفیق بھائی! آپ کو تو امن کا نوبل پرائز ملنا چاہیے، آپ اتنے کم گو، خاموش طبع، صلح جو اور دھیمے مزاج کے آدمی ہیں ہر معاملے میں مصلحت پسندی سے کام لیتے ہیں، تنگ نہیں آ جاتے اتنی نظر اندازی سے، خاموشی سے، گہری چپ تو بہت خطرناک ہوتی ہے۔'' نغمہ نے سامنے رکھی لان چیئر پر بیٹھ کر انہیں دیکھتے ہوئے استفسار کیا، بچے تینوں آپس میں کھیل رہے تھے، حسنہ نے کمرے کی کھڑکی سے یہ منظر دیکھا تھا اور پھر نخوت سے سر جھٹک کر کھڑکی کا پردہ برابر کر دیا۔

''صحیح کہہ رہی ہو تم۔'' شفیق الحسن سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

''جانتی ہو انسان خاموش کب ہوتا ہے؟''

''کب ہوتا ہے؟''

''جب اس کی برداشت ختم ہونے لگتی ہے جب بہتری کے لئے کی گئی اس کی ہر کوشش رائیگاں ہو جاتی ہے جب وہ حالات کو معاملات کو اپنے جڑے رشتوں کو اپنے حساب سے درست انداز میں نہ چلا سکے ناکام ہو جائے تو پہلے تو وہ

خود کو حالات کے سپرد کر دیتا ہے یہ سوچ کر کے وقت کے ساتھ ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا لیکن اگر تب بھی کچھ ٹھیک نہ ہو، بہتری نہ آئے تو وہ جو جیسا ہے کی بنیاد پر سمجھوتا کر لیتا ہے اور اس سمجھوتے میں سب سے پہلے وہ ان لوگوں سے ان رشتوں سے شکوے گلے کرنا چھوڑ دیتا ہے جو اس کے دل کے بہت قریب ہوں، اس کی زندگی کا اہم حصہ ہوں، آہستہ آہستہ وہ ناپسندیدہ چیزوں اور رویوں کو باتوں کو نظر انداز کرنے لگتا ہے اور مکمل خاموشی اختیار کر لیتا ہے پھر کوئی کچھ بھی کرتا پھرے اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی وہ بس خاموشی سے اپنے فرائض اور ذمے داریاں نبھاتا رہتا ہے، اس خاموشی کے پیچھے نفرت، ناپسندیدگی اور بیزاری تو ہو سکتی ہے لیکن محبت نہیں، کیونکہ جب آپ اپنے سے جڑے رشتوں کی قدر نہیں کرتے، ان کا خیال نہیں رکھتے، احساس نہیں کرتے تو آپ ان کی محبت کے قابل بھی نہیں رہتے، محبت نہ ہو صرف احساس ہی ہو کیئر کرنے کا خیال رکھنے کا تو وہ بھی رشتے کو خوبصورت بنائے رکھتا ہے، ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے رکھتا ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو سوائے برداشت کرنے کے کچھ نہیں بچتا اور جہاں برداشت کی نوبت آ جائے وہاں پہلے محبت اور پھر عزت بھی دل سے رخصت ہو جاتی ہے، گلے پڑا ڈھول بجانا پڑتا ہے بس۔'' شفیق الحسن نے بڑے رسان سے اس کو جواب دیا وہ ان کی باتوں کو سمجھ گئی تھی اور دل ہی دل میں حسنہ کے لئے فکر مند بھی ہو گئی تھی کے وہ اپنے اس غیر ذمے دارانہ رویے کے ساتھ مزید کتنا عرصہ شفیق الحسن کی برداشت آزماتی رہیں گی اور اگر کسی دن ان کی برداشت کی ہمت بھی جواب دے گئی تو اس دن ان کے اور شفیق الحسن کے رشتے کا کیا بنے گا وہ رشتہ جو اب تک محض شفیق الحسن کی برداشت اور مصلحت پسندی کی بنیاد پر ٹکا ہوا تھا، اس خیال نے اسے بہت پریشان کر دیا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایسا کیا کرے کے جس سے حسنہ بجیا کو اپنی غیر ذمے دارانہ روش اور غلطیوں کا احساس ہو جائے اور وہ ایک اچھی بیوی اور ذمے دار ماں کا کردار ادا کر سکیں، ان کا اور شفیق الحسن کا رشتہ بچ سکے۔

☆☆☆

Life is haed

But hot impossible

''اس بات کا کیا مطلب ہے اب؟'' نغمہ کی بات سن کر روٹی سینکتی ہوئی حسنہ نے پوچھا تو وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

''یہی کہ اگر انسان کوئی کام کرنا چاہے، کوئی ذمے داری اٹھانا، نبھانا چاہے تو سب ممکن ہے، آپ نے بھی ایسی کوئی کوشش کی ہی نہیں، اگر کرتیں تو آپ کی گرہستی بھی مثالی ہوتی بجیا۔''

''تم یہاں چھٹیاں گزارنے آئی ہو یا میری غلطیاں سدھارنے؟'' حسنہ نے روٹی اس کی پلیٹ میں رکھتے ہوئے ناراض لہجے میں کہا تو وہ جلی ہوئی ٹیڑھی ترچھی سوکھی روٹی کو تاسف سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''یعنی آپ مانتی ہیں نا کہ آپ نے غلطیاں کی ہیں اور کر رہی ہیں؟''

''کیا غلطی کی ہے میں نے؟ تم تو بات پکڑ لیتی ہو۔''

''آپ کی سب سے بڑی غلطی پتا ہے کیا ہے؟ یہ کہ آپ کو اپنی غلطی، غلطی ہی نہیں لگتی اور جب آپ کو اپنی غلطی کا دراصل لاپرواہی اور غیر ذمے داری کا احساس ہی نہیں ہوا آج تک تو آپ اس غلطی کو سدھاریں گی کیسے؟ اب دیکھیں

نا جس لڑکی کو گھر داری کی الف ب بھی نہیں آتی، انڈہ ابالنا بھی نہیں آتا وہ شادی کے بعد سال چھ مہینے میں سب کچھ سیکھ لیتی ہے کوکنگ میں ماہر ہو جاتی ہے بقول دادی کے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''دادی نے تمہیں کوکنگ ایکسپرٹ بنا دیا ہے، گھر داری میں طاق کر دیا ہے نا، کافی ہے اب تم جب سسرال جانا تو وہاں اپنی یہ مہارت اور سگھڑاپا دکھانا سمجھیں۔'' حسنہ نے سپاٹ لہجے میں کہا، ان کے لہجے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ انہیں نغمہ کی باتیں ناگوار گزر رہی ہیں۔

''انشاء اللہ جب میرا وقت آئے گا تو میں اپنی پوری کوشش کروں گی کے اپنی گھریلو ذمے داریاں احسن طریقے سے نبھا سکوں، ابھی تو آپ کی بات ہو رہی ہے بجیا، آپ نے کبھی یہ سب بہتر کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی، دس سال ہو گئے آپ کی شادی کو اور آپ کو روٹی تک ٹھیک سے پکانی نہیں آتی، یہ جلی سوکھی روٹی کیسے کھاتے ہوں گے شفیق بھائی، اس میں سے صرف دو ٹکڑے کھانے کے قابل نکلے ہیں اب میں سمجھی کہ جیجو اتنے سلم کیوں ہو گئے ہیں، ایسے سوکھی، جلی ہوئی روٹیاں کچے پکے سالن کھانے کو ملیں گے تو وہ کمزور تو ہوں گے ہی۔'' نغمہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''تمہیں شفیق کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں نہ ہی ان کے سامنے اپنی قابلیت دکھانے اور آنے کی ضرورت ہے وہ میرے شوہر ہیں تمہارے نہیں۔'' حسنہ نے روٹی بیلتے ہوئے غصے سے کہا۔

''اسی لئے تو کہہ رہی ہوں کہ وہ آپ کے شوہر ہیں آپ کو ہی ان کی قدر کرنی چاہیے، ان کا خیال رکھنا چاہیے، ان کی پسند ناپسند اور ضرورتوں کا خیال رکھنا آپ کا فرض ہے میرا یا آپ کی پڑوسن کا نہیں۔'' وہ روٹی سائیڈ پر رکھتے ہوئے بولی۔

''نغمہ! میری برداشت کا امتحان مت لو تم سمجھیں۔''

''آپ اپنے میاں کی برداشت کو آزما رہی ہیں شروع دن سے وہ؟'' نغمہ انہیں دیکھتے ہوئے بولی۔

''میاں بیوی میں جھگڑے ہوتے رہتے ہیں اور میں بھی شفیق کی کئی باتوں کو برداشت کر رہی ہوں تو اگر وہ میری کسی بات یا رویے کو برداشت کر رہے ہیں تو مجھ پر کوئی احسان نہیں کر رہے میں ان کے لئے اپنی اتنی شاندار جاب چھوڑ کر کام والی ماسی بن کر نہیں رہ سکتی، میرا شوق ہے یہ جاب اور سے چھوڑنا میں افورڈ نہیں کر سکتی یہ وہ بھی جانتے ہیں کہ میں انہیں چھوڑ سکتی تھی یہ جاب نہیں اسی لئے انہوں نے قبول کر لیا میرے اس شوق کو جبھی تو آج تک یہ شادی چل رہی ہے اور ان کے کون سے کام رکے ہوئے میری نوکری کی وجہ سے، میں بھی بہت کچھ برداشت کر رہی ہوں اسی لئے یہ رشتہ چل رہا ہے اور برداشت دونوں کو کرنا پڑتا ہے، نظر انداز بھی کرنا پڑتی ہیں ایک دوسرے کی خامیاں، کمیاں تو ہی شادی شدہ زندگی کی گاڑی چلتی ہے۔'' حسنہ تیز اور تلخ لہجے میں پھولی سانسوں کے ساتھ روٹی سینکتے ہوئے بولیں تو نغمہ ایک لمحے کے توقف کے بعد گویا ہوئی۔

''بجیا! جن رشتوں میں صرف برداشت باقی رہ جاتی ہے نا، وہ رشتے نہیں ہوتے، مجبوری کے سمجھوتے ہوتے ہیں، ایسے رشتوں کا ہونا نہ ہونا برابر ہے، جیسے دو حریف ایک چھت تلے رہ رہے ہوں، اپنے اندر شکوؤں، گلوں، نفرتوں کا ایٹم بم چھپا کے پھرتے رہتے ہیں اور آخر کار سے کی ذرا سی لغزش سے وہ ایٹم بم بلاسٹ ہو جاتا

ہے اور ہر چیز ہر رشتہ ہر احساس تعلق لحاظ پاس سب کچھ تہس نہس اور تاراج کر دیتا ہے، سب کچھ ختم کرنے سے بہتر نہیں ہے کہ کچھ غیر ضروری اور ناپسندیدہ چیزوں کو زندگی سے نکال دیا جائے اور ایک دوسرے کی برداشت کا امتحان نہ لیا جائے، وہ معاملات جن کو کیے بنا بھی زندگی اچھی اور بہتر گزر سکتی ہو وہ ترک کر دیئے جائیں، آپ جاب نہ چھوڑیں لیکن اپنی میرج لائف کی ذمے داریوں کو بھی نہ چھوڑیں، آپ جانتی ہیں ناں ہماری فیملی میں ہماری کزنز بھی اسکول، کالج اور بینک میں جاب کرتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے گھر بھی سنبھال رہی ہیں اور بچے بھی پال رہی ہیں، شادی کے بعد ہر لڑکی کو اپنے شوق، مشاغل ترک کرنا پڑتے ہیں نئے ماحول کے حساب سے خود کو ڈھالنا پڑتا ہے، نوکری کوئی لڑکی اگر صرف شوق کی خاطر کرتی ہے تو اسے اپنی گھریلو ذمے داریاں بھی پوری طرح نبھانی چاہئیں، جیسے ہماری کزنز ہیں نائلہ باجی، عصمت آپی اور حفصہ آپی وہ سب صبح فجر کے وقت جاگتی ہیں اور جاب کے ساتھ ساتھ گھر کے شوہر بچوں کے سب کام بھی خود کرتی ہیں، صرف صفائی، برتن دھونے کے لئے انہوں نے کام والیاں رکھی ہوئی ہیں، یہ سب کرنے کے لئے جان مارنی پڑتی ہے، اپنی بلند اور آرام کی قربانی دینا پڑتی ہے اور ایسا وہی خواتین کرتی ہیں جنہیں اپنے فرائض اور ذمے داریوں کا احساس ہوتا ہے بجیا، شوہر بیوی کی بری شکل برداشت کر لیتا ہے لیکن اس کا برا رویہ اور بے نیازی برداشت نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو شکل بھی بہت خوبصورت دی ہے پھر بھی آپ نے اسے ضائع کر دیا بجیا، اچھی شکل اپنے برے اور منفی سوچ و رویے کی وجہ سے دل سے اتر جاتی ہے، نگاہ سے گر جاتی ہے، گھریلو معاملات سے، اپنی ذمے داریوں سے، بے پروائی، غفلت، لاتعلقی اور عدم دلچسپی شوہر کے دل سے بیوی کی محبت تو کیا ایک دن عزت بھی ختم کر دیتی ہے، اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے، آپ اب جلدی کوئی مثبت تبدیلی لے آئیں اپنے رویے، سوچ اور عمل میں۔''

''ختم ہو گئی تمہاری تقریر اور واعظ۔'' حسنہ نے ہاٹ پاٹ بند کرتے ہوئے بیزاری سے کہا۔

''جانتی ہیں آپ ان باتوں کا اثر کیوں نہیں لیتیں؟ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتی ہیں، ان باتوں کو خاطر میں نہیں لاتیں کیونکہ آپ کو لگتا ہے کہ آپ نے اپنے شوہر کو تین بچے پیدا کر کے دے دیئے ہیں تو گویا انہیں اپنے ہر رویے کو برداشت کرنے کا نوٹس جاری کر دیا ہے، خاص کر دو بیٹے پیدا کر کے تو آپ نے اپنے شوہر کی ضمانت ہی ضبط کرا لی ہے لہٰذا آپ کو کیا ضرورت اور احساس کرنے کی، ان کا کہا ماننے کی، آپ کو یہ یقین ہے ناں وہ آپ کو چاہ کر بھی نہیں چھوڑ سکتے مگر آپ یہ نہیں جانتیں کہ جب شوہر کے دل میں بیوی کے لئے صرف مجبوری اور بیزاری باقی رہ جائے، ناراضگی اور خفگی ہو لیکن وہ بظاہر خوش نظر آتے ہوئے اپنی ذمے داریاں نبھاتا رہے تو آپ کی کامیابی نہیں ہے جس عورت کا شوہر ناراض ہو اور گلہ کرنا بھی چھوڑ دے تو ایسی عورت یعنی بیوی پر تو جنت کی خوشبو بھی حرام ہوتی ہے یہ دادی کہتی ہیں، آپ خود سوچیں کہ یہ کیسا رشتہ ہے جس میں آپ نے محبت کے لئے جگہ نہیں رہنے دی، وہ واقعی گلے پڑا ڈھول بجا رہے ہیں۔'' نغمہ نے اپنی بات مکمل کی اور وہاں سے اٹھ کر چلی گئی، حسنہ کی نظریں سالن کی پلیٹ پر جمی تھیں، جو جوں کا توں رکھا تھا اور ان کی

بنائی ہوئی جلی سوکھی روٹی میں سے صرف دو ٹکڑے ہی غائب تھے، جو بقول نغمہ کے کھانے کے قابل تھے، یعنی وہ بس کھانا چکھ کر اٹھی تھی میز سے۔
وہ لمحے بھر کو شرمندہ سی ہو گئیں مگر فوراً ہی اس شرمندگی کو سر جھٹک کر جیسے اپنے ذہن سے بھی جھٹک دیا تھا۔
اگلی شام موسم اچانک خوشگوار ہو گیا تھا، کالے اور سرمئی بادلوں کی ٹولیاں آسمان میں سیر کرتی دکھائی دیں اور پھر ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے بارش کی ہلکی سی پھوار پڑھنے لگی، پھوار تیز بارش میں تبدیل ہو گئی، نغمہ کو بارش بہت پسند تھی، بچے بھی بارش میں خوب انجوائے کر رہے تھے، پکوڑوں کا مصالحہ وہ پہلے ہی بنا کر رکھ آئی تھی موسم کے تیور دیکھ کر ساتھ املی اور پودینے کی چٹنی بھی بنا لی تھی، اب شفیق الحسن کے گھر لوٹنے کا انتظار تھا، جونہی وہ گھر پہنچے وہ بچوں کو کپڑے تبدیل کرنے کے لئے دے کر خود کچن میں چلی آئی اور کڑاہی میں گھی ڈال کر چولہے پر رکھ دی، دوسرے چولہے پر چائے رکھ دی تھی۔
''مسز ہم چائے آج باہر پئیں گے بارش کا نظارہ کرتے ہوئے ملے گی نا؟'' شفیق الحسن چینج کر کے باہر آئے تو کچن میں اسے دور سے ہی دیکھتے ہوئے بولے۔
''بالکل ملے گی بس پانچ منٹ میں لائی۔'' نغمہ نے کچن سے باہر آ کر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
''تھینک یو۔'' شفیق الحسن مسکراتے ہوئے صائم اور صارم کے ساتھ باہر چلے گئے۔
حسنہ کو ایسے موسم میں سوجی کا حلوہ بہت اچھا لگتا تھا، نغمہ کو اچانک ہی خیال آیا تھا اور اس نے جلدی جلدی حلوہ بھی بنا لیا، حسنہ کالج سے آنے کے بعد ابھی تک سو رہی تھیں، وہ سب کے لئے پکوڑے، حلوہ اور چائے ٹرالی میں سجا کر باہر برآمدے میں لے آئی۔
''واؤ، زبردست حلوہ، پکوڑے اور چائے بھئی آج تو چائے کا لطف دوبالا ہونے والا ہے، جیتی رہو، خوش رہو لڑکی، تمہارے آنے سے ہماری تو ہر روز عید ہونے لگی ہے۔'' شفیق الحسن نے اتنا اہتمام دیکھ کر گرم گرم پکوڑا اٹھایا اور منہ میں ڈالتے ہوئے نغمہ کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ہنس پڑی، اسی وقت انیق الحسن بھی ہسپتال سے گھر آ گئے اور چائے پر اہتمام دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولے۔
''ارے واہ، قسم سے بھائی جان! میں گھر آتے ہوئے، سوچ رہا تھا کے کاش، آج چائے کے ساتھ پکوڑے بھی کھانے کو مل جائیں اور دیکھیں پکوڑے، املی کی چٹنی، حلوہ چائے سبھی کچھ سامنے موجود ہے الحمدللہ۔''
''تم کچھ اور مانگ لیتے تو آج تمہیں وہ بھی مل جاتا۔'' شفیق الحسن نے ہنس کر کہا، تو وہ بھی وہاں کرسی کھسکا کر بیٹھ گئے۔
''ضرور مانگیں گے بھائی جان! جس اللہ نے میری یہ خواہش ایک دم سے پوری کی ہے وہ اللہ میرے دل کی مانگ اور دعا بھی ضرور قبول کرے گا۔'' انیق الحسن نے پکوڑے چٹنی کے ساتھ کھاتے ہوئے پریقین لہجے میں کہا۔
''انشاءاللہ!'' شفیق الحسن نے دل سے کہا۔
''واہ جی یہاں تو خوب پارٹی ہو رہی ہے۔'' اسی وقت حسنہ وہاں چلی آئیں، وہ جاگ گئی تھیں اور منہ ہاتھ دھو کر ان سب کو ڈھونڈتے ہوئے باہر آ گئیں تھیں۔
''آؤ تم بھی پارٹی انجوائے کرو، دیکھو نغمہ نے ہم سب کی پسند کے پکوان پکائے ہیں اور بہت ہی لذیز بنائے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں

ہے کہ ہماری نغمہ کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے۔'' شفیق الحسن نے ایک نظر انہیں دیکھ کر پکوڑے کھاتے ہوئے کہا۔

''دل تک پہنچنے کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے، معدہ قابو میں آ گیا تو سمجھو دل بھی گیا کام سے، مرد کا دل جیتنا ہو تو اسے مزیدار کھانے کھلانے چاہیں، لیکن جو پہلے ہی دل جیت چکی ہوں ان کے ہاتھ کے بنے مزیدار کھانے سونے پہ سہاگہ والا کام دکھاتے ہیں۔'' انیق الحسن نے سوجی کا حلوہ کھاتے ہوئے نرم دھیمے لہجے میں کہا تو نغمہ بہانے سے وہاں سے اٹھ گئی۔

''میں نے، پکوڑے اور لاؤں آپ سب کے لئے؟''

''پکوڑے اور پوچھ پوچھ، ضرور لے آئیں۔'' شفیق الحسن نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے ''جی اچھا'' کہہ کر اندر چلی گئی، جبکہ حسنہ نے شوہر کو شاکی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''زیادہ مت کھائیں پکوڑے پھر پیٹ میں درد ہوگا۔''

''پیٹ کا درد دل کے درد سے بہتر ہے بیگم صاحبہ! اور نغمہ کی خاطر ہمیں پیٹ کا درد کیا ہر درد منظور ہے۔'' شفیق الحسن نے بھی ڈونگے سے حلوہ نکالتے ہوئے جواب دیا۔

تو ان کی اس بات سے حسنہ بری طرح ٹھٹکی تھیں، شوہر کی زبان سے سالی کی تعریفیں سن سن کر وہ پریشانی اور غصے میں مبتلا رہنے لگی تھیں۔

''ذرا سا چائے، کھانا کیا پکا دیا نغمہ نے آپ کی تو زبان ہی نہیں تھکتی اس کی تعریفیں کرتے اور چائے پکوڑے پکانے میں کون سی سائنس لگتی ہے؟ آپ تو ایسے اس کی تعریف کر رہے تھے جیسے آج سے پہلے آپ نے پکوڑے کھائے ہی نہ ہوں، جیسے نغمہ نے کوئی کارنامہ انجام دیا ہو۔'' رات کو حسنہ نے کمرے میں آتے ہی شفیق الحسن سے جھگڑنا شروع کر دیا، وہ خاموشی سے لیپ ٹاپ پر اپنا کام کرتے رہے انہیں کوئی جواب نہیں دیا، جس سے وہ مزید چڑ گئیں۔

''میں آپ سے بات کر رہی ہوں شفیق!''

''میں سن رہا ہوں۔'' وہ لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نظریں ٹکائے مدھم آواز میں بولے۔

''تو میرے سوالوں کے جواب کیوں نہیں دے رہے آپ؟''

''آپ نے سوال تو کیا ہی نہیں ہے فرد جرم عائد کی ہے ہمیشہ کی طرح اور ہم اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتے نہ ہی جواب دینا چاہتے ہیں، آپ کو جو سمجھنا ہے، سمجھیں جو کہنا ہے کہتی رہیں۔'' شفیق الحسن نے اسی دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

''میں کیا پاگل ہوں جو آپ سے مغز ماری کر رہی ہوں؟'' حسنہ کا غصہ مزید بڑھ گیا تھا، بدتمیزی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے یہ بات حسنہ کو بھی سمجھ نہیں آئی تھی، غصیلے لہجے میں کہا۔

''آپ بہتر جانتی ہیں کہ آپ کیا ہیں میں کچھ کہوں گا تو آپ کو برا لگ جائے گا۔'' شفیق الحسن نے ایک نظر ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور اپنا لیپ ٹاپ اٹھا کر دروازے کی سمت بڑھ گئے، حسنہ نے پیچ و تاب کھاتے ہوئے فوراً سوال کیا۔

''اب آپ اس وقت کہاں جا رہے ہیں؟''

''نغمہ کافی بہت اچھی بناتی ہے، اس وقت کافی کی طلب ہو رہی ہے سو نغمہ سے کہتا ہوں کافی بنا دے مجھے۔'' انہوں نے رک کر ان کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''نغمہ سو گئی ہو گی۔''

''تو کیا ہوا؟ میں جگا لوں گا۔'' وہ بے نیازی سے بولے۔
''اسے سوتے سے جگائیں گے تو وہ غصہ کرے گی۔''
''بالکل بھی غصہ نہیں کرے گی کیونکہ وہ نغمہ ہے، حسنہ نہیں ہے۔'' وہ اتنا کہہ کر کمرے سے باہر چلے گئے اور حسنہ دانت پیس کر رہ گئیں۔
''ہاں بھئی لڑکی! کیا ہو رہا ہے؟'' نغمہ لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی، ان کی آواز پر چونک کر گردن گھما کر ان کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولی۔
''میری فیورٹ مووی آ رہی ہے آیئے آپ بھی دیکھئے بہت زبردست فلم ہے۔''
''اچھا بھئی ہماری نغمہ کہہ رہی ہے تو یقیناً بہت اچھی مووی ہوگی، نام کیا ہے فلم کا؟'' شفیق الحسن اپنا لیپ ٹاپ لے کر اسی صوفے کے دوسرے کنارے پہ بیٹھ گئے جس صوفے پر نغمہ بیٹھی ہوئی تھی۔
''لارڈز آف دی رنگ۔''
''آہاں، یہ تو بہت پرانی فلم ہے مگر ہے واقعی کمال اس کی ڈاریکشن بہت خوب ہے۔'' شفیق الحسن نے ٹی وی پر نگاہیں مرکوز کرتے ہوئے کہا۔
''جی بالکل، میں نے چار پانچ بار پہلے بھی دیکھی تھی آج اس چینل پر اردو ترجمے کے ساتھ آ رہی ہے۔''
''یعنی اتنی بار دیکھنے کے باوجود آپ کو اس فلم کی سمجھ نہیں آئی، میرا نہیں خیال تھا کے آپ کے انگلش اتنی پوئر ہے، خیر اردو ترجمے کے ساتھ تو آپ کو سمجھ آ جائے گی آج۔'' انیق الحسن وہاں سے گزر رہے تھے ان دونوں کی باتیں سن کر وہیں چلے آئے اور نغمہ کو دیکھتے ہوئے مسکراتے شریر لہجے میں بولے تو شفیق الحسن کو ہنسی آ گئی۔
''ہی ہی ہی..... وری فنی۔'' نغمہ نے منہ بنا کر کہا تو وہ بھی ہنس دیئے، شفیق الحسن نغمہ سے کہنے لگے۔
''نغمہ! فلم تو میں تمہارے ساتھ ضرور دیکھوں گا، بشرطیکہ تم اچھی سی کافی بنا کر پلاؤ۔''
''آپ بھی کافی پئیں گے؟'' نغمہ نے انیق الحسن کو دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔
''دل تو بہت چاہ رہا ہے آپ کے ہاتھ کی بنی کافی پینے کو لیکن مجبوری ہے ابھی پی نہیں سکتا کیونکہ مجھے جانا ہے۔''
''خیریت، اس وقت کہاں کی تیاری ہے؟'' شفیق الحسن نے پوچھا تو وہ بولے۔
''ہوسپٹل سے کال آئی ہے کوئی ایمرجنسی ہے مجھے ابھی جانا ہوگا ڑی آئی ہی ہوگی، میں چلتا ہوں۔''
''ٹھیک ہے دھیان سے جانا اور ہوسپٹل پہنچ کر فون ضرور کر دینا مجھے فکر رہے گی۔'' شفیق الحسن نے برادرانہ محبت اور شفقت سے پر لہجے میں کہا۔
''او کے بھائی جان! اللہ حافظ۔'' وہ مسکراتے ہوئے انہیں محبت سے دیکھتے کھڑے ہو گئے، نغمہ بھی ان کا جواب سن کر کچن کی طرف بڑھ گئی جاتے جاتے انیق الحسن کا جملہ اس کی سماعتوں میں اتر تھا۔
''کافی ادھار رہی۔'' اور وہ مسکراتے ہوئے اپنے اور شفیق الحسن کے لئے کافی بنانے لگی تھی، حسنہ دروازے کی اوٹ سے یہ سب دیکھ رہی تھیں اور الجھن میں گرفتار ہو رہی تھیں، ان کی سوچوں کے جال دور تلک پھیل گئے تھے، انیق الحسن، نغمہ، شفیق الحسن، سارا تانا بانا الجھ رہا تھا، نغمہ کے آنے سے وہ بے فکر تو ہو گئیں تھیں کہ گھر کے

بچوں اور شفیق الحسن کے کاموں سے انہیں چھٹی مل گئی تھی جو وہ پہلے ہی کم کم کرتی تھیں فرض سمجھ کے نہیں بلکہ مجبوراً ایک بوجھ سمجھ کر، لیکن شوہر اور دیور جو نغمہ کے ہی گن گانے لگے تھے، بچے الگ خالہ کے دیوانے بن چکے تھے ایک ہفتے میں اس نے سب کے دل جیت لئے تھے اور وہ گھر کی مالکن ہو کر دس برس میں ان کے دل جیتنا تو دور کی بات تھا وہ کسی کے دل کی خوشی کا خیال تک نہیں رکھ پائیں تھیں آج تک۔

☆☆☆

کھلے پنجرے میں دیکھا ہے کبھی بیٹھا ہوا پنچھی؟
تمہیں معلوم ہی کب ہے محبت کس کو کہتے ہیں؟

نغمہ کی سماعتوں میں انیق الحسن کے شوخ جملے کسی دلفریب ساز کی طرح بج رہے تھے اور وہ خود کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ ان سے مرعوب ہونے والی نہیں ہے اور نہ ہی وہ ان سے پیار محبت کا رشتہ استوار کرنے والی ہے اور وہ بھی شاید ایسے ہی دل لگی کر رہے ہیں امریکہ پلٹ سرجن کو وہ ہی ملی تھی دل لگی کو، وہ جانتی تھی کہ اگر انیق الحسن نے اس کے ساتھ اپنی شادی کی بات اپنے والدین سے کی تو دونوں گھروں میں ایک ٹینشن بلکہ جنگ شروع ہو جائے گی اور وہ ایسی جنگ کا سبب نہیں بننا چاہتی تھی، لہٰذا اس نے واپسی کا ارادہ کر لیا اور گھر کو فون کیا کیونکہ وہ اپنی ہر بات دادی سے ہی کیا کرتی تھی اور دادی اس کی دوست بھی تھیں، ان کی باتوں کا اثر تھا کہ وہ حسنہ کو سمجھانے، احساس دلانے کی کوشش کر رہی تھی اور دادی نے بھی یہ ٹاسک دیا تھا کہ وہ اپنی چھٹیوں میں حسنہ کو اس کی غیر ذمے دارانہ حرکتوں کا احساس دلائے۔

''دادی میں یہاں مزید نہیں رہنا چاہتی، بجیا نہیں بدلیں گی الٹا میں بری بن رہی ہوں اور ویسے بھی بجیا کے دیور آ گئے ہیں مجھے اچھا نہیں لگ رہا ان کے ہوتے ہوئے یہاں رہنا۔'' وہ دادی کو فون کر کے اپنے دل کی الجھن بیان کر رہی تھی۔

''ہائیں تو وہ بچہ تجھے کیا کہتا ہے جو اس کے وہاں ہوتے ہوئے تجھے وہاں نہیں رہنا؟'' دادی نے حیرانگی سے سوال کیا۔

''وہ کچھ کہیں نہ کہیں ان کی والدہ محترمہ ضرور کہہ دیں گی بہت کچھ، کیا آپ جانتی ہیں آسیہ آنٹی کے مزاج کو؟ اور بجیا کے بارے میں ان کے نادر خیالات ہم تک پہنچتے رہے ہیں خود سوچیے کہ وہ میرے یہاں اتنے دن رہنے پر کیا کیا نہ طوفان اٹھائیں گی؟'' وہ دھیمے مگر سنجیدہ لہجے میں بولی تو وہ پرسوچ انداز میں بولیں۔

''بات تو تمہاری صحیح ہے چندا! لیکن کیا تم اپنی بجیا کو ایسے ہی اپنا گھر خراب کرتے رہنے کے لئے چھوڑ آؤ گی؟ وہ اگر ابھی بھی نہ سمجھی تو پھر کبھی نہیں سمجھے گی۔''

''دادی! انہوں نے دس سالوں میں آپ سب کے سمجھانے کا کوئی اثر لیا نہ ہی اپنے شوہر نامدار کے احساس دلانے پہ انہیں کوئی احساس ہوا تو میں بقول بجیا کے کل کی لڑکی کیسے انہیں راہ راست پر لا سکتی ہوں؟ مجھے تو کسی گنتی میں بھی نہیں رکھتی۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''بیٹا! کبھی کبھی جو کام بڑے بڑے طرم خان نہ کر سکیں نا، وہ کام چھوٹے سپاہی بہت خوش اسلوبی سے کر جاتے ہیں۔''

''یو مین، لائف از ہارٹ، بٹ ناٹ امپاسبل۔'' وہ ان کی بات سمجھتے ہوئے اپنی کہی ہوئی بات دہراتے ہوئے بولی۔

''سبھی کچھ ممکن ہے اگر انسان ثابت قدم رہے محنت کرتا رہے۔''

''بالکل اور یوں بھی مجھے میری نغمہ پہ پورا بھروسہ ہے وہ اپنی بجیا کو سمجھانے، سدھارنے میں ضرور کامیاب ہو گی انشاء اللہ۔'' دادی نے بہت یقین سے کہا تو وہ بولی۔

''دادی! اب اتنا بھروسہ مت کریں مجھ پر عمر بھر کی سوچ عاددت اور بے پرواہی چند دنوں میں بدل دینا آسان کام نہیں ہے اور وہ بھی جب سامنے بجیا جیسی خاتون ہوں۔''

''بجیا جیسی خاتون کو ڈھیٹ اور چکنی گھڑی خاتون کہو نا۔'' دادی نے صاف گوئی سے کہا۔

''اچھا ایک بات تو میں بتانا ہی بھول گئی میں اور تیرے امی ابو رحیم یار خان آئے ہوئے ہیں تیری عشرت خالہ کی طرف عشرت کے پوتے کا عقیقہ ہے کل اور چھوٹی بیٹی طوبیٰ کی منگنی ہے، عشرت اور اس کا میاں ایک ہفتے سے پہلے تو ہمیں یہاں سے جانے نہیں دیں گے اس واسطے میری بچی ایک ہفتہ تو تجھے اپنی بجیا کے گھر جیسے تیسے گزارنا ہی ہوگا۔'' دادی نے یاد آنے پر بتایا۔

''دادی، صفی بھائی اور بھابھی کب تک آئیں گے؟'' نغمہ نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''صفی اور اس کی دلہن بھی ہفتے دس دن سے پہلے اسلام آباد سے نہیں آنے والے لہٰذا میری بچی تو ایک ہفتے تک تو یہاں آنا بھول جا اور اپنے کام میں دل لگا۔'' دادی نے سنجیدہ مگر پیار بھرے لہجے میں جواب دیا۔

''ٹھیک ہے دادی، آپ میری کامیابی کے لئے دعا کیجئے گا۔''

''اچھا میری چندا، اپنا خیال رکھنا، کوئی بات پریشان کرے تو فون کر لینا مجھے۔''

''ٹھیک ہے دادی۔'' نغمہ نے الوداعی کلمات ادا کیے اور کال منقطع کر دی۔

اگلی صبح حسنہ اور شفیق الحسن اپنے اپنے کام پر چلے گئے، صائم، صارم اسکول چلے گئے، ثمن سو رہی تھی ابھی، ملازمہ کشور آ گئی تھی، نغمہ نے اس کے ساتھ مل کر پورے گھر کی صفائی کرنے کا بیڑا اٹھایا، ساری بیڈ شیٹس، کشن کور، پردے نجانے کتنے مہینوں سے نہیں دھلے تھے، نہ حسنہ کو خیال آیا تھا نہ ہی ملازمہ کو صفائی، دھلائی کا خیال تھا، حسنہ کی وارڈ روب میں کپڑے ٹھونس کر رکھے گئے تھے، الماری وہ بے ترتیب سلیقہ، طریقہ، ترتیب، کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی، اس نے پہلے تو کشور کے ساتھ مل کر پردے، بیڈ شیٹس اور کشن کور تبدیل کیے ان کی جگہ نئے پردے لگائے، بیڈ شیٹس اور کشن کور بھی الماریوں سے نکال کر نئے چڑھائے، جالے اتارے، ڈسٹنگ کی، کشور کو کپڑے دھونے پر لگا دیا، ثمن جاگ چکی تھی، اس کا منہ دھلوایا، فیڈر بنا کر دیا، اور اسے پرام میں بٹھا کر باقی کام کرنے لگی، گوشت اور گوبھی، قیمہ، چکن یہ سب فریج میں موجود تھا اس نے گوبھی قیمہ پکانے کا سوچا، بچوں کی آیا آ چکی تھی، جب سے اسے نغمہ کے گھر ہونے کا پتا چلا تھا وہ دیر سے آنے لگی تھی کیونکہ اس نے دیکھ لیا تھا کہ ثمن کے علاوہ دونوں بچے بھی نغمہ سے بہت مانوس ہو چکے تھے اور نغمہ ان کا خیال دیکھ بھال بہت اچھے طریقے سے کر رہی تھی لہٰذا وہ دیر سے آتی اور روز ایک نیا بہانہ بنا دیتی، نغمہ نے آخر اسے دیکھتے ہوئے کہہ ہی دیا۔

''زبیدہ بی بی! آپ کو تنخواہ پوری ملتی ہے نا ہر مہینے تو پورے مہینے کام کیوں نہیں کرتیں آپ مجھے ایک ہفتہ ہوا ہے یہاں آئے ہوئے چھ دن میں آج چوتھا دن ہے کہ آپ آدھا دن اپنے گھر پہ گزار کر آئی ہیں، تنخواہ کاٹ لینی چاہیے آپ کی اس احساب سے تو ٹھیک ہے نا؟''

''آئندہ ایسا نہیں ہوگا باجی، وہ اصل میں

میرا میاں بیمار ہے اس کے دوا دارو میں دیر ہو جاتی ہے۔'' زبیدہ بی بی نے فوراً بہانہ بنایا، نغمہ بھی خوب سمجھتی تھی اس کے بہانوں کو مسکرا کر بولی۔

''جس دن اصل میں آپ کا میاں بیمار ہو گیا نا اس دن چھٹی نہیں ملے گی اس لئے اپنا ریکارڈ درست رکھو تا کہ جب اصل میں آپ کے ساتھ کوئی مسئلہ ہو تو باجی آپ کو چھٹی خوشی سے دیں، کہیں چھٹی نہ کر دیں آپ کی۔''

''جی باجی۔'' وہ کھسیانی سے نظریں جھکا کر بولی۔

''دشمن کو سنبھالیں اور جو کام آپ کے ذمے ہیں وہ بھی دیکھ لیں، میں تب تک دوسرے کام کر لوں۔'' نغمہ نے زبیدہ بی بی کو ہدایت دی اور خود پانی کا پائپ اٹھایا، موٹر چلائی اور باہر کا برآمدہ اور گیٹ تک جانے والی روش دھونے لگی، جالے کشور نے اتار دیئے تھے، فرش دھونے کے بعد وہ وائپر پھیر رہی تھی جب انیق الحسن کی گاڑی کا ہارن بجا، نغمہ نے گیٹ کھلتے دیکھا تو وائپر سمیت جلدی سے سائیڈ پر ہو گئی، انیق الحسن گاڑی اندر لے آئے، گیٹ بند ہو گیا، وہ گاڑی سے اترے تو اس کا سر تا پیر بھرپور جائزہ لینے لگا، چٹیا میں بندھے بالوں کی کالی لٹیں دائیں بائیں اس کے چہرے پر اٹھکیلیاں کر رہی تھیں، وہ سبز رنگ کے پرنٹڈ شلوار قمیض دوپٹے میں ملبوس تھی، پاؤں میں براؤن اور بلیک اسٹرپ والی جوتی تھی، دونوں بازو آدھی آدھی گیلی ہو چکی تھیں اور شلوار کے پائنچے بھی بھیگے ہوئے تھے، اس سادگی میں بھی وہ ان کے دل کی دھڑکنوں کو وجد میں لے آئی تھی، وہ سمجھ گئے تھے کہ نغمہ ہی وہ لڑکی ہے جسے خدا نے ان کی محبت اور شریک حیات کے طور پر چنا ہے جبھی تو وہ انہیں ہر انداز ہر ادا ہر روپ میں پہلے سے کہیں زیادہ حسین دلنشین اور اپنی سانسوں کے بے حد قریب محسوس ہوتی تھی۔

''السلام علیکم!'' نغمہ نے اپنا دوپٹہ درست کر کے سر پر اوڑھتے ہوئے انہیں سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! مس نغمہ آپ یہ سب کیوں کر رہی ہیں؟'' انیق الحسن نے اس کے سلام کا جواب دے کر استفسار کیا ان کا اشارہ کس طرف تھا وہ سمجھ گئی تھی۔

''کیونکہ مجھے صفائی بہت پسند ہے، صفائی نصف ایمان ہے جانتے ہیں ناں؟'' اس نے پانی کا پائپ سمیٹ کر ترتیب میں رول کرتے ہوئے جواب دیا۔

''جی جانتا ہوں، لیکن آپ کا کام نہیں ہے یہ آپ کیوں اتنی محنت کر رہی ہیں؟'' انیق الحسن کو حقیقتاً اسے اپنے گھر میں اس طرح کام کرتے دیکھ کر شرمندگی سی محسوس ہو رہی تھی۔

''میری تھوڑی سی محنت سے گھر کتنا صاف ستھرا اور نیا نیا سا لگ رہا ہے آپ اندر جا کر تو دیکھئے۔'' وہ پائپ اس کی جگہ پر رکھتے ہوئے بولی۔

''وہ تو مجھے اندازہ ہو رہا ہے آپ کے کام میں صفائی بہت ہے، اتنی صفائی سے اپنا کام کر جاتی ہیں کہ کسی کو خبر بھی نہیں ہو پاتی اپنے لٹنے کی۔'' انیق الحسن نے معنی خیز لہجے میں کہا تو وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی اور پھر سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

''جی نہیں، بات یہ ہے کہ جن لوگوں کو یہ زعم ہوتا ہے نا، کہ وہ کبھی لوٹے نہیں جا سکتے وہ ایک دن ضرور لٹتے ہیں۔''

''چلئے مان لی آپ کی بات۔'' وہ ہنس پڑے، وہ وائپر سائیڈ پر رکھ کر اندر جانے لگی تو انیق الحسن نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''سنیے کچھ کھانے کو ملے گا، رات جو کھانا

کھایا تو اس کے بعد سے اب تک صرف دو کپ چائے ہی پینے کو ملے ہیں آئی تو آپ تھک گئی ہوں گی کام کر کے بٹ اگر اس بھوکے کو کھانا کھلا دیں گی تو بہت ثواب ملے گا آپ کو، بھوکے کو کھلانا کھلانا بھی نیکی کا کام ہے نا؟''

''جی، آپ کو اتنی تمہید کی ضرورت نہیں بھی آپ چینج کر لیں، میں تب تک کھانا لگاتی ہوں، روٹی پکانا ہے بس پانچ منٹ میں تیار ہو جائے گی۔'' نغمہ نے مسکرا کر کہا اور اندر چلی گئی۔

''تھینک یو۔'' وہ مسکراتے ہوئے پیچھے آتے ہوئے بولے تھے۔

کچن میں آ کر نغمہ نے پہلے اپنے ہاتھ صابن سے دھوئے، اس بعد فریج میں سے گوندھا ہوا آٹا نکال کر پیڑے بنانے لگی، توا چولہا جلا کر رکھ دیا، دوسرے چولہے پر رکھا سالن بھی بھوننے لگی گوبھی، قیمہ تیار تھا، اس نے ہرا دھنیا ہری مرچیں اور کٹی ہوئی ادرک اوپر ڈال کر دم لگا دیا، وال کلاک پر نگاہ ڈالی، دوپہر کے سوا بارہ بج رہے تھے، اس نے جلدی جلدی ہاتھ چلائے روٹی پکانے کے لئے اور جب وہ دو روٹیاں پکا کر ٹرے سیٹ کرنے لگی تو انیق الحسن وہاں آ گئے۔

براؤن کلر کے کرتا شلوار میں اپنی دراز قامت کے ساتھ وہ بہت وجیہہ لگ رہے تھے۔

''میں کوئی مہمان تھوڑی ہوں جو آپ ایسے ٹرے سجا رہی ہیں۔'' وہ کرسی کھسکا کر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''میں ڈائننگ ٹیبل پر لگا دیتی ہوں آپ یہاں کیوں بیٹھ گئے؟'' وہ ان کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

''نہیں میں ادھر ہی بیٹھ کر کھا لیتا ہوں۔''

''یہاں ایسا کیا ہے؟'' نغمہ نے ٹرے ان کے سامنے میز پر رکھ دی، دستر خوان میں روٹیاں تھیں، پلیٹ میں سالن اور ایک گلاس میں پانی تھا۔

''یہاں۔'' انہوں نے نغمہ کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی۔'' جواباً وہ گنگنانے لگے۔

''اک پیار کا نغمہ ہے۔'' نہیں ایک پیار کا نغمہ ہے جو میری زندگانی ہے، زندگی اور کچھ بھی نہیں تیری میری کہانی ہے۔'' انیق الحسن نے نہ کہہ کر بھی اپنے دل کی بات اسے کہہ سنائی تھی وہ ٹپٹا گئی۔

''آپ کو بھوک لگ رہی تھی نا، کھانا کھایئے ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' وہ انہیں جواب دے کر باقی گھر والوں کے لئے بھی روٹی پکانے لگی، حسینہ سوا ایک بجے اور کبھی ڈیڑھ دو بجے کالج سے لوٹتی تھیں اور گھر آ کر روٹی پکانا ان کے لئے کسی عذاب سے کم نہیں تھا، مصیبت سے چھوٹا نہیں تھا، بقول ان کے۔

''واہ، مزیدار بھئی مس نغمہ، میں نے آلو گوبھی، گوبھی گوشت تو امی کے ہاتھ کا بنا کئی بار کھایا تھا لیکن گوبھی قیمہ آج پہلی بار کھا رہا ہوں قسم سے بہت ہی لذیذ ہے آپ کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے، معدے اور دل دونوں کو مٹھی میں کر لیا آپ نے۔'' وہ کھانا کھاتے ہوئے بولے۔

''کھانا خاموشی سے کھانا چاہیے۔'' نغمہ نے تازہ گرم گرم روٹی ان کے سامنے دستر خوان پر رکھتے ہوئے کہا، وہ ان کی موجودگی میں نروس ہو رہی تھی اور وہ تھے کہ وہیں جم کے بیٹھ گئے تھے۔

''آپ کو دیکھ دل چاہتا ہے کہ بولتا رہوں، آپ سے باتیں کرتا رہوں، دل کا ڈاکٹر سرجن میں ہوں اور دل آپ نے نکال لیا ہے میرا، وہ بھی بنا سرجری کے، ویسے دل واحد عضو ہے جو بنا

چیر پھاڑ کے بنا آپریشن کے ایک دوسرے کو دیا جا سکتا ہے۔" انیق الحسن کھاتے رہے بولتے رہے۔

"دوسروں کے دل کا علاج کرتے ہیں کچھ علاج اپنے دل کا بھی کر لیں۔" نغمہ نے روٹی پلٹتے ہوئے کہا۔

"کریں گے نا علاج۔"

"آپ کو اپنی زندگی میں لا کر گھر میں بسا کر، آنکھوں میں سجا کر، دل میں بٹھا کر۔" انہوں نے اسے دیکھتے ہوئے جواب دیا، وہ چولہے کی آگ سے زیادہ ان کی باتوں کی آگ سے جھلس رہی تھی، روٹی نہ پکانا ہوتی تو کچن سے چلی جاتی فوراً مگر مجبوری تھی کام پورا کرنا تھا۔

"یہ علاج نہیں شاعری ہے، آپ دل کے ڈاکٹر سرجن بنے ہیں یا شاعر؟" نغمہ کو مجبوراً بات کرنا پڑی۔

"ڈاکٹر تو دل کے بنے تھے مگر آپ نے ہمارا دل لے کر ہمیں شاعر بھی بنا دیا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"او ہیلو مسٹر سرجن ذرا تھم کر۔" نغمہ نے کڑے تیوروں سے انہیں گھور کر کہا۔

"آپ تھمی تھیں، رکی تھیں کیا، اچانک ایف سکسٹین کی رفتار سے آئیں میرا دل نکالا اور یہ جا وہ جا ذن سے لے اڑیں میرا دل جو پچھلے اٹھتیس سال آٹھ ماہ اکیس دن سے میں نے سنبھال رکھا تھا، چلئے معاف کیا مگر خیال رکھیے گا میرے دل کا، ایسا نہ ہو آپ کی لاپرواہی کی وجہ سے میرے دل کو بھی سرجری کی ضرورت پیش آ جائے۔"

"اف کتنا بولتے ہیں آپ۔" وہ بیزاری سے بولی۔

"حد ہے صرف اف کہہ کر آپ نے میرے جذبات کی ناقدری کر دی، اتنی لمبی تقریر پر تو تالیاں ہونی چاہئیں تھیں۔" انیق الحسن نے مصنوعی خفگی سے کہا تو اس نے اپنی مسکراہٹ ضبط کرنے کے لئے رخ پھیر لیا۔

"انیق، شفیق، حسنہ کہاں ہو تم سب؟"

"ارے یہ تو امی کی آواز ہے۔" انیق الحسن، آسیہ بیگم کی آواز سن کر حیرانگی سے بولے تو نغمہ نے خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھا وہ کھانا کھا چکے تھے، ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اٹھے اور کچن سے باہر نکل گئے۔

"لو جی یک نہ شد دو شد، اف دادی آپ نے کہاں پھنسا دیا مجھے آسیہ آنٹی کے نیک خیالات بجیا کے بارے میں سننے کے بعد ان سے میں اپنے لئے کسی مثبت بات اور سوچ کی امید تو ہرگز نہیں رکھ سکتی۔" نغمہ نے ہاٹ پاٹ بند کرتے ہوئے سوچا۔

"بجیا کے بارے میں آسیہ آنٹی کے خیالات بجیا کے اپنے غلط رویے نے پیدا کیے تھے، تم اپنے اچھے رویے اور عمل سے ان کے اپنے بارے خیالات اچھے کر سکتی ہو، تم نے جب کچھ کیا ہی نہیں تو تم کیوں ڈر رہی ہو؟" اس کے اندر سے آواز آئی تو وہ کچھ ریلیکس ہو گئی۔

"السلام علیکم امی! کیسی ہیں آپ؟" انیق الحسن نے آسیہ بیگم کو دیکھتے ہوئے خوشگوار موڈ میں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! جیتے رہو، میں تو اچھی ہوں پر تم بہت خراب ہو گئے ہو۔" آسیہ بیگم نے انہیں گلے لگا کر ان کا ماتھا چوم کر خفگی سے کہا۔

"کیوں امی! مجھے کیا فنگس لگ گئی ہے خدانخواستہ؟" انیق الحسن نے اپنے مخصوص پر مزاح انداز میں استفسار کیا۔

"ہائے اللہ نہ کرے تمہیں ایسا ویسا کچھ ہو،

میں تو ایک بات کر رہی تھی۔'' آسیہ بیگم نے بے کل ہو کر تیزی سے کہا۔

''آپ بناء بتائے یوں اچانک کیسے آ گئیں؟''

''تم تو آ نہیں رہے تھے ماں باپ سے ملنے تو ہم نے سوچا ہم خود ہی اپنے بچوں سے جا کر مل آئیں، بچے جب بڑے ہو جائیں تو پھر ماں باپ کو ہی چھوٹا بننا پڑتا ہے۔'' آسیہ بیگم نے شکوہ کناں لہجے میں کہتے ہوئے صوفے پر بیٹھ کر چاروں اطراف نگاہ دوڑائی تھی۔

''امی! پلیز ایسی باتیں مت کریں میں نے آپ کو بتایا تھا نا کے یہاں سیمینار ہیں اور کچھ ایمرجنسی کیسز دیکھنا پڑ گئے اس وجہ سے رکنا پڑا ہے۔'' انیق الحسن نے ایمانداری سے جواب دیا۔

''بس رہنے دو، میں ماں ہوں تمہاری سب سمجھتی ہوں کے تم یہاں کس کے لئے رکے ہوئے ہو؟ کہاں ہے وہ؟'' آسیہ بیگم نے شکی لہجے میں کہا تو وہ بولے۔

''وہ کون؟''

''وہی تمہاری بھاوج کی ہمشیرہ۔''

''کچن میں ہیں کھانا پکا رہی تھیں۔'' انہوں نے بتایا۔

''او...... اچھا تو تم کچن میں کیا کر رہے تھے؟''

''کھانا کھا رہا تھا آدھا گھنٹہ پہلے ہی ہوسپٹل سے نائیٹ اینڈ مارننگ ڈیوٹی کر کے آیا ہوں۔'' انیق الحسن نے جواب دیا۔

''گھر تو بہت صاف ستھرا، دھلا، اجلا سا ہے کوئی آ رہا ہے کیا جو اتنا چمک رہا ہے گھر؟'' آسیہ بیگم نے ٹی وی لاؤنج ڈرائنگ ڈائننگ تک گھر کا ناقدانہ جائزہ لینے کے بعد استفسار کیا۔

''نہیں امی آپ آئی ہیں اور کوئی خاص مہمان نہیں آ رہا۔''

''حسنہ بہورانی کا کام تو نہیں ہے یہ نوکروں نے کیا ہوگا۔''

''یہ سب مس نغمہ نے کیا ہے بھابھی کی بہن نے۔'' انہوں نے بتایا۔

''واہ بھئی بڑی بہن کو تو چائے بھی ڈھنگ سے بنانا نہیں آتی اور چھوٹی یہاں اپنا سگھڑاپا دکھانے آئی ہوئی ہے، سب سمجھتی ہوں میں کہ وہ یہاں کیوں آئی ہے؟ اور یہ سب کس لئے کر رہی ہے۔'' آسیہ بیگم نے تلخی سے کہا ان کے لہجے میں بدگمانیاں بول رہی تھیں، نغمہ جو انہیں سلام کرنے کی غرض سے وہاں آئی تھی اس کے کانوں میں یہ جملہ پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اترا تھا۔

''امی! آپ ناحق بدگمان ہو رہی ہیں نغمہ سے وہ بہت اچھی لڑکی ہیں۔'' انیق الحسن اپنی محبت نغمہ کے بارے میں ان کی یہ سوچ و بیان سہہ نہیں پائے اور تڑپ کر بولے۔

''ہونہہ، اچھی لڑکی، حسنہ کی بہن ہے وہ تم بھول گئے کیا حسنہ نے کیا کیا تماشے کیے تھے اپنی جاب جاری رکھنے کے لئے، شوہر کو تو وہ جوتے کی نوک پر رکھتی ہے شروع دن سے، خود پسند اور نہایت خود غرض عورت ہے حسنہ، اسے اپنے سوا اپنی جاب کے سوا اپنی کسی ذمے داری کا فرض اور رشتے کا پاس احساس لحاظ نہیں ہے اور تم اس کی بہن کی حمایت کر رہے ہو، جس نے تمہارے بھائی کو کوئی سکھ نہیں دیا آج تک تم اس کی بہن کو قابل تعریف قرار دے رہے ہو، بڑے افسوس کی بات ہے انیق۔'' آسیہ بیگم نے انہیں دیکھتے ہوئے تلخ اور درشت لہجے میں کہا، نغمہ کو لگا جیسے اسے کسی نے آسمان کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں میں لا پھینکا ہو، بھرے بازار میں اس کے

منہ پر طمانچہ رسید کر دیا ہو۔

''امی! آپ غلط سوچ رہی ہیں پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں، ہم کسی ایک فرد کے رویے مزاج اور عمل کو دیکھ کر اس سے جڑے رشتوں کو نہیں جانچ سکتے ہر انسان کا اپنا الگ مزاج، رویہ اور زندگی جینے کا طریقہ ہوتا ہے۔'' انیق الحسن نے بے کل ہو کر انہیں سمجھاتے ہوئے کہا، ان کا دل نغمہ کے بارے میں ان کی ایسی سوچ اور بدگمانی پر تڑپ رہا تھا، احتجاج کر رہا تھا، انہیں بولنے پر اکسا رہا تھا۔

''اب تم مجھے سمجھاؤ گے کہ غلط کیا ہے اور درست کیا ہے؟'' آسیہ بیگم نے ناراض نظروں اور سپاٹ لہجے میں انہیں مخاطب کیا۔

''یہ بات نہیں امی، خیر چھوڑیں یہ بتائیں ابو کہاں ہیں وہ آپ کے ساتھ نہیں آئے؟'' انیق الحسن نے ناچار موضوع گفتگو تبدیل کرتے ہوئے پوچھا۔

''آئے ہیں بھلا وہ مجھے اکیلے سفر کرنے دیتے ہیں لان میں ہوں گے دھلے دھلے رنگ برنگے پھول پودے دیکھ کر تو وہ ویسے ہی دنیا و مافیا سے بے نیاز ہو جاتے ہیں انہیں تو بس نرسری میں چھوڑ دو بہت خوش رہیں گے، ان کے اردگرد کچھ بھی ہوتا رہے ان کی بلا سے۔'' آسیہ بیگم نے اپنی چادر اتار کر تہہ لگاتے ہوئے کہا، تب ہی نغمہ ہاتھ میں پانی کا گلاس لئے لاؤنج میں داخل ہوگئی۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم۔'' آسیہ بیگم نے ناگواری سے اسے دیکھا تھا اور سلام کا جواب بھی آدھا دیا تھا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' اس نے پانی کا گلاس ان کی طرف بڑھاتے ہوئے ان کی خیریت دریافت کی۔

''اللہ کے فضل سے میں تو بہت اچھی ہوں۔'' آسیہ بیگم نے پانی کا گلاس ٹرے سے اٹھاتے ہوئے مغرور لہجے میں کہا۔

''یقیناً آپ بہت اچھی ہیں، شفیق بھائی کی ماں ہیں تو جب وہ اتنے اچھے ہیں تو ان کی ماں تو ان سے بھی بہت زیادہ اچھی ہوں گی۔'' نغمہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''خوشامد بھی کر لیتی ہو۔'' وہ پانی پی کر بولیں۔

''جی نہیں آنٹی، خوشامد وہ لوگ کرتے ہیں جنہوں نے کسی سے اپنا کوئی کام نکلوانا ہو، کوئی مطلب ہو، جبکہ میرا ایسا کوئی مطلب ہے نہ کام، میرے لئے تو آپ شفیق بھائی اور میری بجیا کی وجہ سے بہت محترم ہیں۔'' نغمہ نے مسکراتے ہوئے دھیمے پن سے جواب دیا۔

''انیق! جاؤ اپنے ابو کو اندر بلاؤ اور ہمارے سامان بھی اندر رکھواؤ کسی سے کہہ کر۔'' آسیہ بیگم نے نغمہ کی بات کا جواب دیئے بغیر اسے نظر انداز کرتے ہوئے انیق الحسن سے کہا۔

''جی بہتر۔'' انیق الحسن نے وہاں سے جانے میں ہی عافیت جانی وہ نغمہ کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا چاہتے تھے، لہٰذا فوراً باہر لان کا رخ کیا تھا۔

''کب تک یہاں رہنے کا ارادہ ہے؟'' آسیہ بیگم نے انیق الحسن کے جاتے ہی نغمہ سے پوچھا ان کا لہجہ ایسا تھا کہ نغمہ شرم سے زمین میں گڑھ گئی۔

''بس آنٹی آج کل میں چلی جاؤں گی۔'' اس نے جواب دیا۔

''میں نے سنا تھا کہ چھٹیاں گزارنے آئی ہو جب تک تمہارا رزلٹ نہیں آجاتا تم یہیں ڈیرہ جمائے رکھو گی۔'' آسیہ بیگم نے کھوجتی ہوئی نظروں سے اسے سر سے پاؤں تک گھورتے

ہوئے تلخ وطنزیہ لہجے میں کہا۔
''نہیں آنٹی! بہنوں کے گھر آئی مین بیاہی بہنوں کے گھر اتنے دن تھوڑی رہا جاتا ہے ویسے بھی مجھے اپنے گھر سے زیادہ دن دور رہنے کی عادت نہیں ہے۔'' نغمہ نے اپنی شرمندگی کو بہت عمدگی سے اپنی مسکراہٹ میں چھپاتے ہوئے جواب دیا۔
''کافی سمجھدار ہو۔'' آسیہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔
''شکریہ، آپ فریش ہو جائیں میں آپ کے لئے کھانا لگاتی ہوں۔'' نغمہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''کیوں؟ تم کیوں کھانا لگاؤ گی؟ جس کا گھر ہے وہی کرے گی یہ کام تمہیں زیادہ ذمہ داری دکھانے کی ضرورت نہیں ہے سمجھیں؟'' آسیہ بیگم نے بے مروتی سے کہا وہ شرمندہ سی ہو گئی۔
''جی۔''
''میں وضو کر کے ظہر کی نماز ادا کرلوں اس کے بعد کھانا کھاؤں گی، کب تک آئے گی تمہاری بجیا؟''
''جی بس آنے والی ہوں گی۔'' نغمہ نے بتایا۔
''ٹھیک ہے۔'' یہ کہہ کر آسیہ بیگم اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں اور نغمہ نا چاہتے ہوئے بھی کچن میں چلی آئی تا کہ کھانے پر مزید کچھ اہتمام کر کے اور حسنہ کی ساس انہیں سب کے سامنے برا بھلا نہ کہہ سکیں کہ اتنے دنوں بعد وہ ان کے گھر آئی ہیں اور کھانا بھی ڈھنگ کا نہیں کھلایا گیا انہیں۔
یہی سوچ کر اس نے فریزر میں سے شامی کباب کی ٹکیاں نکال کر فرائی کیں، سلاد، رائتہ بنایا، مٹر کا پیکٹ نکالا اور جھٹ پٹ مٹر پلاؤ بھی بنا لیا، آسیہ بیگم اور انیس الحسن جب تک نہا دھو کر نماز ادا کر کے ڈائننگ ٹیبل پر آئے نغمہ اور حسنہ مل کر کھانا ٹیبل پر لگا چکی تھیں۔
''شکر ہے نغمہ تم گھر پر تھیں، گھر بھی چمکا دیا اور کھانا بھی پکا دیا ورنہ آسیہ آنٹی نے تو مجھے طعنے دے دے کر ادھ موا کر دینا تھا۔'' حسنہ نے کھانے کے بعد برتن سمیٹتے ہوئے نغمہ سے کہا وہ کالج سے آتے ہی ساس سسر کے آنے کا سن کر گھبرا گئی تھیں مگر جب سب ٹھیک دیکھا تو مطمئن ہو گئی تھیں۔
''ادھ موا تو انہوں نے مجھے کر دیا اپنی باتوں سے۔'' نغمہ نے زیر لب کہا۔
''کیا کہا انہوں نے تمہیں؟ بتاؤ نغمی؟''
حسنہ کو جب اس پر بہت پیار آتا تھا وہ اسے نغمی کہہ کر مخاطب کیا کرتی تھیں۔
(باقی اگلے ماہ)

☆☆☆

نایاب جیلانی

تینتیسویں قسط کا خلاصہ

ہیام واپس آتا ہے تو نومی سے ٹکراؤ ہوتا ہے جہاں دونوں میں دلچسپ نوک جھونک چلتی ہے، عینی ہیام کو دیکھ ایک بار پھر نشرہ کے نصیب سے خار کھانے لگتی ہے۔

کومے کے مرنے کی اطلاع پر پلوشہ اپنے ہوش وحواس کھو دیتی ہے وہ ہوسپٹل میں ہے اور شانزے اس کے پاس تھی۔

لاہور سے آئے اسامہ اور اس کی والدہ نے امام کے گھر اور مہمانوں کو سنبھال لیا تھا ہر کوئی کومے کی موت کی خبر پر افسردہ تھا۔

صندیر ابھی تک حیرانگی میں تھا، وہ شاہوار کے بدلے ہوئے اطوار سے چونکتا ہے اور پھر اپنے خاص ملازم کو اس کا کھوج لگانے کو کہتا ہے اور خود بی جاناں کو آ کر بتاتا ہے کہ صندیر خان نے قبیلہ کے باہر کی لڑکی سے نکاح کر رکھا ہے اس بات کے سچ ثابت ہونے کی صورت میں اسے خاندانی جائیداد سے کچھ نہیں ملے گا۔

نیل بر کی سالگرہ کے دن جہاندار اسے سرپرائز سالگرہ وش کرتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

چونتیسویں قسط
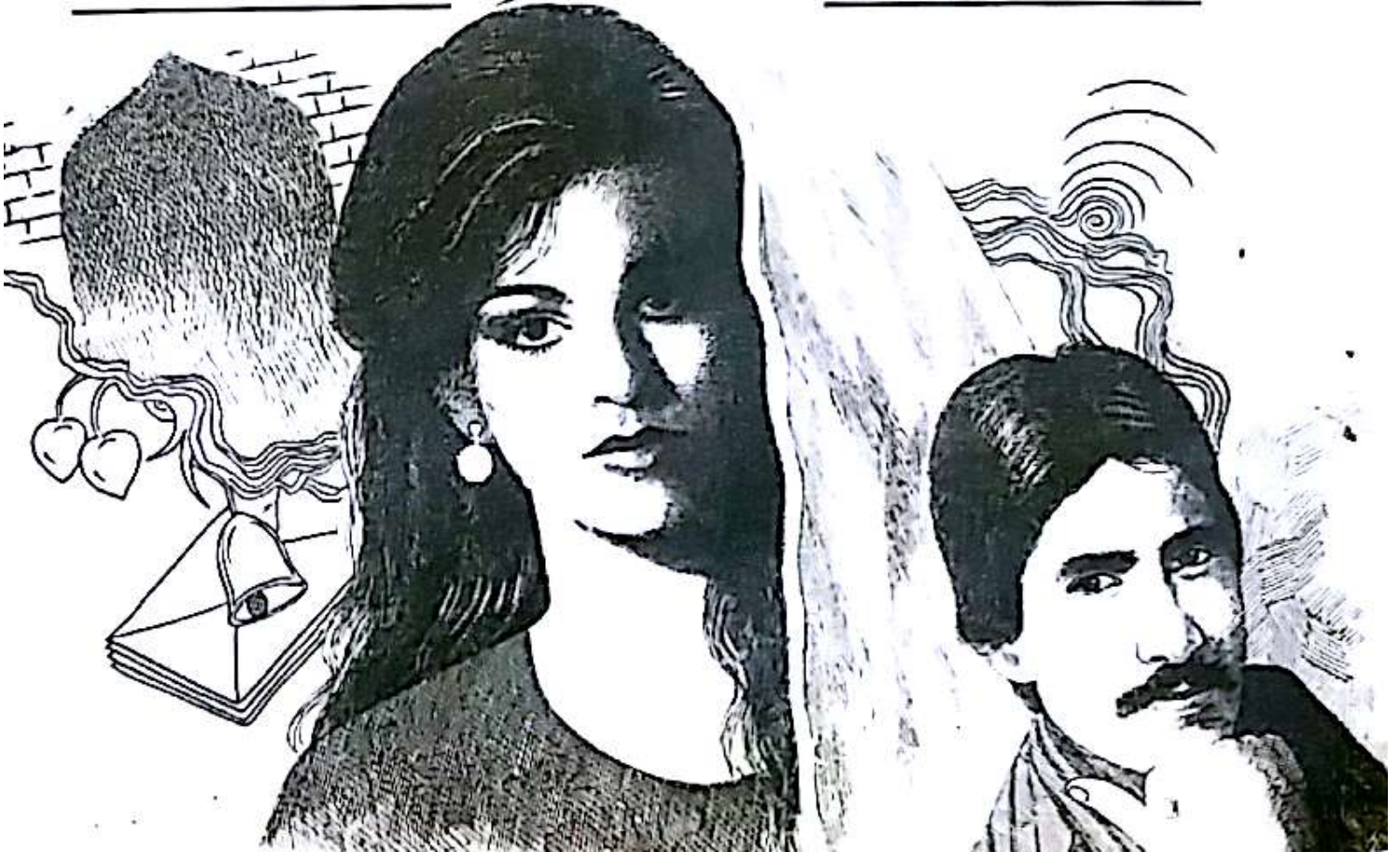
''ہجر کی راتیں اتنی گوری بھی نہ ہوں۔''
ہیام نے کوئی چوتھی مرتبہ تان لگائی تھی، نشرہ جو اچار کے لئے مورے کے سبز مرچیں کٹوا رہی تھی اسے کن اکھیوں سے گھورے بنا نہیں رہ سکی تھی، اس کے نمک اور مصالحوں سے لتھڑے ہاتھ لحظہ بھر کے لئے کپکپائے تھے۔
''ایک تو ہیام بھی نا۔''
عشیہ کچھ ہی فاصلے پر رجسٹر کھولے مہینے بھر کے اخراجات کا احساب لکھ رہی تھی، ہیام کی بار بار کی تان اس کا دھیان ہٹا دیتی تھی، تنگ آ کر اس نے پنسل اٹھا کر ہیام کو ماری تھی۔
''میرے بھائی! ہجر کی راتیں کالی ہوتی ہیں گوری نہیں، لگتا ہے تمہارا دماغ پوری طرح سے ٹھکانے پر نہیں ہے۔''
''محبت کرنے والوں کے دماغ ٹھکانے پر ہوتے کہاں ہیں مائی ڈیئر سسٹر۔'' ہیام نے اب کے انگلش کا سہارا لیا تھا، نشرہ کا سر جھک گیا اور امڈ آتی ہنسی کو بمشکل چھپا سکی تھی۔
''تمہارے دماغ کو سبز مرچی کی دھونی دینا پڑے گی۔'' عشیہ نے ماتھے پہ بل ڈال کر کہا تھا۔
''پھر بھی کوئی خاص افاقہ ہونے والا نہیں ہے۔'' ہیام نے پھر سے آہ بھری تھی۔
''تم کیوں ٹمپریچر اور کم کر رہے ہو، شمالی علاقوں میں برف کون سا پہلے کم گر رہی ہے۔'' عشیہ نے چلبلا کر جواب دیا تھا۔
''سمجھی اسامہ کا کام بھی ٹھپ ہو گیا، اب وہ برف باری کے دن نکال کر ہی آئے گا۔'' موبائل کی اسکرین بلنک کرتے ہی ہیام نے کوئی میسج ریڈ کرتے ہوئے اونچی آواز میں کہا تھا، جہاں نشرہ اس خبر پہ مایوس ہوئی تھی وہیں عشیہ ایک دم ٹھٹک سی گئی۔
اسامہ شمالی علاقوں کی طرف آنے سے کترانے لگا تھا، کوئی اور سمجھتا یا نہ سمجھتا عشیہ تو خوب سمجھتی تھی، وہ نگر نگر گھومنے والا آرکیالوجسٹ کہیں کھو رہا تھا، کہیں پس منظر میں گم ہو رہا تھا، اپنی موجودگی کے احساس کو مدھم کر رہا تھا، وہ خود کو لاپتہ کر رہا تھا۔
''تو اسامہ بھائی نہیں آئے گا؟'' نشرہ کا دل اداس سا ہو گیا، سارے ہی بے رحم اپنے یاد آنے لگے تھے، وہ ان سب کی طرح بے حس نہیں تھی، اس لئے بھول بھول کر بھی انہیں یاد رکھتی تھی اور اسامہ بھائی تو اب فون بھی نہیں کرتا تھا، نجانے کہاں مصروف ہو چکا تھا، وہ اداس سی سوچنے لگی۔
تائی اور چاچی نے کبھی بھول کر بھی یاد نہیں کیا تھا، نومی اور عینی بھی مصروف تھے، بس ایک اسامہ بھائی کا سہارا تھا، وہ نجانے کہاں کھو گیا، شاید جاب میں مصروف تھا، ہیام سے نشرہ کی اتری صورت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔
''تمہاری بھینس گم گئی ہے کیا؟'' ہیام نے اس کا خیال بٹانے کی غرض سے اچانک اسے مخاطب کر لیا تھا، نشرہ ایک دم گڑبڑا گئی تھی۔
''ارے بھینس...... نہیں تو۔'' وہ ہکلا کر رہ گئی تھی اور پھر ہیام کی شرارتی نگاہوں پہ خفیف سی ہو گئی، وہ کچھ اشارے سے پوچھ رہا تھا، نشرہ کے خاک بھی پلے نہیں پڑا تھا۔
''کیا کہہ رہے ہو؟'' وہ گونگے اشاروں پہ چڑ گئی تھی، اگر مورے دیکھ لیتی تو۔

''رات کو بتاؤں گا۔'' ہیام نے ایک آنکھ دبا کر معنی خیزی سے اشارہ دیا تھا، نشرہ خفیف سی رہ گئی تھی۔

''یہ ہیام تو کوئی چاند چڑھا کر رہے گا۔''

''ٹنکی کے پاس ملنا، میں انتظار کروں گا۔'' اب وہ کچھ اور بھی سمجھا رہا تھا، نشرہ کی آنکھیں ٹنکی پہ کھل گئیں۔

''کیا قلفی جمانی ہے؟''

''میں ہوں نا۔'' محبوبانہ سا اشارہ دیا گیا تھا اور پیچھے سے عشیہ کی چپل بھی اڑتی ہوئی آئی تھی اور کندھے پر اپنا اثر چھوڑ کر چلتی بنی، ہیام کی مصنوعی اوئی فوئی دیکھنے کے لائق تھی، مورے نے گھبرا کر پوچھا۔

''بچے! کیا ہوا؟''

''آپ کی بیٹی مجھ پر تشدد کر رہی ہے مورے۔'' ہیام نے جیسے دہائی دی تھی۔

''او ماڑا، مارے بچے کو نہ تنگ کرو۔''

''آپ کا بچہ ''دن دیہاڑے'' چاہے جسے مرضی تنگ کرے۔'' عشیہ نے دانت پیس کر ہیام کی ہوائیاں اڑائی تھیں، اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر جیسے التجاء کی، مورے نے چونک کر عشیہ کو دیکھا تھا۔

''ہیام کے کسے تنگ کیا؟''

مورے کے سوال پر ہیام کی گڑبڑاہٹ دیکھنے کے لائق تھی، وہ گھور گھور کر عشیہ کو دھمکی دیتا رہا۔

''چھوڑوں گا نہیں، گن گن کے بدلہ لوں گا، شاہوار پہ پابندی لگا دوں گا، گھر میں داخلہ ممنوع کر دوں گا۔''

''اب اوچھے ہتھکنڈوں پہ مت اترو۔'' عشیہ خفیف سی بولی تھی، ہیام اتنی بات پہ ہی پھیل گیا تھا۔

''یہ ہوئی نہ بات، میں ایک پتہ ہمیشہ بچا کر رکھتا ہوں۔'' وہ خواہ مخواہ اترایا تھا۔

''زیادہ چھکو نہیں، ورنہ مورے کو بتا دوں گی۔'' وہ ناک چڑھاتی اپنا رجسٹر اٹھا کر تن فن کرتی کمرے سے باہر چلی گئی تھی۔

ادھر ہیام میدان ''خالی'' دیکھ کر بالوں میں انگلیاں پھیرتا خوب پھیل کر انگڑائی لیتا اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

کیونکہ مورے پہلے ہی اچار کو مرتبان میں ڈال کر ہاتھ دھونے کے لئے اٹھ چکی تھیں، نشرہ اس کی جارحانہ سی پیش قدمی پر کپکپا گئی تھی۔

دوسرے ہی پل وہ نشرہ کے قریب آ چکا تھا، اتنا قریب کہ نشرہ کو راہ فرار بھی نہ مل سکی، مصالحہ لگے ہاتھ کسی قسم کا بچاؤ کرنے سے قاصر تھے اور اگر وہ ایسی کوئی کوشش کرتی بھی تو ہیام کی بے داغ قمیض داغدار ہونے سے بچ نہیں سکتی تھی اور اس کام میں سارے زمانے کا رسک تھا، وہ خود کو پیچھے

ہٹاتی گھبرائی۔
''اب بولو، آؤ گی ٹنکی پہ ملنے۔''اس نے جارحانہ انداز میں پوچھا تھا۔
''ہیام! چھ بجے سے پہلے ہی برف گرنے لگتی تھی، تم رات دس بجے ٹنکی پہ بلا رہے ہو، ڈبل نمونیہ کروا کے ہی دم لو گے۔''نشرہ بے بسی سے بولی تھی۔
''میڈیکل باکس میرے پاس ہے اور ڈاکٹر تمہارے سامنے، نمونیے کی ایسی کی تیسی کر دوں گا۔''ہیام اس کی جھولتی لٹ کو انگلیوں سے چھیڑتا خواب آگیں لہجے میں بولا تھا، ادھر نشرہ کی حالت غیر تھی، ایک تو ہیام کی قربت اور دوسرا اس کا مطالبہ، اس کا دل چاہا اپنا ہی سر ہیام کے کندھے پہ مار ڈالے، مگر اس کام میں انتہائی رسک تھا، اوپر سے ہیام قربت کے بہانے ڈھونڈتا تھا، جانے ساری احتیاط وہ کیوں بھلا رہا تھا، یا پھر ضبط کا یارانہ تھا۔
''اچھا، تا نکلو یہاں سے، مورے دیکھ لیں گی۔''وہ گھبرا کر بولی تھی۔
''میں تو چاہتا ہی یہی ہوں مورے دیکھیں اور زمانہ دیکھے، اب تو صبر کا یارا ہے نہ ضبط کا۔''وہ انداز دلربائی سے بولتا پہلے سے بڑھ کر محبوب لگا تھا، یوں کہ نشرہ سے پلکیں اٹھانا ہی محال ہو گیا تھا، دل کی دھڑکنیں تو پہلے ہی بے قابو تھیں، وہ دانت ہونٹوں میں گاڑتی انتہائی بے بس لگی تھی۔
''ہیام۔''نشرہ بے بس ہو گئی تھی۔
''کیا چاہتے ہو؟''
''تمہیں چاہتا ہوں۔''اس کی آواز کا حصار اس کے اردگرد بندھنے لگا تھا، نشرہ کی جھکی پلکیں اٹھ ہی نہیں سکتی تھیں۔
''کوئی آجائے گا۔''وہی گھسا پٹا سا ڈر۔
''تو آجائے۔''ہیام بے پرواہ تھا۔
''میں کیا کروں؟''وہ بے بسی کی انتہا پہ تھی۔
''یہی کہ رات کو ملو کسی بھی طریقے سے۔''ہیام بضد ہوا اور نشرہ بے بس ہو گئی تھی۔
''اچھا ٹھیک ہے۔''بادل نخواستہ اس نے حامی بھر لی تھی، ہیام کا چہرہ مسکرانے لگا۔
''یہ ہوئی نا فرمانبردار بیویوں والی بات۔''وہ اس کی چھوٹی سی ناک دباتا چہک رہا تھا، نشرہ گہرا سانس بھرتی پلٹ کر باورچی خانے میں گھس گئی تھی، کہ فی الحال گوشہ عافیت بس یہی تھا، ہیام بہت دیر تک کسی خواب آگیں کیفیت میں وہیں کھڑا رہا اور جانے کیا کچھ سوچتا رہا، پھر سر جھٹک کر اندر چلا گیا۔

☆☆☆

''اتنی بڑی حویلی میں گنتی کے دو انسان، بندہ بات کرے تو کیا دیواروں سے؟ یا دکھ کہے اس فرنیچر سے، یا گلے کرے ان اونچے ستونوں سے، کرنے کو کچھ ہے ہی نہیں۔''وہ مونگ پھلی ٹونگتی انتہائی افسردہ تھی اور فردوسی بابا اسے افسردہ دیکھ کر افسردہ ہو رہے تھے۔
''رانی بیٹا! آپ کوئی سہیلی بنا لو۔''بہت دیر بعد فردوسی بابا کو ایک اچھوتا آئیڈیا ملا تھا، نیل بر اس آئیڈیا پہ سوچ میں گم ہو گئی تھی، سہیلی مگر کون سی؟ کہاں سے ملے گی؟ سہیلی کہاں سے امپورٹ

کروں؟'' وہ مایوسی سے سردائیں بائیں ہلانے لگی۔
''نیچے بستی سے۔'' بابا نے اسے مایوسی کے احساس سے باہر نکالنا چاہا تھا۔
''ارے یہ خیال اچھا ہے۔'' وہ بے ساختہ چٹکی بجا کر چہکی تھی، مگر ایکدم مایوس سی ہو گئی تھی شاید اسے جہاندار کی تنبیہ یاد آئی تھی۔
''یہاں کے لوگوں سے فاصلے پر ہی رہنا۔'' یہ شروع دنوں کی تنبیہ تھی، بعد میں جہاندار نے دوبارہ نہیں کہا تھا، شاید نیل بر نے ایسا کوئی موقع بھی نہیں دیا تھا۔
''جہاندار غصہ کرے گا بابا۔'' وہ اس خیال پر تذبذب کا شکار ہوئی تھی۔
''نہیں کرے گا، گالئی پہ تو غصہ نہیں کرے گا۔''
''گالئی کون ہے بابا؟'' نیل بر نے تعجب بھرے لہجے میں پوچھا تھا، مونگ پھلی چھیلتے ہاتھ رک گئے تھے۔
''گالئی افراسیاب خان کی سوتیلی بہن ہے نا بابا، ان کے بڑے شاہوں سے ایک زمانے میں اچھے تعلقات تھے، بعد میں تو حویلی ہی سنسان ہو گئی تھی، پھر یہاں آتا کون؟'' بابا گہر سانس لیتا تفصیل سے بتا تا رہا۔
''گالئی تو یہاں آنا چاہتی ہے مگر جہاندار کے ڈر سے نہیں آتی۔'' بابا کی اگلی بات نے اسے حیران کر دیا تھا۔
''جہاندار کے ڈر سے کیوں؟''
''اب کیا بتاؤں بٹیارانی، ساتھ کھیل کے جوان ہوئے بچے ہیں، گالئی کو جہاندار سے محبت تھی اور جہاندار تو ودحا فرخزاد کی محبت کے بھیانک انجام کے بعد محبت جیسی لت سے کوسوں دور بھاگتا تھا، بس یہی وجہ تھی اس نے گالئی کے جذبات کی کبھی پذیرائی نہیں کی تھی، بعد میں حالات بھی اچھے نہ رہے، جہاندار نے حویلی کی ویرانی سے سمجھوتہ نہ کیا اور کبھی پلٹ کر واپس نہ آیا۔'' بابا نے ایک درد بھری ٹھنڈی آہ بھری تھی۔
''یہ تو تمہاری وجہ سے حویلی کے نصیب جاگ گے ہیں۔''
''آ...... ہاں۔'' نیل بر چونک کر سیدھی ہوئی تھی۔
''گالئی......؟ ایک نیا کردار؟ یا پھر پس منظر میں گم ہوا کردار؟ جو اچانک منظر پہ آ گیا تھا۔'' نیل بر کی آنکھوں میں گہری سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔
''کہاں کھو گئی ہو بٹیارانی! مونگ پھلی تو کھالو۔'' بابا نے اسے گم صم دیکھ کر احساس دلایا تھا۔
''آپ کھالو بابا، میرا اب موڈ نہیں۔'' اس نے مونگ پھلی کی ٹرے ذرا دور کھسکاتے ہوئے بابا کی جھریوں زدہ شکل دیکھی تھی، اس کے چہرے پہ ابھی بھی کچھ عجیب تاثر تھا۔
''بابا یہ بتاؤ، گالئی سے ملاقات کہاں ہو گی؟''
''وہیں بستی میں بٹیارانی، وہ نصیبوں جلی وہیں بستی میں سوتیلی ماں کے عتاب سہتی زندگی گزار رہی ہے۔'' بابا بے چارا دکھی ہو گیا تھا، شاید گالئی سے اسے خاص انسیت تھی، نیل بر کچھ دیر کسی گہری سوچ میں گم رہی، پھر نجانے اس کے من میں کیا آئی تھی، اگلے ہی پل وہ بابا سے کہہ رہی

تھی۔
''گلالئی سے ملنا تو ناگزیر ہو چکا ہے بابا، آپ مجھے ملوا سکتے ہیں بابا۔''
''کیوں نہیں، بس آپ کو نیچے بستی میں لے چلوں گا بٹیا رانی۔'' بابا نے بے ساختہ حامی بھر لی تھی۔
''ایک بات سوچ رہی ہوں بابا، اگر گلالئی کا تعلق جہاندار سے بہت پرانا رہا ہے پھر تو وہ اس حویلی کے ہر عروج و زوال کی چشم دید گواہ ہوگی۔'' کافی دیر کی بچار کے بعد وہ بہت سنجیدگی سے کہہ رہی تھی، بابا نے بے ساختہ اثبات میں سر ہلایا تھا۔
''ودھا اور فرخزاد کے قتل کے بعد ان کی بہن کے ساتھ کیا ہوا؟ وہی بہن جس کو سردار نے بیٹیاں پیدا کرنے کے جرم میں طلاق دے دی تھی، جہاندار نے ان کے ساتھ تعلق کیوں نہ رکھا؟ وہ لاپتہ کیوں ہوئیں؟ اپنی آبائی حویلی آباد کرنے کی بجائے وہ کسی گمنام علاقے میں کیوں کھو گئی تھیں۔'' نیل بر نے ذہن میں آتے تمام سوالوں کو بہت روانی کے ساتھ بابا کے گوش گزار کیا تھا۔
''پہلی بات تو یہ تھی، جہاندار کی بہن بہت گھمنڈی عورت تھی، اپنا خاندان ختم ہونے کے بعد اس نے جہاندار سے کوئی تعلق نہیں رکھا تھا، اس لئے کہ وہ جہاندار کو اپنا بھائی نہیں مانتی تھی، باپ کی دوسری شادی اور بچے کو اس نے کبھی دل سے قبول نہیں کیا تھا اور جب اس نے دوسری ماں کو بھی مقام نہیں دیا تو سوتیلا بھائی اس کے لئے کیا اہمیت رکھتا تھا؟ پھر ان دنوں وہ ذہنی توڑ پھوڑ سے گزر رہی تھی، اس کا گھر ٹوٹ گیا تھا اور کہیں نہ کہیں فرخزاد کی ودھا سے محبت اس طلاق کا بڑا سبب بنی تھی، وہ اپنے پرائے سارے رشتوں سے متنفر ہو چکی تھی، یوں اس نے لاپتہ ہو کر شاید اپنے آپ سے ہی انتقام لیا، جانے اب بھی کن حالات کا شکار ہے؟'' بابا انتہائی دکھ بھرے لہجے میں بتا رہا تھا، اس کی آنکھوں میں گزرے وقت کی دھول اڑ رہی تھی، جس کے پیچھے حویلی والوں کے اجڑنے کی مکمل داستان رقم تھی۔
''اور بابا جہاندار کے بڑے بھائی کی فیملی؟ وہ لوگ کہاں تھے؟ اور کہاں ہیں؟ جہاندار نے کبھی ان کا ذکر بھی نہیں کیا۔'' نیل بر نے اچانک کچھ خیال آنے پر تعجب سے پوچھا تھا، حیرانگی کی بات تھی، وہ لوگ پس منظر پہ تھے اور ابھی تک پس منظر کا ہی حصہ تھے۔
سردار بنو سے انتقام لینا جہاندار کا مقصد حیات تھا، مگر اس نے اپنے کھوئے ہوئے خاندان کی تلاش کے بارے میں کبھی نیل بر سے بات نہیں کی تھی، جس کا مطلب تھا جہاندار کی ان لوگوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی، ورنہ اب تک ضرور تلاش کر چکا ہوتا۔
اس کا مقصد حیات صرف فرخزاد کے قاتلوں کو ان کے انجام تک پہنچانا تھا، اس سے آگے جہاندار نے زندگی کا اگر کوئی لائحہ عمل تیار کر بھی رکھا تھا، تو نیل بر کو کچھ خبر نہیں تھی، جانے وہ کیا کچھ ٹھان کر بیٹھا تھا؟ آج کا پورا دن نیل بر اسی ادھیڑ بن میں رہی تھی اور شام ہونے تک وہ گلالئی سے ملنے کا پختہ ارادہ کر چکی تھی۔
اس نے ایک خوبصورت باسکٹ میں سرخ رسیلی اسٹرابیریز بھریں اور اچھا سا لباس زیب تن کر کے چپکے سے حویلی کی دہلیز پار کر آئی، جہاندار کو بتانا ضروری نہ سمجھا تھا، ویسے بھی وہ صبح سے بنا

بتائے لاپتہ تھا، اب سزا کے طور پر اسے حویلی میں نہ پاکر کچھ پریشان ہونا اس کا حق بنتا تھا۔
سر پر سرخ اسکارف لپیٹ کر وہ سردی کی شدت سے سوں سوں کرتی چھوٹی بڑی پگڈنڈیوں سے ہوتی ہوئی اس چھوٹے سے مکان تک پہنچ چکی تھی جو دیکھنے میں بہت خوبصورت مگر چھوٹا سا تھا، جنگلی بیلوں سے ڈھکا ہوا، جس کے آس پاس بے شمار پھولوں کے پودے بہار دکھا رہے تھے، ایک بڑا سا املی کا پیڑ بھی تھا، جس کی شاخیں اس کھڑکی کے پٹ پہ جھکی تھیں، جس کے فریم میں ایک اداس آنکھوں والی بیاری سی لڑکی افسردہ سی بیٹھی تھی، نیل بر کی اٹھی نگاہ جھکنے سے گریزاں ہوگئی۔
اس نے اتنا کتابی چہرہ شاید ہی اپنی زندگی میں کہیں دیکھا ہو، اداس آنکھوں میں جمی نمی یوں معلوم ہوتا تھا، ازل سے ان گہرے کٹوروں میں نمکین پانی ٹھہرا ہوا ہے، جیسے ان پانیوں کو باہر نکلنے کا رستہ بھی نہیں ملتا، جیسے کئی وقتوں سے ان آنکھوں پر ایک ہی موسم ٹھہرا ہوا تھا، یوں لگ رہا تھا، یہ بولتی آنکھیں کچھ سنا رہی ہیں، کیا سنا رہی تھیں؟ نیل بر کو دل کی سماعت سے سننا پڑا تھا۔

کیا حال سنائیں دنیا کا
کیا بات بتائیں لوگوں کی
دنیا کے ہزاروں موسم ہیں
لاکھوں ہیں ادائیں لوگوں کی
کچھ لوگ کہانی ہوتے ہیں
بس دل میں چھپانے کے قابل
کچھ لوگ گزرتے لمحے ہیں
اک بار گئے تو آتے نہیں
ہم لاکھ بلانا بھی چاہیں
پرچھائیں بھی ان کی پاتے نہیں
کچھ لوگ خیالوں کے اندر جذبوں کی روانی ہوتے ہیں
کچھ لوگ کٹھن لمحوں کی طرح
پلکوں پہ گرانی ہوتے ہیں
کچھ لوگ کنارہ ہوتے ہیں
کچھ ڈوبنے والی جانوں کو
تنکے کا سہارا ہوتے ہیں
کچھ لوگ چٹانوں کا سینہ
کچھ ریت گھروندا چھوٹا سا
کچھ لوگ مثال ابر، رواں
کچھ اونچے درختوں کا سایا
کچھ لوگ چراغوں کی صورت
راہوں میں اجالا کرتے ہیں

کچھ لوگ اندھیرے کی کالک
چہروں پہ اچھالا کرتے ہیں
کچھ لوگ سفر میں ملتے ہیں
دو گام چلے اور رستے الگ
کچھ لوگ نبھاتے ہیں ایسا
ہوتے ہی نہیں دھڑکن سے الگ
کیا حال سنائیں جیون کی
اک آنکھ ہماری ہنستی ہے
اک آنکھ میں رت ہے ساون کی
ہم کس کی کہانی کا حصہ
ہم کس کی دعا میں شامل ہیں
ہے کون جو رستہ دیکھتا ہے
ہم کس کی وفا کا حاصل ہیں
کس کس کا پکڑ کر دامن ہم
اپنی ہی نشانی کو پوچھیں
ہم کھوئے گئے کن راہوں میں
اس بات کو صاحب جانے دیں
کچھ درد سنبھالے سینے میں
کچھ خواب لٹائے ہیں ہم نے
اک عمر گنوائی ہے اپنی
کچھ لوگ کمائے ہیں ہم نے
دل خرچ کیا ہے لوگوں پر
جاں کھوئی ہے غم پایا ہے
اپنا تو یہی سرمایہ ہے

نیل بر نے سبز کھڑکی پر جھکی اداس آنکھوں والی لڑکی کا درد اپنے دل میں بہت شدت سے محسوس کیا تھا۔

وہ کسی اجڑے ہوئے باغ کی ویران بلبل لگ رہی تھی، اس کی اٹھی نگاہوں میں ایک حسین مغربی دوشیزہ کو دیکھ کر تعجب اترا تھا، دوسرے ہی پل وہ دریچہ چھوڑ کر نیچے چلی آئی تھی۔

''کیسی ہو گلائی؟'' نیل بر نے ایسی اپنائیت سے ہاتھ پھیلایا جیسے گلائی کو صدیوں سے جانتی ہو اور جیسے ان دونوں کے بیچ برسوں سے یارانہ تھا۔

''آپ؟'' اس کی اداس آنکھوں کا تعجب قابل دید تھا۔

''میں نیل بر۔'' وہ اپنا اس سے بہتر تعارف کروا نہ سکی، دوسری طرف اس سے زیادہ تعارف

کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی، اداس آنکھوں میں پہلے حیرت اور پھر اپنائیت اتر آئی تھی۔
''اچھا تو تم نیل بر ہو۔'' اس نے اپنا گلابی ہاتھ نیل بر کے ہاتھ میں تھما دیا۔
''اندر چلیں کیا؟''
''نہیں، کیا ہم اسی جگہ پہ وقت گزار سکتے ہیں، کچھ وقت، چند ساعتیں۔'' نیل بر نے جیسے گزارش کرنے والے انداز میں درخواست کی تھی۔
''یہیں؟'' وہ متعجب ہوئی۔
''تمہاری خواہش ہے تو پھر یوں ہی سہی۔'' وہ اسے ساتھ لئے باغیچے میں آ گئی تھی۔
''آپ ہماری خوش نصیبی بن کر کیسے آ گئی ہیں؟'' کچھ دیر بعد گلالئی بڑی اپنائیت سے پوچھ رہی تھی، نیل بر کو اس انداز تکلم پہ کچھ دیر تک کے لئے سوچنا پڑا تھا، وہ اسے ضرورت سے زیادہ حلیم اور بااخلاق لگی تھی۔
''کچھ پرانے حوالوں میں تمہارا ذکر نکلا تو بات دور تک چلنے لگی، سوچا ایک ملاقات ناگزیر ہو رہی ہے۔'' نیل بر نے نہایت بچار کے بعد تمہیدی انداز میں گفتگو کا آغاز کیا تھا، وہ اچانک ٹھٹک گئی تھی اور پھر نیل بر کی بات سمجھنے کے بعد گہرا سانس بھرتی انتہائی رقت سے بولی تھی، اس کے ٹوٹے لہجے میں پرانے سکوں کی کھنک بول رہی تھی۔

تم مت کھولنا میری ماضی کی کتابوں کو
جو تھا میں وہ میں رہا نہیں
جو ہوں وہ کسی کو پتہ نہیں

''اگر تمہیں مناسب لگے تو؟''
''اور اگر مناسب نہ لگے تو؟'' گلالئی نے الٹا سوال کر دیا تھا۔
''پھر میں خاموش ہو جاؤں گی۔'' اس نے سادگی سے کہا تھا، وہ دور غیر مرئی نقطے پہ نظر جما کر کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی، جیسے کسی پرانے کھو چکے پل میں ڈوب گئی تھی، پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے آہستگی سے کہا۔
''کہو...... بولو یا پوچھ لو، جو پوچھنا چاہتی ہو۔''
''جہاندار اور تم۔'' نیل بر اٹکتے ہوئے ذرا دیر کو خاموش ہوئی تھی۔
''منگیتر تھے نا۔'' اس نے بہت آہستہ آواز میں بتایا تھا، اگر نیل بر اس کے اتنے قریب نہ بیٹھی ہوتی تو شاید سن ہی نہ پاتی، وہ جیسے خود سے ہی مخاطب تھی۔
''منگنی ٹوٹ گئی کیا؟'' نیل بر نے ایسے ہی سوال کر ڈالا تھا۔
''ہاں نا، بڑی اماں کے میری سوتیلی ماں سے مزاج ہی نہیں ملتے تھے، بچپن کا رشتہ طے تھا، جہاندار کراچی جیسے بڑے شہر کا باسی، میں دیسی سادہ سی پہاڑی لڑکی، کوئی جوڑ بھی نہیں تھا، پھر بھی رشتہ چلتا رہا، تاوقتیکہ فرخزاد کے قتل نے حویلی والوں کو عروج سے زوال کی طرف دھکیل ڈالا، فساد اور عذاب کا ایک نیا سلسلہ شروع تھا، میری ماں کو ویسے بھی موقع کی تلاش تھی، آرام سے انگوٹھی واپس بھجوا دی، بعد میں نہ حویلی آباد رہی اور نہ ہی حویلی کے مالکان رہے، سب کچھ پس منظر میں چلا

گیا، اوائلِ عمری کی محبتیں اور رشتے ختم ہو گئے۔'' اس نے چند ساعتوں میں اپنی زندگی کی داستان ختم کر دی تھی، نیل پر چپ چاپ سی اس کے چہرے پر پھیلی اداسیاں دیکھتی رہی۔

''اور جہاندار نے کوئی رابطہ نہیں کیا؟''

''تعلق ٹوٹ جائیں تو کون یاد رکھتا ہے؟ پھر جہاندار کا معاملہ بھی اور تھا۔'' اس نے بولتے ہوئے اچانک نگاہ چرائی تھی، جیسے کچھ چھپانا چاہ رہی ہو، یا کچھ ہو، جو پردے میں ڈھکا ہو، نیل بر الجھ گئی تھی۔

''جہاندار اپنی منگیتر سے کیسے دستبردار ہو گیا؟ اتنی آسانی سے؟'' نیل بر بہت تعجب کے عالم میں زیرِ لب بڑبڑا رہی تھی، اس پل نیل بر نے گلالئی کو نگاہ چراتے نہیں دیکھا تھا۔

''پھر جہاندار کی ترجیحات بدل گئی تھیں۔''

''ہاں، اس کے حواسوں پہ انتقام سوار تھا۔'' نیل بر نے گہرا سانس فضا کے سپرد کرتے ہوئے کہا تھا۔

''اور پھر تم اچانک اس کی زندگی میں آ گئی۔''

''بہت حیرت کی بات ہے، جہاندار نے کبھی کسی گلالئی کا ذکر ہی نہیں کیا۔'' وہ متعجب سی خود کلامی کر رہی تھی۔

''گلالئی کہیں بھی نہیں تھی۔'' اس کی آنکھوں میں ہجر بہنے لگا تھا۔

سرِ شام پہ کیا ہوا کہ
دل کی ویران گلیوں میں
اداسی بال کھولے گھوم رہی ہے

''کیا ہم پھر مل سکتے ہیں؟'' اس بوجھل کثیف فضا کے بوجھل پن کو زائل کرتے نیل بر نے بڑی اپنائیت سے پوچھا تھا۔

''میرا خیال ہے، نہ ملنے کا کوئی جواز نہیں۔'' وہ ایسے مسکرائی تھی جیسے رو رہی ہو۔

یا کم از کم نیل بر کو یہی محسوس ہوا تھا، اس نے زندگی میں ایسا غمناک چہرہ نہیں دیکھا تھا، ایسی ویران آنکھیں نہیں دیکھی تھیں، جن آنکھوں میں اداسی بال کھولے بین کر رہی تھی۔

چھپا رہا ہے کسی کرب کو کسی غم کو
جو ہنس رہا ہے مسلسل وہ شخص جھوٹا ہے

☆☆☆

سنو کسی کو محسوس نہ ہونے دینا
کہ تمہاری چاہتوں سے میری سانسیں چلتی ہیں

پونم ماہ کی ڈوبتی ہوئی رات جس کے اونچے افق پر اکا دکا تارہ بھی اب دھند اور بادلوں کی اوٹ میں اونگھ رہا تھا، سردی انت کی پڑ رہی تھی، دور پہاڑوں پہ برف سے ذرہ ذرہ کائنات کا ڈھک رہا تھا اور اس کڑاکے کی سردی میں ڈاکٹر ہیام کے دماغ کی بتی پوری طرح سے گل ہو چکی تھی، اسی لئے رات دو بجے ٹنکی کے پیچھے لکڑیاں جلائے بیٹھا بجتے دانتوں والی نشرہ کو شاعری سناتا

کسی مرے ہوئے شاعر کی روح لگ رہا تھا۔
''سنو کسی کو محسوس نہ ہونے دینا۔'' اس نے کوئی سترہویں مرتبہ تان لگائی تو نشرہ کو اپنے کانپتے ہاتھ جوڑنے ہی پڑے تھے۔
''او میرے بھانڈ سرتاج نہیں کسی کو بھنک بھی پڑنے دیتی، خدارا اس شعر کو بخش دو اب، کچھ اور بول لو، بے چارہ اب تک تو گھس ہی چکا ہوگا۔'' وہ ہاتھ تاتچتے ہوئے عاجزانہ انداز میں بولی تھی، ہیام بے چارہ رومانٹک ہوتا ہوتا کھسیا گیا تھا، پھر اپنی کھسیاہٹ کا اثر زائل کرتا ہوا بولا۔
''کچھ اور بولا تو کہو گی، میں پٹڑی سے اتر رہا ہوں، اگر پٹڑی پہ چڑھوں تو کہو گی، بولتے کچھ نہیں، کیا ٹھنڈ میں ٹھٹھرانے کے لئے اوپر بلایا ہے۔''
''ہاں، تو اس میں کچھ غلط بھی نہیں ہے۔'' وہ ڈھٹائی سے بولی تھی۔
''اگر میں فارم میں آ گیا تو تم بھاگ نکلو گی۔'' ہیام نے معنی خیزی سے ایک لوفرانہ اشارہ دیا تو نشرہ کا لمحوں میں اعتماد ہوا ہو گیا تھا۔
''میں جا رہی ہوں۔'' وہ کھسیائی سی اٹھنے لگی تو ہیام نے موقع پا کر اسے فوراً ہی اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا تھا۔
''میں تمہیں فرار ہونے دوں گا جیسے، اتنی منصوبہ سازی کے بعد ہاتھ آئی ہو، اوپر سے تین گھنٹے دھوئیں سے کشتی لڑ کے بمشکل آگ جلائی ہے اور مہارانی صاحبہ کے مزاج ہی نہیں ملتے۔'' ہیام تو جیسے بھرا بیٹھا تھا، ابل ہی پڑا، اوپر سے اس کی گستاخیاں، نشرہ تو اسی پل اسے گھر والوں کا ڈراوا بھی نہیں دے سکتی تھی اور اس کی بانہوں میں مکمل طور پہ بے بسی مچل رہی تھی۔
''بزدل عاشق، تنہائی میں ہی شیر ہوتے ہو۔'' نشرہ کو ہیام کا دھیان بٹانے کے لئے اس سے بہتر کوئی بات نہیں سوجھی تھی، مگر وہ بھی ہیام تھا، ایسے ہی باتوں میں نہیں آ سکتا تھا۔
''تم کیا چاہتی ہو، کسی رومانٹک مووی کا ٹریلر چلا دوں نیچے، وہ وقت بھی دور نہیں مائی ڈیئر وائف، پھر تم ہی کہو گی، ہیام تم میں شرم ہی نہیں۔'' وہ اس کی باریک آواز میں نقل اتارتا خاصا مضحکہ خیز لگ رہا تھا، نشرہ بھنا سی گئی تھی۔
''شرم تو تم میں اب بھی نہیں ہے، ویسے موضوع سے نہ ہٹاؤ مجھے، تمہاری بزدلی پہ بات کر لینے دو۔''
''تمہارے سارے گلے دھو ڈالوں گا، بس تھوڑا سا انتظار کر لو میری جان۔'' ہیام نے فرط محبت میں اسے چوم ڈالا تھا، نشرہ کی ساری طراری ہوا ہوتی چلی گئی تھی۔
''انتظار ہی تو کر رہی ہوں۔'' وہ بھیگی آواز میں بولی تھی۔
''اس انتظار کو میری سزا نہ بنا دینا۔''
''کیا میں ایسا کر سکتا ہوں، میری اس جنوں خیز محبت کو دیکھ کر بھی یہ بے اعتباری تمہاری آنکھوں میں جچتی نہیں۔'' وہ اپنے پرتپش ہونٹوں کی مہریں اس کی پیشانی پہ ثبت کرتا ہوا گمبھیر لہجے میں بولا تھا۔
نشرہ نے ڈبڈبائی آنکھوں سے ہیام کے دل نشین خدوخال کو اپنے اندر قطرہ قطرہ اتارا تھا، وہ

کسی ٹھہرے ہوئے فطری منظر کی طرح نشرہ کے حواسوں پہ چھایا ہوا لگ رہا تھا۔

میرے وجود میں سانسوں کی آگہی کے لئے
تمہارا مجھ میں دھڑکنا بہت ضروری ہے

وہ اس کے کانوں میں شیریں بیانی کا رس گھول رہا تھا، وہ اسے اپنی محبتوں میں ہمیشہ معتبر کرتا تھا، وہ اسے کسی کانچ کی مورت سمجھ کر چھو رہا تھا، وہ اسے اپنی بے کراں محبت سے سرفراز کر رہا تھا، وہ اس کے دل کی سونی، وسوسوں سے بنجر ہوئی دنیا کو آباد کر رہا تھا۔

''محبت اعلان نہیں ہوتی، مگر جب ہوتی ہے تو اعلان بن جاتی ہے، وہ وقت دور نہیں جب اس خوشبو کے محبت کا اعلان اہل بیال والوں کو چونکا دے گا، جب میں تم میں سما جاؤں گا اور دیکھ لینا نشرہ، وہ دن دور نہیں، جب میں محبت کی تاریخ سنہری حرفوں سے رقم کر جاؤں گا۔'' وہ اس کے چاندی لٹاتے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لے کر وہ بے خود ہو رہا تھا اور نشرہ اس کی محبت کی شدتوں تلے بے بس نہیں، آج شانت کھڑی تھی۔

وہ اس پر پوری وجاہتوں سے چھایا ہوا تھا اور آج نشرہ پورے حواسوں کے ساتھ خود سپردگی کے انداز میں اس کی پناہوں میں پرسکون کھڑی تھی، بے خوف خطر، جیسے سارے خطرات سے ہیام اکیلا ہی ٹکرا جائے گا، جیسے سامنے آئی ہر مشکل کو پاش پاش کر ڈالے گا، آج وہ یقین کی اک نئی منزل پہ کھڑی تھی، جہاں وہ چھوٹی سی محبتوں میں گندھی لڑکی اکیلی نہیں تھی، اس کے ساتھ اس کا ہم سفر کھڑا تھا، اس کا سائبان کھڑا تھا، اس کا محافظ کھڑا تھا، وہ جو سارے زمانے سے ٹکرا کر اسے لایا تھا، کیا وہ اسے بیچ منجدھار میں اکیلا چھوڑ سکتا تھا؟ اور کیا نشرہ پہ فرض نہیں تھا، وہ اس کی مصلحتوں سے سمجھوتہ کرتی؟ اس کی محبتوں پہ شکر ادا کرتی اور ساری عمر اسی احساس تلے چپ چاپ گزار دیتی کہ کوئی تھا جو اپنے گرم بستر اور نرم نیندوں کو قربان کر کے کھلے آسمان تلے لکڑیاں جلا کر اس کا انتظار کرتا تھا، جو اسے سکون دینے کے لئے خود بے سکون ہوتا تھا، جو باتوں کا فنکار تھا اور کھو کھلے لفظوں میں جان ڈال کر ان میں روح پھونک دیتا تھا، جو اس کی مایوس آنکھوں میں تاروں کی کوٹ بھر دیتا تھا۔

☆☆☆

امام کے آپریشن کی ڈیٹ قریب آ گئی تھی اور اسی حساب بلوشہ کے دل کو پتنگے لگے تھے، آج وہ خود کو ہمیشہ سے زیادہ اکیلا محسوس کر رہی تھیں، گو کہ شانزے تھی اور سوئے اتفاق اسامہ بھی اچانک آ گیا تھا، مگر کومے اور ہمان کی کمی کون پوری کرتا؟

امام، ہمان کے معاملے میں قطعی طور پہ بے حس ہو چکا تھا، ہمان کے نمبر سے کال آتی رہتی تھی مگر امام دیکھ کر بھی نظر انداز کر دیتا تھا۔

جانے کیوں وہ بے حسی کے پردے میں خود کو اور اپنی محرومیوں کو چھپا رہا تھا، ایک بات تو طے تھی، وہ بے بس ہو چکا تھا، اگر اس کا آپریشن کامیاب نہ ہوتا تو عمر بھر کی معذوری اس کا نصیب بن جاتی، وہ شاید ہی اپنے قدموں پہ کبھی چل پاتا؟ یہ وہیل چیئر اس کی زندگی کا اصل ساتھی بن جاتی اور پھر زندگی میں باقی کیا رہ جاتا تھا؟ مایوسی، تنہائی، بے بسی؟ اس سوچ کے بعد اس کا دل بند ہونے لگتا تھا اور پھر حمت کا تصور بھی دھندلانے لگتا تھا، معذوری کے بعد تو شاید ہی وہ حمت کے

لئے کچھ سوچ پاتا؟ اتنی بھرپور لڑکی کیا کیا سزا تھی وہ محبت کے نام پر ایک معذور انسان کے ساتھ عمر بھر کے لئے جڑی رہتی؟ کیا اس کا زندگی کی رنگینوں پہ حق نہیں تھا؟ اور حمت نے تو پہلے ہی ایک محروم زندگی گزاری تھی؟ کیا عمر بھر کی محرومی کو اس کا نصیب بنتا امام گوارا کر سکتا تھا؟ وہ نہ بے رحم تھا اور نہ ہی خود غرض، جو اپنے دل کی چاہ کے لئے ایک زندگی سے بھرپور لڑکی کو اپنے ساتھ باندھ لیتا، لاکھ ضبط کرتے ہوئے لاکھ دل پر پہرے بیٹھانے کے باوجود جس دن وہ ہسپتال ایڈمٹ ہو رہا تھا، اس دن اپنا پرانا موبائل نکال کر اس نے نمبر آن کیا اور اسکرین پہ حمت کی بے شمار کالز اور مسیجز دیکھ کر ششدر رہ گیا تھا۔

وہ اس کے نمبر بند کرنے پہ کس قدر تشویش کا شکار تھی، وہ کس قدر گھبرائی ہوئی تھی، اس کے لفظ لفظ سے بے قراری مترشح تھی، امام خود کو شدید ملامت کرنے لگا تھا، کوئی چاہنے والوں کے ساتھ یوں بھی کرتا ہے؟ وہ حمت کو نظر انداز کر کے کس بات کی سزا دے رہا تھا؟ وہ خود پہ لعنت بھیجتا حمت کے نمبر پہ کال کرنے لگا، وہ شاید ہاتھ میں موبائل لئے بیٹھی تھی، پہلی بیل پہ ہی اس کی بے قرار آواز سنائی دی تھی۔

''امام؟'' اس کے ہونٹ بے آواز کھلے تھے اور پھر اس کی گھٹی گھٹی سسکیاں سنائی دینے لگی تھیں، امام جیسے شرمندگی اور ندامت کی اتھاہ میں ڈوبنے لگا تھا۔

''حمت!'' امام نے نہایت مدھم آواز میں پکارا تھا۔

''مت پکارو مجھے۔'' حمت کی ڈوبتی ہوئی آواز آئی تھی، امام کی ندامت کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

''حمت! جانتا ہوں، غلط کر رہا ہوں، مگر شاید تم سمجھ سکو کہ تمہارے حق میں یہی بہتر تھا۔'' بہت دیر کی خاموشی کے بعد امام نے تمہیدی انداز میں کچھ بولنے کا آغاز کیا تھا، لیکن حمت نے بھرائی آواز میں اسے بے ساختہ روک دیا۔

''مجھے اگنور کرنا بہتر تھا؟ نمبر آف کرنا بہتر تھا؟ رابطے توڑ لینا بہتر تھا، اگر ان سب چیزوں میں میری بہتری ہے تو سن لیجئے امام، مجھے ایسی بہتری کی خواہش نہیں ہے۔'' وہ گھٹ گھٹ کر روتی امام کے دل پہ قیامتیں ڈھا رہی تھی اور اتنا بے بس تھا کہ اسے کسی جھوٹے وعدے سے روک بھی نہیں پا رہا تھا۔

''حمت! یہ اچھا نہیں ہے تمہارے لئے۔'' اس کے لہجے میں سنسان ویرانوں کی وحشت بول رہی تھی۔

''کیا اچھا نہیں ہے؟'' وہ جیسے درد کی انتہا پہ پھٹ پڑی تھی، شاید اتنے دن کا ضبط آج ٹوٹ گیا تھا، شاید صبر کا اب یارانہ تھا، شاید وہ اپنے دل کی بے قراری کا سارا حال آج ہی سنا دینا چاہتی تھی، کہ شاید پھر کہیں امام نمبر آف کر کے تمام رابطے نہ توڑ دے، وہ اسے دشت تنہائی میں کہیں اکیلا نہ چھوڑ دے۔

''یہی کہ میری معذوری، اگر آپریشن کامیاب نہیں ہوتا تو۔'' وہ اذیت کی آخری حد کو چھوتا ٹوٹ گیا تھا۔

ایک جوان اور بھرپور مرد، جو کبھی دیامر کی سنگلاخ زمین پر بڑے رعب اور اعتماد سے چلتا تھا،

آج اتنا ہی بے بس اور لاچار ہو چکا تھا، کوئی کیا جانے کہ امام فرید ے روز جیتا اور روز مرتا تھا۔

''تو کیا فرق پڑے گا امام!'' حمت میں جانے کیسے اتنا ضبط اور ہمت آ گئی تھی، یوں لگا، وہ فون پہ نہیں، بڑے بے خوف انداز میں امام کے سامنے تن کے کھڑی تھی اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کر رہی تھی۔

''تو کیا فرق پڑے گا امام! تم عمر بھر اپنے پیروں پہ نہیں چلتے، تو کیا عارضی سہاروں سے بھی کم تر مجھے سمجھتے ہو، جو تمہارا سہارا نہ بن سکوں گی؟ تمہارے ساتھ چل نہیں سکوں گی؟''

''حمت! یہ جذباتیت کے سوا کچھ نہیں، میرا ضمیر کسی قیمت پر یہ گوارا نہیں کر سکتا، میں تمہاری زندگی کو گرہن لگا دوں۔'' امام جیسے بے بس ہوا تھا۔

''اور میرا ضمیر یہ گوارا کرتا ہے کہ میں تمہیں قید تنہائی کا عذاب دے کر اپنی زندگی جیتی رہوں؟ کیا میں بھول سکتی ہوں امام! کہ آج جن حالوں میں تم ہو، میری خود غرضی کی وجہ سے ہو، میں نہ تمہیں اس امتحان میں ڈالتی اور نہ تم اپنی زندگی سے اتنے مایوس ہو جاتے، نیل بر کو اس کے نصیب مل ہی جانے تھے، پھر میں نے تمہیں اس آزمائش کے برزخ میں کیسے دھکیل دیا؟'' وہ جیسے لمحہ لمحہ پل پل سسک رہی تھی، وہ گھٹ گھٹ کر رو رہی تھی۔

''کیا تمہاری الفت میں اتنا بھی نہ کرتا۔''

''تو کیا تمہاری محبت میں مجھ پر نہ کچھ فرض ہے نہ واجب؟'' حمت کے اگلے سوال نے اسے لاجواب کر دیا تھا۔

''یہ عمر بھر کا معاملہ ہے میری جان!'' وہ واقعی بے بسی کی انتہا پہ تھا، ایسے لفظ بھی بول گیا جو عام حالات میں کبھی نہ کہہ سکتا تھا اور حمت کے اندر جیسے لہریں اترنے لگیں اس کا دل کسی اور لے اور کسی اور تال پہ دھڑکنے لگا۔

''تو میں اس عمر بھر کے معاملے کو نبھاؤں گی امام!'' اس اظہار کے بعد باقی کیا رہ جاتا تھا؟ امام سارے لفظ کھو کھلے ہو کر بے جان ہو چکے تھے، وہ کمزور نہیں پڑا بلکہ طاقت ور ہو گیا تھا، حمت

''دعائے مغفرت''

گزشتہ دنوں ہر دلعزیز مصنفہ بشریٰ سیال کے جواں سال بہنوئی ''عارف ممتاز'' روڈ ایکسیڈنٹ میں قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔

انا للہ وانا علیہ راجعون

ان کی اچانک وفات بشریٰ سیال کی فیملی کے لئے بہت بڑا سانحہ ہے اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور ان کے گھر والوں کو صبر جمیل عطا کرے آمین۔

آپ سب سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

کے لفظوں نے اس کے اندر ایک نئی روح پھونک ڈالی تھی، اس کا یقین کامل اور محبت پختہ ہو چکی تھی، اب رشتہ بنانا ہی نہیں نبھانا بھی تھا۔

''تو پھر امیر انتظار کرنا، میں پربتوں میں قید شہزادی کو لینے آؤں گا، میں لوٹ کر ضرور آؤں گا۔'' اس نے امید کا پہلا دیا حمت کے ہاتھ میں تھما دیا تھا، اس دیئے کی روشنی نے حمت کے اردگرد جھاغاں کر دیا تھا، آج شہر دل کی گلیوں میں روشنی ہی روشنی تھی۔

☆☆☆

اس نے دیکھا، نیل بر ضرورت سے زیادہ ہی خاموش تھی، کھانے کے دوران بھی خاموش ہی رہی تھی، نیل بر کی اتنی خاموشی بہت معنی خیز تھی۔

یہ ممکن ہی نہیں تھا، وہ چپ رہتی، شاید اداس تھی یا کچھ اور بات تھی، جہاندار کچھ اندازہ نہیں لگا سکا، تاہم جب وہ سونے کے لئے بستر پہ آیا تو نیل بر نے ایک بیزاری کروٹ بدل کر آنکھوں پہ بازو رکھ لئے تھے، یہ ایک شاکنگ سچویشن تھی، جہاندار اس پل کھٹک گیا تھا، اس کے اندر کھد بدی ہونے لگی، وہ ماتھا ٹھکورتا سوچ میں گم ہوا۔

''بیگم صاحبہ کے مزاج بخیر نہیں لگتے۔'' اس نے سوچتے ہوئے کروٹ بدل کر نیل بر کی طرف رخ روشن کیا تھا اور ساتھ ہی اس کے بازو پہ اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈال کر فاصلے قدرے مٹا دیئے تھے۔

''خیر تو ہے جان من، آج کوئی خاص لڑائی نہیں کی، نہ تنہائی کا رونا اور نہ اس بھوت بنگلے سے بیزاری کا اظہار؟'' وہ اس کے بازو آنکھوں سے ہٹا کر نرمی سے بولا تھا، نیل بر کی مندی آنکھوں میں کچھ خالی پن سا صاف دیکھائی دیا، جہاندار کو کچھ فکر لاحق ہوئی تھی۔

''خیریت تو ہے نا؟'' وہ اس کے ریشمی بکھرے بالوں کو سمیٹتا نرمی سے مخاطب ہوا تھا۔

''ہاں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا اور پلکیں موند کر خالی آنکھوں میں اترنے والے تاثرات چھپا لئے تھے۔

''کیا تنہائی نے میٹر گھما رکھا ہے؟'' اب وہ اس کے ریشمی گال پہ اپنی انگلیوں سے کچھ لکھ رہا تھا، شاید ''جہاندار''۔

''کہ کر دوں تمہاری تنہائی کا کوئی مستقل انتظام؟'' اب وہ بڑی شرارتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا، نیل بر نے کسمسا کر آنکھیں کھول دی تھیں۔

''مثال کے طور پہ۔'' اس نے قدرے رکھائی سے پوچھا تھا۔

''یہی ایک چنا منا سا گول مٹول بے بی۔'' جہاندار کی خوبصورت آنکھوں میں ایک جاگتا خواب انگڑائی لے کر بیدار ہوا تھا، وہ اپنے ہی انداز اور سوچ پر مبہوت رہ گیا۔

نیل بر کسی اور ہی دھیان اور گمان میں تھی، وہ جہاندار کے روشن چہرے پہ پھیلے کسی بھی تاثرات کو سمجھ نہیں سکی تھی، اس کے منہ سے بے ساختہ بے دھیانی میں نکلا۔

''میری تنہائی کا علاج گالئی ہے۔'' اور جہاندار کے روشن چہرے پہ ایک دم سایہ سا لہرا گیا تھا۔

(جاری ہے)

رشتے چاہتوں کے
فصیحہ آصف خان

آمنہ بھرے پرے میکے سے آئی تھی، سسرال میں بس چند ہی افراد تھے، ساس، سسر، دیور، اشعر سے چھوٹا تھا، کوئی نند نہ تھی، اس کی ساس شہناز بیگم جب پہلی بار ان کے گھر آئیں، تو آمنہ کا معصوم حسن اور خوبصورتی نے شہناز بیگم کا دل موہ لیا، تو انہوں نے گویا دہلیز ہی پکڑ لی، آمنہ کی والدہ رکھ رکھاؤ والی، وضع دار، نفیس خاتون تھیں۔

دو بہوئیں گھر میں موجود تھیں، بڑی بیٹی عالیہ بھی شادی شدہ تھی، اب ایک بیٹی آمنہ اور چھوٹا بیٹا ہی رہ گئے تھے۔

شہناز بیگم کو متوسط اور سلیقے والا گھرانہ جی جان سے بھایا، تو انہوں نے دیر نہ کی، یوں بہت جلد آمنہ اپنی خوبصورتی اور خوب سیرتی کی کرنیں بکھیرنے ان کے آنگن میں اجالا کرنے آ گئی۔

ماں کی بہترین تربیت اور سلیقہ اس کے ہمراہ تھا، سسرال پڑھا لکھا اور دولت مند تھا، آمنہ کو روپے پیسے کا چنداں لالچ نہ تھا نہ اس کی سرشت میں بے وجہ خواہشیں اور تمنائیں تھیں۔

ماں باپ نے اچھا لکھایا، پڑھایا اور پہنایا کھلایا تھا، عزت اور محبت کو وہ دولت پر ترجیح دیتی تھی، کہ یہی کامیاب زندگی گزارنے کا ہنر ہے اور یہی وصف اسے والدین کی تربیت سے ملا تھا، جسے وہ جہیز کے پلو میں باندھ کر لائی تھی، اب جب اسے عملی زندگی میں قدم رکھا تھا، تو اسے اس بیش بہا خزانے کا منہ کھولنا تھا اور اس کرامات سے فیض حاصل کرنا تھا۔

شادی کے چند دنوں بعد ہی آمنہ کو اپنی ساس کے تیز مزاج کا اندازہ ہو گیا تھا، درشت سا لہجہ، رعب و دبدبہ ان کی گھٹی میں شامل تھا، بات بھی ایسے کرتیں کہ گویا حتمی حکم ہو، بے لچک رویہ۔

آمنہ ان کے مزاج کے مطابق بات کرتی، اس کے برعکس سسر صاحب نرم مزاج، دھیما لہجہ اور نام کی طرح شفق و سراپا محبت تھے۔

شہناز بیگم نے رشتے کرانے والی خاتون کے ذریعے اشعر سے آمنہ کا رشتہ طے کیا تھا، ان کے خیال میں اپنے سے کم درجے کے سسرال قابو میں رہتے ہیں، دوسرے لفظوں میں ''دبے'' رہتے ہیں۔

ان کی یہ سوچ اور فطرت تھی، آمنہ کے گھر والے بے حد شریف النفس اور سمدھیوں کو عزت دینے والے تھے، یہی بات شہناز بیگم کے دل کو لگی یا دوسرے معنوں میں انہیں جس کی تلاش تھی وہ پا لیا تھا۔

آمنہ کی دادی اگرچہ بہت عمر رسیدہ تھیں، مگر ان کے انداز بیاں میں اک شیرینی اور حلاوت تھی، جو بتدریج آمنہ میں از خود منتقل ہو گئی اور زندگی گزارنے کے لئے ان اوصاف کا ہونا کتنا ضروری تھا، آمنہ اور شہناز بیگم کو یہ وقت نے باور کرانا تھا۔

☆☆☆

شادی کو دو ہفتے گزر گئے تھے، ہر دوسرے تیسرے دن کہیں نہ کہیں دعوت ہوتی، رشتہ داروں کے ہاں، کبھی ملنے، جلنے والوں تو کبھی اشعر کے دوستوں کے گھر، اشعر ایک زندہ دل انسان تھا، نرم خو، صلح جو اور محبت کرنے والا۔

آمنہ خود کو خوش نصیب تصور کرتی، کہ اسے اشعر جیسا شوہر ملا، اس کی محبت پاش نظریں آمنہ کو سرشار رکھتیں، زندگی کا حسین رخ آمنہ کے حسن کو دو آتشہ کر رہا تھا۔

دیور عامر بھی بہت تمیز والا لڑکا تھا، اس کا ایم بی اے مکمل ہو چکا تھا اور وہ نوکری کی تلاش میں رہتا تھا، شام کو گھر آتے آمنہ کی پسند کی آئس

کریم لانا نہ بھولتا، آمنہ اس کی محبت پر پھولے نہ سماتی۔
اس کے سننے میں آیا تھا کہ شفیق صاحب اور ذکیہ خاتون دو ہی بہن بھائی ہیں، آمنہ نے شادی کے بعد ذکیہ خاتون یا ان کے گھر کے کسی فرد کو اپنے ہاں آتے جاتے نہ دیکھا تھا، وہ حیران تھی، حالانکہ ایک ہی شہر میں رہتی تھیں، سو یہ عقدہ بھی جلد ہی کھل گیا۔

☆☆☆

شہناز بیگم کا مزاج کل سے خراب معلوم ہو رہا تھا، آمنہ نے صاف محسوس کیا کھانے کی میز پر بھی کھینچاؤ رہا تھا، سبھی خاموش تھے، برتنوں اور چمچوں کی آوازوں سے زندگی کی ہلچل کا احساس ہوتا تھا، آمنہ اس کشیدہ کبیدہ ماحول کی عادی نہ تھی، وہ سخت بیزار ہو رہی تھی، کہ جانے بات کیا ہے؟

وہ کسی سے پوچھ بھی نہ سکتی تھی، نئی دلہن تھی، خاموشی سے ہر بات کا جائزہ لے رہی تھی، یہاں تک کہ کھانا ختم ہوا، ملازمہ برتن سمیٹ کر لے گئی، پھر قہوہ پی کر سب اپنے کمروں میں آ گئے۔
آج رات کہیں دعوت نہ تھی، سو آمنہ قدرے آسانی محسوس کر رہی تھی، کہ اپنی پسند کا ڈرامہ دیکھے گی، پھر لانگ ڈرائیو پہ چلیں گے، مگر اب سرد سا ماحول بنا ہوا تھا، اس میں اس کی ساری سوچیں بھک بن کر اڑ گئی تھیں۔
کمرے میں آ کر بھی اس نے اس تناؤ کو گہرائی سے محسوس کیا، اشعر بھی خاموش تھا، ورنہ کمرے میں آتے ہی وہ آمنہ کو پیار بھری نظروں سے دیکھتا اور بانہوں میں لے لیتا، مگر آج تو وہ خاموشی کی بکل اوڑھے، خاموشی سے بیڈ پر آ کر بیٹھ گیا، سوچوں میں جکڑا ہوا، پریشان سا۔
آمنہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی، اور اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولی، الجھن کو سلجھانا ہی تو تھا۔
''کیا بات ہے اشعر، کوئی مسئلہ ہے کیا؟ آج سبھی خاموش اور الجھے ہوئے لگ رہے تھے، اگر مناسب سمجھیں تو مجھے بتا دیں۔'' وہ انتہائی نرماہٹ لئے کومل لہجے میں بڑی بڑی آنکھیں اشعر پر جما کر پلکیں جھپکا کر بولی تو اشعر کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا، کہ اس نے سب کچھ محسوس کیا، پھر وہ اس کے دونوں ہاتھ تھام کر مسکرا دیا اور اداسی سے بولا۔
''بات یہ ہے کہ......'' وہ ذرا توقف کے بعد بولا۔
''ذکیہ پھپھو نے ہمیں، ہم سب کو دعوت پہ بلایا ہے، پرسوں رات کو، مگر......مگر۔'' وہ پھر ذرا رکا، آمنہ تجسس سے اسے دیکھتی رہی۔
''مگر امی نہیں جانا چاہتیں، نہ خود نہ ہم سب کو بھیجنا چاہتی ہے، کوئی وجہ بھی نہیں، ابو نے بھی انہیں سمجھایا ہے، مگر وہ کسی کی نہیں مان رہیں۔'' اشعر اس کے ہاتھ چھوڑ کر سر میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بے حد دلگرفتہ لگ رہا تھا، نند بھاوج کی چپقلش تو ازل سے جاری تھی اور ہے شاید رہے گی یہاں بھی یہی کچھ تھا۔
''آپ کیا کہتے ہیں؟'' آمنہ اس کا نقطہ نظر جاننا چاہتی تھی۔
''ذکیہ پھپھو ہماری ایک ہی سگی پھپھو ہیں، اتنے پیار سے بلا رہی ہیں، ہم کتنی جگہوں پر گئے ہیں دعوت کھانے، یہاں بھی جانا چاہیے، پھپھو ہماری اپنی ہے، خونی رشتہ ہے، مگر امی......'' وہ بے بس سا بول کر خاموش ہو گیا، آمنہ بھی سوچنے لگی، پھر بولی۔
''آپ سب ایک بار پھر کوشش کریں، نہ گئے تو بہت افسوس ہو گا، بے شک کوئی بات نہ

کریں، بس سلام وخیریت، کھانا کھا کر آ جائیں، ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی دعوت پر لبیک کہنے کا حکم ہے۔'' آمنہ کی باتیں سو فیصد درست تھیں۔

''ٹھیک ہے ہم ایک بار پھر کوشش کرتے ہیں۔'' اشعر نے کچھ سوچ کر کہا اور پھر اسے گستاخ نظروں سے دیکھنے لگا، تب آمنہ نے شرما کر نین کٹوروں پر پلکوں کی چلمن گرادی۔

☆☆☆

اچانک شہناز بیگم جانے کے لئے راضی ہو گئیں، کیسے؟ کس شرط پہ، آمنہ یہ تو نہ جانتی تھی اسے بس تیار ہونے کا حکم ملا، بہت ہی اچھے طریقے سے شہناز بیگم نے اپنی بیوٹیشن کو گھر بلایا اور اسے جی جان سے تیار کروایا۔

آمنہ کا حسن نکھر گیا، نظر نہ ٹھہر رہی تھی، کالی سرخ، بارڈر والی شفعون کی ساڑھی میں وہ کانچ کی گڑیا لگ رہی تھی سولہ سنگار اور زیورات نے اس کو حسین تر بنا دیا تھا، خوشبوؤں میں بسی وہ اشعر کی دل کی دنیا لوٹ گئی، دیکھتے ہی اسے اشعر اس کے قریب آیا، اس کے روشن ماتھے پر ایک مہر محبت ثبت کرتے ہوئے اپنی شدید محبت کا اظہار کر ڈالا اور ساتھ ہی رب کا شکر بھی، جس نے اس کی قسمت میں اتنی خوبصورت اور خوب سیرت بیوی تحفے میں دی۔

''چلیں۔'' آمنہ چھوٹا سا چمکدار پاؤچ انگلیوں میں دبا کر بولی۔

''جی بیگم صاحبہ۔'' اشعر محبت بھری نگاہیں اس پر جما کر پیار سے بولا اور دونوں لاؤنج میں آ گئے، شہناز بیگم نے اس کی بلائیں لے ڈالیں، ان کا موڈ کافی بہتر لگ رہا تھا، شفیق صاحب اور عامر بھی تیار تھے، وہ سب گاڑی میں آ بیٹھے، عامر گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

راستے میں شفیق صاحب نے پھلوں کا ٹوکرا ڈگی میں رکھوایا، کہ بہن کے گھر خالی ہاتھ جانے کو برا تصور کیا جاتا تھا۔

عامر اور اشعر اگلی سیٹ پر باتیں بھی کرتے جا رہے تھے، آمنہ نے عامر کو دیکھا کر اس کے دماغ میں ایک بات در آئی۔

''میری اگر کوئی بہن ہوتی تو اسے عامر کے ساتھ بیاہتی۔'' اپنی سوچ پر اسے خود بھی ہنسی آ گئی۔

آدھے گھنٹے بعد گھر آ گیا، ساڑھی سنبھالتی وہ سب کے ہمراہ اندر آ گئی، خاصا کشادہ گھر تھا، ایک طرف لان اور پھول بہار دکھا رہے تھے، صفائی اور سلیقہ دیکھنے کے لائق تھا۔

ذکیہ پھپھو نے بے حد محبت سے اسے گلے لگایا، شہناز بھی لئے دیئے سا ملی، سب ڈرائنگ روم میں آ گئے، ذکیہ پھپھو کے شوہر حیدر انکل نے شفیق رویہ رکھا اتنے میں ان کی تینوں بیٹیاں آ گئیں، باری باری تمیز سے ملیں۔

سب سے بڑی ماہ پارہ اور دوسرے نمبر والی شہہ پارہ کے نکاح ایک ہی گھر میں ہو چکے تھے، ماہ پارہ ایم اے کر چکی تھی، جبکہ شہہ پارہ کے ایم اے فائنل کے امتحان قریب تھے، تب دونوں کی شادی متوقع تھی، آمنہ سب کا بغور جائزہ لے رہی تھی، سب سے چھوٹی ستارہ دونوں بڑی بہنوں کی نسبت حسن وخوبصورتی کا لازوال شاہکار تھی، اس کی ستارہ صفت آنکھیں کھڑے کھڑے نین نقش کھلتی ہوئی رنگت اور لمبا قد، ماہ پارہ اور شاہ پارہ بھی خوبصورتی میں بے مثال تھیں، مگر ستارہ کا جادوئی حسن واقعی ماں سے چرایا ہوا تھا۔

یہیں آمنہ نے وہ منظر دیکھا، جب ستارہ اندر آئی، تو عامر کی آنکھوں میں ایک چمک عود کر آئی، ''پسند یا محبت'' دونوں میں ایک چیز ضرور

تھی، آمنہ کو ادراک ہوا کہ عامر ستارہ کو جن نظروں سے دیکھ رہا ہے، وہ محبت سے لبریز تھیں، خود ستارہ بھی جھینپی جھینپی سی لگی، یہ آمنہ کا وہم ہرگز نہ تھا، ہلکی پھلکی باتوں کے دوران ٹھنڈا مشروب آ گیا اور آدھے گھنٹے بعد کھانا لگنے کا اعلان ہو گیا، ملحقہ ڈائنگ روم میں وہ سجی ہوئی میز پر آ گئے۔

''ماشاء اللہ ہماری بیٹیوں نے تو خوب محنت کی آج۔'' شفیق صاحب نے مسکرا کر بھانجیوں سے کہا تو شاہ پارہ خوشی سے بولی۔

''ماموں جان آپ کھا کر بتائیں کیسی بنی ہیں سب چیزیں۔''

''ارے بیٹا تم سب نے اتنی محنت کی ہے تو سب لاجواب ہونگی ناں۔''

ماہ پارہ اور شاہ پارہ سب کے سامنے کھانے کے لوازمات بڑھا کر رکھ رہی تھیں، بریانی، کباب، قورمہ، کئی طرح کے سلاد، چکن کڑھائی، گرم گرم پھلکے، رائتے۔

''اور یہ لیں ریشمی کباب میں نے بنائے ہیں۔'' سنہرے، خوشبو اڑاتے کباب کی پلیٹ ستارہ نے درمیان میں رکھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا، تو عامر نے ایک بار پھر اسے بھرپور نظروں سے دیکھا، آمنہ کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ اتر آئی۔

''محبت کی نہیں جاتی، ہو جاتی ہے۔'' اسے یہاں ایسے ہی لگ رہا تھا، مگر شہناز بیگم کا رویہ۔

باتوں کے درمیان ذکیہ پھپھو نے بتایا کہ تین ماہ بعد دونوں بیٹیوں کی شادی ہے ماہ پارہ اور شاہ پارہ کے چہروں پر شرمیلی مسکان نے گھیراؤ کر لیا۔

''یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔'' شفیق صاحب مسرت آمیز لہجے میں بولے۔

''اللہ کرم کرے گا، فکر مت کرنا۔'' شفیق صاحب کی اس بات پر شہناز بیگم نے پہلو بدلا، اور ناگواری ان کے چہرے کا احاطہ کر گئی، تاہم خاموش رہے۔

کھانے کے بعد قہوے کا دور چلا، آمنہ تینوں بہنوں کی سلیقہ مندی اور ماں کی اعلیٰ تربیت کی معترف ہو گئی۔

ان کے جانے کا وقت قریب تھا کہ ماہ پارہ دو تین لفافے اٹھا کر لے آئی اور ماں کے سامنے رکھ دیئے، ذکیہ پھپھو نے سب سے پہلے شہناز بیگم کو سوٹ دیا پھر بھائی اور آمنہ کو اشعر اور عامر کی شرٹس تھیں، آمنہ ایک بار پھر ان کے رکھ رکھاؤ کی قائل ہو گئی۔

''اس کی کیا ضرورت تھی۔'' شہناز بیگم بجائے شکریہ کہنے کے اکھڑے لہجے میں بولیں، ان کے برعکس آمنہ نے مسکرا کر شکریہ کہا۔

''ضرورت تھی ناں بھابھی جان! دلہن پہلی بار آئی ہے، آپ سب نے آ کر میرا مان رکھا۔'' ان کی آواز میں نمی اتر آئی تھی تو شفیق صاحب نے آگے بڑھ کر بہن کو ساتھ لگا لیا اور سر تھپکنے لگے تو ذکیہ کے اندر سکون لہرانے لگا۔

انہوں نے خوب پیار کر کے آمنہ کو بھیجا، عامر نے اک مسکراتی نظر ستارہ پر ڈالی کہ پھر جانے کب یہ چاند چہرا اور ستارہ آنکھیں نظر آئیں، وہ دلگرفتگی سے سوچتا پورچ تک آ گیا۔

آمنہ کو اس کی بکھری بکھری حالت کا اندازہ لگ رہا تھا، مگر وہ کچھ کہنے اور کرنے کی پوزیشن میں نہ تھی۔

گاڑی میں ہلکی پھلکی باتیں کر رہے تھے، شفیق صاحب کے چہرے پر اطمینان ہلکورے لے رہا تھا، یہاں تک کہ گھر آ گیا۔

☆☆☆

دن سرکتے سرکتے گزرنے لگے، ایک ماہ

بعد شہناز بیگم نے میٹھا پکوا کر اسے باقاعدہ ہلکے پھلکے کاموں پر لگا دیا، کل وقتی اور جز وقتی طور پر ملازمائیں موجود تھیں مگر اشعر کے کام اپنے ہاتھوں کرنا اسے سکون دیتا تھا۔

سب سے پہلے اس نے اشعر کے کپڑوں کی الماری ٹھیک کی، الٹے سیدھے کپڑے ٹھونسے ہوئے تھے، شرٹ پتلون استری کر کے ہینگر کیے، جرابیں رومال بنیان الگ الگ خانوں میں ترتیب سے رکھے، جوتے صاف کر کے نچلے خانے میں سجائے، ہر چیز سے اب قرینہ اور سلیقہ جھلک رہا تھا، اشعر نے دیکھا تو واقعی خوش ہو گیا، ورنہ ایک شرٹ نکالتا، تو باقی کپڑے اوندھے منہ نیچے آ گرتے، پھر انہیں گول مول کر کے ٹھونس دیتا، اب گھر والی نے آ کر سلیقے سے سنوارہ۔

اس طرح وہ گھر کے باقی کمروں کی کئی تبدیلیاں کرنے لگی، یکسانیت سے اسے اکتاہٹ ہونے لگتی تھی، لاؤنج کی ترتیب تبدیل کی تو اس کی کشادگی اور خوبصورتی میں کئی گناہ اضافہ ہو گیا، جہیز میں لائے ہوئے ڈیکوریشن پیس فریم اور مصنوعی پھولوں سے آراستہ دیوار نے گویا بہار کے رنگ بکھیر دیئے تھے، شہناز بیگم کو بھی اس کے کئے ہوئے کام پسند آئے، یوں گھر ایک منظم طریقے سے چلنے لگا۔

کھانوں میں بھی لذت بھرا ذائقہ سب کا دل موہ لے گیا، ملازمہ سے پکواتی تو اپنی مرضی کا، مرچ مصالحوں کا تناسب اس کی اپنی پسند کا ہوتا، سب کو اپنی اپنی پسند کا مزیدار کھانا ملنے لگا تھا اور آمنہ سب کی پسند بہت جلد جان گئی، انہی دنوں عامر کو بہت اچھی ملٹی نیشنل کمپنی میں شاندار نوکری مل گئی، آمنہ نے بھی اس کے لئے صدق دل سے دعائیں کی تھیں، سب بے حد خوش تھے، اس رات سب ذکیہ پھپھو کی طرف ڈھیر سارے مٹھائی لے کر چلے آئے، شہناز بیگم بھی بیٹے کی خوشی میں چلی آئیں۔

دروازہ ستارہ نے کھولا، اس کی آنکھوں میں دمکتے ستارے جھلملانے لگے تھے، آمنہ نے آج بھی کم وبیش وہی منظر دیکھا۔

سب نے انہیں محبت سے خوش آمدید کہا، پھر پندرہ بیس منٹ میں میز لوازمات سے سج گئی، دہی بڑے، کباب، رول اور بعد میں گرم گرم چائے، سب گھر کی بنی ہوئی چیزیں تھیں اور لذت سے بھرپور، آمنہ دل سے ان کی سلیقہ مندی کی قائل ہو گئی۔

ذکیہ پھپھو کا دھیما مسکراتا چہرہ، نرم لہجے میں گفتگو آمنہ کو ان کا گرویدہ بنا گئی، جاتے وقت انہوں نے عامر کو بہت پیار کیا، ان کے انداز میں اک حسرت آمنہ کو محسوس ہوئی، جسے وہ کوئی نام نہ دے سکی۔

اشعر کے بنائے گئے لطیفوں پر سب نے ہنس کر لطف اٹھایا، یوں اک مسکراتا وقت گزار کر وہ آنے لگے تو آمنہ نے رسماً نہیں بلکہ دل سے انہیں اپنے ہاں آنے کی دعوت دی، شہناز بیگم نے ایک بار بھی انہیں آنے کو نہ کہا تھا۔

''ہاں بھئی آؤ ناں تم سب کسی دن۔'' شفیق صاحب نے کہا تو شہناز بیگم پہلو بدلنے لگیں، یہ بات ان کے مزاج کے خلاف تھی۔

''جی بھائی جی، آئیں گے انشاء اللہ۔'' ذکیہ آہستہ سے بولیں تھیں۔

انہیں شہناز بیگم کی جانب سے بلاوے کا انتظار تھا، مگر وہ ہنوز چپ رہیں، بلکہ اندر ہی اندر تلملا رہی تھیں، لہو میں بلاوجہ ابال اٹھ رہے تھے، گاڑی میں آ کر بیٹھتے ہی ان کا نزلہ آمنہ پر گرا۔

''کیا ضرورت تھی انہیں دعوتیں دینے کی بلانے کی، میرے مشورے کے بغیر۔'' آمنہ ان

کے غصے اور انداز پر ہکا بکا رہ گئی اور آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

''امی...... وہ میں تو۔'' وہ ہکلائی تو شفیق صاحب اور اشعر اس کی مدد کو آگئے۔

''امی......تو...... اس میں حرج ہی کیا ہے، ہم جاتے ہیں تو ان کو بھی آنا چاہیے، ایسا کیا کہہ دیا آمنہ نے؟'' اشعر بھی ماں کو قائل کرنے لگا، خود شفیق صاحب الگ بہو کی حمایت میں بولنے لگے۔

''کچھ غلط نہیں کہا آمنہ نے، ذکیہ بہن ہے میری، جب چاہے ہمارے گھر آئے، آمنہ کو کچھ مت کہو، وہ اب ہمارے گھر کا فرد ہے۔'' شفیق صاحب نے ذرا تیز ہو کر کہا تو وہ منہ بنا کر خاموش ہوگئیں۔

جبکہ عامر تناؤ لئے چہرے کے ساتھ گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا، آمنہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ وہ کس کرب وصبر سے گزر رہا ہے اسے کسی صورت اپنا اور ستارہ کا ملاپ ہوتا نظر نہ آرہا تھا، وہ یہی سوچ رہا تھا کہ کیا وہ بھی اشعر بھائی کی طرح نامراد رہے گا؟ کیا تاریخ پھر سے خود کو دہرائے گی؟ وہ کانپ سا گیا، اشعر ماہ پارہ کو پسند کرتا تھا، کوئی طوفانی محبت نہ تھی، نہ کوئی وعدے، نہ دعوے، مگر وہ اس سے شادی کا خواہاں تھا، خود ماہ پارہ ذکیہ اور شفیق صاحب کی بھی یہ ہی آرزو تھی، مگر شہناز بیگم کے سامنے کسی کی نہ چلی اور اشعر فرمانبرداری کی بھینٹ چڑھ گیا، یوں آمنہ اس کی ہم سفر بن گئی، آمنہ یکسر اس بات سے لاعلم تھی، مگر اب جس بات سے وہ باخبر تھی، اسے دکھ ہوتا اگر عامر کو اس کی پسند نہ ملی، شہناز بیگم کا بے لچک رویہ اسے کچھ بھی کہنے سے باز رکھ رہا تھا، رو کے ہوئے تھا، گھر آکر وہ سسک اٹھی، کہ اشعر نے اسے ساتھ لگا کر بہت تسلی دی، ماں کی طرف سے معذرت بھی کی، تب کہیں آمنہ کو کافی دیر بعد قرار آیا، کہ وہ وضو کرنے چل دی، عشاء کی نماز ادا کر سکے، مگر اس کا دل بجھا بجھا رہا اپنی توہین پر۔

☆☆☆

گرمی کے کم ہوتے ہی ہلکی پھلکی ٹھنڈک موسم کو بہت خوشگوار بنانے لگی، آمنہ دو دن سے میکے آئی ہوئی تھی اور اشعر فون پر اسے اپنی بے تابیوں کے قصے سنا رہا تھا، آمنہ ہنس پڑتی اور اسے چھیڑتی۔

''ابھی کچھ دن اور رہونگی، آخر میرا بھتیجا پیدا ہوا ہے۔'' وہ لاڈ سے کہتی۔

''آجاؤ...... ذرا...... پھر جانے ہی نہ دوں گا چھ ماہ سے پہلے۔'' اشعر نے کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

مزید دو دن بعد اشعر اسے لینے آگیا، آمنہ کی والدہ نے رات کے کھانے پر اس کے لئے پرتکلف کھانا بنوایا تھا، جاتے سمے انہوں نے مٹھائی کا بڑا سا ڈبہ آمنہ کے ہمراہ کر دیا۔

مٹھائی اس نے شہناز بیگم کو دی، سب کا حال احوال سنایا، بتایا اور کمرے میں آگئی، اشعر نے اسے بازوؤں میں لے کر ہجر و فراق کی داستانیں سنانا شروع کر دیں، آمنہ کو اپنی خوش بختی پر ٹوٹ کر پیار آیا، وہ اس کے چوڑے سینے میں منہ چھپا کر مسکراتی رہی۔

یہ سچ تھا کہ آمنہ بھی اس سے کچھ دن دور رہ کر اداس ہو جاتی تھی اور اشعر جیسا محبت کرنے والا، ہمدرد، ذمہ دار انسان پر اسے کیوں نہ پیار آتا، کیونکہ نہ وہ اس کی جدائی محسوس کرتی، جواب اس کی روح وجسم وجان کا مالک تھا۔

☆☆☆

چند دن اور بیتے، وقت کا پنچھی اپنی مخصوص سے محو پرواز تھا، آج صبح آمنہ جاگی تو طبیعت گری

گری سی محسوس ہوئی، پھر ایسی الٹیاں اور ابکائیاں ہوئیں کہ وہ بے حال ہوگئی، اشعر نے اسے آرام کرنے کو کہا اور ماں کو جا کر بتایا۔

شہناز بیگم نے سنتے ہی اک مسرت آمیز لہر اپنے اندر اٹھتی محسوس کی، دوپہر کو اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئیں اور خوشخبری کہ آمنہ ماں بننے والی ہے، گھر بھر میں خوشی کا موسم اتر آیا، اشعر کا بس نہ چل رہا تھا کہ اسے جہاں بھر کی نصیحتیں دے ڈالے، خود شہناز بیگم اس کا بے حد خیال رکھتیں، ماں کو بتایا تو انہوں نے بہت ساری ہدایات جاری کر ڈالیں، آمنہ اپنی خوش نصیبی پر نازاں تھی، فخر و انبساط کا احساس رگ و پے میں دوڑنے لگا تھا۔

ایسے میں ایک دن ذکیہ پھپھو اور حیدر انکل آ گئے، آمنہ کو ان کے آنے کی دلی خوشی ہوئی، وہ بھی آمنہ سے محبت سے ملیں۔

بہن کو دیکھ کر شفیق صاحب کا دل بھی خوش ہوگیا، آمنہ خاطر تواضع میں لگ گئی۔

''ماہ پارہ اور شاہ پارہ کی شادی کی تاریخ رکھ رہے ہیں، آپ سب نے آنا ہے۔'' انہوں نے سب کو مشترکہ دعوت دے ڈالی۔

''کیوں نہیں، ضرور آئیں گے۔'' شفیق صاحب کھلے دل سے بولے۔

''تیاری تو سب مکمل ہے ناں؟'' وہ ماموں تھے پوچھنا فرض تھا۔

''جی...... بھائی۔'' ذکیہ پھپھو اداس مسکراہٹ لئے بولیں۔

''فکر نہ کرنا، جس چیز کی ضرورت ہو بلا جھجک کہنا۔'' شفیق صاحب کی دریا دلی پر شہناز بیگم خون کے گھونٹ پی کر رہ گئیں۔

''کیوں نہیں بھیا، آپ سے نہ کہوں گی تو کسے کہوں گی۔'' ذکیہ نے چائے کا آخری گھونٹ بھر کر گگ رکھتے ہوئے کہا، یوں کچھ دیر وہ رکنے کے بعد واپس چلے گئے۔

اشعر کے دل میں لمحہ بھر کو شاہ پارہ کی یاد نے سر اٹھایا، جو دیا چراغ سحری تھا، اشعر نے اک نادیدہ پھونک مار کر اسے ہمیشہ کے لئے بجھا دیا اور پوری طرح صدق دل سے آمنہ کی طرف رخ موڑ لیا، کہ یہی حقیقت ہے۔

☆☆☆

دونوں کی شادی میں ایک ہفتہ رہتا تھا، شفیق صاحب نے دونوں بھانجیوں کو قیمتی فرنیچر اور استعمال کی بے شمار چیزیں دیں، شہناز بیگم نے دبے دبے انداز میں مزاحمت کی، مگر ان کی ایک نہ چلی، یوں مہندی کا دن بھی آ گیا، آمنہ نے بھرپور انداز میں شرکت کی، روز اک نیا روپ لئے وہ اشعر کے صبر کا امتحان لیتی اور کھلکھلا کر ہنس پڑتی۔

مہندی کا فنکشن زبردست تھا، بہت ہلا گلا، ستارہ کی ستارہ صفت آنکھوں میں بجلیاں کوندرہی تھیں، گاہے بگاہے عامر اسے دیکھتا رہتا، آمنہ کا بس نہ چلتا تھا کہ انہیں یکجا کر دے۔

ایسے ہی ایک بار شہناز بیگم نے بھی دیکھا، ان کا خون کھول اٹھا فی الحال وہ سوائے صبر کے کچھ نہ کر سکتی تھیں، کافی دنوں سے وہ اسی کوشش میں سرگرداں تھیں کہ جلد سے جلد عامر کا رشتہ کسی اچھی جگہ طے کر دیں، تاکہ وہ ادھر ادھر جھانک ہی نہ سکے، مگر جو نظارہ ان کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں، دیکھ چکی تھیں، ان کی برداشت سے باہر تھا، پہلے اشعر کی جان چھڑائی اور اب عامر۔

ان کا فشار بہ خون لمحہ بہ لمحہ بلند تر ہو رہا تھا، بارات اور ولیمے پر بھی وہ اسی نازک دور سے گزریں، بہت اعلیٰ اور اچھے انداز میں دونوں بہنوں کی رخصتی ہوگئی، ذکیہ پھپھو ایسا ٹوٹ کے

روئیں کہ آمنہ کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔
بیٹی کو وداع کرنا دل گردے کا کام ہے، کلیجے پر ہاتھ پڑتا ہے، ذکیہ پھپھو نے تو دو دل کے ٹکڑے نکال کر دے ڈالے تھے، آمنہ صدق دل سے دعا گو تھی کہ دونوں بہنیں عمر بھر خوشیوں کے جھولے جھولیں، کوئی غمزدہ لمحہ قریب نہ پھٹکے۔
رات گئے گھر واپس آئے، طبیعت میں اک بوجھل پن تھا، آتے ہی آمنہ نے سب کو چائے بنا کر دی اور آرام کی غرض سے کمرے میں آ گئی۔

☆☆☆

ولیمے والے دن دونوں بہنوں کے چہروں پر بجی شرمیلی مسکان ان کی اندرونی خوشی اور سکون کا اظہار تھی، یہ تقریب بھی بہت پر لطف رہی۔
مسلسل ایک ہفتے کی تھکا دینے والی تقریبات کا آج آخری دن تھا، گھر آ کر وہ لمبی تان کر سو گئی، صبح چھٹی تھی، سو دیر سے آنکھ کھلی۔
اگلے دن سے پھر وہی روٹین شروع ہو گئی، اشعر اور عامر آفس چلے گئے، شفیق صاحب کاروباری آدمی تھے، ان کی اپنی مصروفیات تھیں، آج وہ جانے کسی وجہ سے گھر تھے، شہناز کسی کے ہاں ملنے چلی گئیں، شفیق صاحب سودا سلف لے کر آئے اور لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئے، آمنہ نے انہیں چائے بنا کر دی، ملازمہ کے ذمے سبزی کاٹنے کو لگا کر وہ شفیق صاحب کے پاس آ بیٹھی۔
''ابو جی، ایک بات کرنی ہے آپ سے۔'' آمنہ نے ان کے شفقت بھرے چہرے پر اک نگاہ ڈالتے ہوئے سوال کیا۔
''کہو بیٹی۔'' وہ چائے کا گھونٹ بھر کر بولے، تب آمنہ نے ستارہ اور عامر کی بات ان کے گوش گزار کی۔
شفیق صاحب کے چہرے پر فکر مندی کے آثار نمایاں ہو گئے، اور اداسی سے بولے۔
''شہناز نہیں مانے گی، مجھے پتہ ہے۔'' وہ دکھی ہوئے تو آمنہ تڑپ کر بولی۔
''کوشش کرنے میں کیا حرج ہے ابو جی، میں اشعر سے کہوں گی وہ امی سے بات کریں آخر اس میں مسئلہ کیا ہے؟ اتنی پیاری گھر کی بچی ہے، پھر عامر اسے پسند کرتا ہے۔'' آمنہ کو قدرے غصہ آیا ساس پر، کہ جانے کس مزاج کی پتھر دل عورت ہیں، اولاد کی خوشی دکھائی ہی نہیں دیتی انہیں۔
''ٹھیک ہے بیٹا، اللہ ہماری مدد کرے، مجھے تو خود اپنی بہن سے بہت محبت ہے، مگر شہناز کے تلخ مزاج کیوجہ سے اس نے آنا جانا تقریباً ختم کر دیا ہے، صلہ رحمی کو تو وہ جیسے کچھ سمجھتی ہی نہیں۔''
''اس کی بچیوں سے مجھے جتنا پیار ہے، شہناز کو اسی قدر خار ہے اور بیٹا اس سب معاملے میں ذکیہ بے قصور ہے، سارا قصور شہناز کا ہے، جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر اس سے الجھتی رہی۔'' شفیق صاحب آج جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہے تھے، آمنہ خاموشی اور توجہ سے ان کی باتیں سن رہی تھی پھر بولی۔
''ابو جی آخر ایسا ہوا کیا کہ وہ ان سے اتنی بیزار ہیں؟'' آمنہ کی بات پر ان کے لبوں پر اک اداس و دکھ بھری مسکراہٹ ٹھہر گئی۔
آمنہ اصل حقائق جاننا چاہ رہی تھی، کہ اس کی روشنی میں آئندہ کا لائحہ عمل سوچا جائے، تب ہی بات آگے بڑھنی تھی، کہ شفیق صاحب پھر گویا ہوئے۔
''بیٹا! شہناز میری چچا زاد ہے، والدین کی اکلوتی اولاد، ضدی، خود سر، اور دوسروں کو خاطر میں نہ لانا اس کے مزاج کا حصہ رہا ہے، ہماری بات ہماری دادی نے بچپن میں طے کر دی تھی، میرے تایا یعنی شہناز کے والد کا کاروبار بہت

ترقی کر رہا تھا، جبکہ ہم متوسط لوگ تھے، کچھ دولت کا گھمنڈ بھی شہناز کے حصے میں آیا، جب ہماری شادی ہوئی تو چچا صاحب نے سارا کاروبار مجھے سونپ دیا، ہماری شادی ہوئی تو ذکیہ ابھی گھر میں ہی تھی، یہ دونوں ہم عمر ہیں، شہناز کو سب سے پہلے ذکیہ کی خوبصورتی سے چڑ ہوئی، وہ ذہین بھی بہت تھی، گھر میں صرف اماں اور ذکیہ ہی تھے، یہ دونوں بھی اسے بری طرح چبھتے تھے، شہناز بات بے بات ذکیہ سے الجھتی، ذکیہ خاموش رہتی اور بات کیا ہوتی آج ذکیہ نے گلاس توڑ دیا، آج میرے جہیز کی پلیٹ ٹوٹ گئی، میں نئے برتن لے آیا، مگر اس کا ظرف نہ بدلتا، وہ بک بک کرتی رہتی، ذکیہ کا وجود اسے کھٹکتا رہتا، ذکیہ کی ٹانگ کے معمولی نقص کی وجہ سے لوگ اسے مسترد کر جاتے، ذکیہ بے حد دلبرداشتہ ہوتی، شہناز یہاں بھی اس کا مذاق اڑاتی، یوں سمجھو اس کی ذکیہ سے بنی ہی نہیں، نہ وہ بنانا چاہتی تھی، میری بہن بہت معصوم و بے ضرر تھی اور ہے، اس کا صبر کام آیا، اور حیدر سے اس کی شادی ہو گئی، اس وقت اشعر تین سال کا تھا، پھر عامر پیدا ہوا، ذکیہ کو اللہ نے نہایت خوبصورت اور پیاری تین بیٹیوں سے نوازا، اماں اللہ کو پیاری ہو گئیں، ذکیہ یہاں آتی تو شہناز منہ بسورے رہتی، یوں اس نے آنا جانا کم کر دیا، ذکیہ کی خواہش تھی کہ میں ماہ پارہ لے لوں، اشعر کے لئے مگر شہناز کو راضی کرنا، ناممکن تھا، وہ برسوں کی پرخاش دل میں لئے بیٹھی تھی، حالانکہ قصوروار بھی وہ خود تھی، یہاں سے مایوس ہو کر اس نے ایک ہی گھرانے میں دونوں بیٹیوں کو رخصت کر دیا، اب رہ گئی ستارہ، تو بیٹا میری بھی آرزو ہے کہ میں اسے عامر کی دلہن بناؤں، بس دعا ہی کر سکتا ہوں۔'' ان کا لہجہ افسردگی لئے ہوئے تھا، آمنہ کو بہت افسوس ہوا، مگر وہ کوشش کرنے کا عزم لے کر گھر کے کاموں میں لگ گئی۔

☆☆☆

سکون بھرے دن گزر رہے تھے، کہ شہناز بیگم نے آخر کار دھماکہ کر کے ہلچل مچا دی، جب انہوں نے عامر کے سامنے چند تصاویر رکھیں۔

''یہ کیا ہے امی؟'' وہ اپنے کمرے میں لیپ ٹاپ پر کام کر رہا تھا، جب شہناز بیگم نے اس کے سامنے لفافہ رکھا۔

''تمہاری شادی کرنی ہے ناں بیٹا، تو یہ سب اچھے خاندانوں کی لڑکیاں ہیں، ان میں سے کسی کو بھی پسند کر لو، اطمینان سے، تسلی سے۔'' انہوں نے دوٹوک، حتمی انداز میں، حکمیہ لہجے میں کہا تو جیسے عامر کے لہو میں ابال سا اٹھنے لگا، تاہم دھیما لہجہ اختیار کر کے لفافہ بغیر کھولے ان کی طرف بڑھاتے ہوئے نرم انداز میں بولا۔

''امی مجھے کوئی تصویر نہیں دیکھنی، نہ ان میں سے کسی سے شادی کرنی ہے۔'' خوبرو عامر سرد آہ بھر کے بولا۔

''کیوں؟'' وہ تیکھے چتون لئے پوچھنے لگیں، دل میں کھٹک سی ہوئی، کہیں خدشات سر اٹھانے لگے، یقین موجیں مارنے لگا تھا۔

''بس ویسے ہی۔'' وہ سر جھکا کر اداسی سے بولا۔

''پھر ان کو بغیر دیکھے مسترد کرنے کی ٹھوس وجہ بتاؤ۔'' وہ بھی شہناز بیگم تھیں۔

''بات یہ ہے کہ امی میں ستارہ کو پسند کرتا ہوں اور اس کے سوا کسی سے شادی نہ کروں گا، یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔''

وہ بھی انہی کا بیٹا تھا، ہٹ دھرمی سے اپنا فیصلہ سنا گیا، کوئی وجہ تو انہیں بتانا تھی، کسی کو پسند کرنا اور اسے جائز طریقے سے حاصل کرنا، غلط تو

نہ تھا اس کے اٹل لہجے پر شہناز بیگم بھونچکی رہ گئیں۔

بساط الٹتی نظر آئی، مگر وہ کب ہار ماننے والوں سے تھیں، وہ بھی ذکیہ کے سامنے جسے کبھی اسے اس رشتے کا درجہ نہ دیا جس کی وہ حقدار تھی۔

''وہاں تمہاری شادی نہیں ہو سکتی، یہ سن لو۔''

''کیوں امی؟ کیا ذکیہ پھپھو ہماری کچھ نہیں لگتیں، کیا ستارہ میں کوئی برائی ہے، بتائیں ناں، آپ کے پاس کیا وجہ ہے اسے ٹھکرانے کی؟'' شہناز بیگم لحہ بھر کو لاجواب ہو گئیں۔

''کوئی وجہ ہو یا نہ ہو، تمہیں میرا حکم ماننا ہو گا۔'' اس بار وہ خاصے غصے سے بولیں، تو عامر بھی بدمزہ ہو کر تلخ انداز اختیار کر گیا۔

''امی میں آپ سے بحث کر کے کوئی گستاخی نہیں کرنا چاہتا، بس مجھے ستارہ سے شادی کرنی ہے، کس اور سے نہیں، ہرگز نہیں۔'' عامر کا لہجہ مضبوط اور حتمی تھا، مارے طیش کے شہناز بیگم تصویروں کا لفافہ اٹھائے تن فن کرتی کمرے سے چلی گئیں اور شفیق صاحب کے سامنے جا کر پھٹ پڑیں۔

''پہلے ایک کی جان چھڑائی اب دوسرا میرے منہ کو آ رہا ہے۔'' وہ غصے میں بھول گئیں کہ ان کے منہ سے کیا، کیا الفاظ ادا ہو رہے ہیں، شفیق صاحب کتاب بند کر کے ان کی طرف متوجہ ہوئے، کچھ کچھ سمجھ تو گئے تھے، پھر بھی پوچھنے لگے، شہناز خاصی تپی ہوئی لگ رہی تھیں۔

''ہونا کیا ہے، آپ کے سپوت نے میری نافرمانی کی ہے اور کیا؟ یہ دیکھیں کتنی اچھی لڑکیوں کی تصویریں ہیں، مگر اس نے دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔'' وہ غصے سے ہلکارہی تھیں۔

''کیا کہتا ہے؟'' شفیق صاحب سب جانتے تھے، مگر اب معاملہ اور تھا۔

''اسے ستارہ پسند ہے، کہتا ہے بس اسی سے شادی کروں گا، جبکہ وہ جانتا ہے کہ میں......'' شہناز بیگم کا جملہ شفیق صاحب نے وہیں کاٹ دیا اور بولے۔

''شہناز اتنی انتہا پر مت جاؤ، عامر کی خواہش ایسی نہیں کہ پوری نہ ہو سکے، اپنی سوچ اور رویے میں لچک پیدا کرو، اشعر اور عامر میں بہت فرق ہے، میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ عامر نے جو کہا ہے وہی کرے گا، شہناز ہمارے بیٹے بہت فرمانبردار اور شریف النفس ہیں، انہیں اپنی ضد کی بھینٹ مت چڑھاؤ، میری سمجھ نہیں آتا کہ آخر تمہیں بچیوں سے پرخاش کیا ہے؟ ذکیہ سے تمہاری نہیں بنی تو اس میں بچوں کا کیا قصور؟ اس کی تینوں بیٹیاں پڑھی لکھی، تمیز دار، سگھڑ اور عزت کرنے والی ہیں، پہلے ہم اکیلے تھے، اب آمنہ گھر کی بہو ہے، اسے اگر تمام باتوں کا پتہ چل گیا تو کس قدر برا ہو گا، وہ کیا سوچے گی، ذکیہ کا یہاں نہ آنا، یا کم آنا اسے سوچنے پر مجبور تو کرتا ہو گا، تم ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچو تو عامر کا فیصلہ غلط نہیں، زندگی اس نے گزارنی ہے اپنی پسند سے گزارنے کا حق دو اسے۔'' شفیق صاحب کے طویل بیان پر وہ اندر ہی اندر کھول رہی تھیں۔

کیسے ہار مان لیتیں، ذکیہ کی جیت ان سے کب برداشت ہوتی حالانکہ یہ معاملہ خونی رشتوں کی ڈور مضبوط کرنے کا تھا، ہار یا جیت کا مسئلہ تو شہناز بیگم نے خود بنایا ہوا تھا، مگر ان کے دماغ میں جو بات بیٹھ جائے اسے نکالنا آسان تھوڑی تھا۔

☆☆☆

گھر کا ماحول خاصا کبیدہ ہو چکا تھا، آمنہ کو بھی اشعر کی زبانی پتہ چل گیا تھا، وہ کچھ کرنے کی

پوزیشن میں نہ تھی، خود اس کی اپنی طبیعت بھی بوجھل رہتی، زیادہ تر کمرے میں آرام کرتی رہتی۔
شہناز بیگم الگ گوشہ نشین ہو گئیں، عامر سے تو ناراض تھی ہی، باقیوں سے بھی گویا بائیکاٹ کر رکھا تھا، شفیق صاحب اس اداس ماحول کو بالکل پسند نہ کرتے تھے، اس بار تو شہناز نے حد ہی کر ڈالی تھی، کھانا تک اپنے کمرے میں کھا رہی تھی، دو دن سے انہیں ویسے بھی فلو و زکام ہو رہا تھا۔

اس رات شفیق صاحب اشعر اور آمنہ کے کمرے میں آ گئے، تاکہ اس مسئلے کا حل نکالیں، عامر سے وہ پہلے ہی بات کر چکے تھے، وہ ہنوز اپنی بات پر قائم تھا، کہ شادی کرے گا تو صرف ستارہ سے ورنہ اس موضوع پر کبھی بات نہ کریں۔
''ابو میں کیا کہوں اور کیا کروں؟''
''میری بات امی سنتی ہیں نہ آپ کی سمجھتی ہیں، عامر پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں، تو یہ الجھن آپ کو ہی سلجھانا ہو گی، امی کو راضی کرنا آپ کا کام ہے، میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا، عامر کو بھی قائل نہیں کر سکتے۔'' اشعر بول کر سر تھام کر رہ گیا۔
آمنہ اس غیر معمولی الجھن کو سلجھانے کا کوئی سرا نہ ڈھونڈ پا رہی تھی، پھر کچھ سوچ کر پلان کرنے لگی، اشعر اور شفیق صاحب ابھی تک اس مسئلے کی تاریکیوں پر سوچاں و غلطاں تھے۔
عامر کی اداسی آمنہ سے دیکھی نہ جاتی تھی، اس نے واشگاف انداز میں اپنا موقف بارہا دہرایا تھا، جو شہناز بیگم کا فشار خون بلند کرنے کا موجب بنتا، وہ صبح جاتا اور رات دیر کو لوٹتا، آمنہ نے سمجھایا بھی، مگر اس کی روٹین نہ بدلی۔

☆☆☆

کرو مہربانی تم اہل زمین پر
خدا مہربان ہو گا عرش بریں پر

اگلے دن آمنہ ناشتے کے بعد ماسی کے ذمے کام لگا کر چائے کے دو کپ بنا کر شہناز بیگم کے کمرے میں آ گئی، فلو کی وجہ سے ان کا ناک سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں نمدیدہ۔
''السلام علیکم امی جان!'' آمنہ مسکرا کر بولی اور کپ ان کے ساتھ والی تپائی پہ رکھ دیا۔
''وعلیکم السلام!'' انہوں نے ٹشو سے ناک صاف کی اور ہولے سے بولیں۔
''کیسی طبیعت ہے آپ کی اب۔'' وہ بیڈ پر پائنتی کی طرف بیٹھتے ہوئے بولی۔
''ٹھیک ہوں، زکام کافی کم ہو چکا ہے۔'' وہ مدہم لہجے میں بولیں۔
''امی جان، آپ سے ایک بات کرنی ہے۔'' آمنہ سر جھکا کر بولی۔
''ہوں۔'' وہ ہنکارا بھر کر بولیں۔
''میں اس وقت بہو نہیں، بیٹی بن کر بات کرنے آئی ہوں، عامر کی بہن بن کر، بھابھی کی حیثیت سے نہیں۔'' آمنہ اعتماد سے بولی تو انہیں طیش آنے لگا، جس کا ظہور ان کے چہرے کے زاویوں سے واضح ہونے لگا تھا۔
''پلیز ناراض نہ ہوں، بس میری بات سن لیں۔'' وہ ان کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر نہایت ادب و احترام سے بولی۔
''عامر بہت اداس ہے، انکل اور اشعر پریشان، آپ الگ کمرے میں بند ہیں، گھر تو آپس کی محبت و پیار سے بنتا ہے، آخر ایسا کب تک چلے گا؟ آپ مان جائیں، ستارہ اچھی لڑکی ہے، بہت خوبیاں ہیں اس میں، ذکیہ پھپھو بھی بہت محبت کرنے والی خاتون ہیں، ٹھیک ہے آپ کا ان سے کوئی مسئلہ ہے بھی، تو اس میں عامر کا کیا دوش؟ زندگی اسے گزارنی ہے امی جان گستاخی معاف، اگر ذکیہ پھپھو سے کوئی قصور ہو

گیا ہے تو اس کی سزا بچوں کو نہ دیں۔“

”قصور...... ذکیہ...... وہ تو بالکل بے قصور رہی ہر بار۔“ شہناز بیگم بغور اس کی باتیں سن رہی تھی، جانے کیوں خود کو ملامت ہونے لگی، آنکھوں سے غفلت کے پردے ہٹنے لگے تھے، پہلے انہوں نے اشعر سے ضد باندھی اور شاہ پارہ کو مسترد کیا، محض اپنی ضد کی وجہ سے، مگر عامر، اشعر ہرگز نہ تھا، وہ اچھی طرح جانتی تھیں، آمنہ کا کومل لہجہ قطرہ قطرہ بصیرت بن کر انہیں شرمندہ کرتا جا رہا تھا۔

”امی جان، اللہ تعالیٰ صلہ رحمی کو پسند کرتا ہے، ہم ایک دوسرے کو معاف کر کے جنت حاصل کر سکتے ہیں، امی جان مان جایئے، یہ دنیا تو چند روز کی ہے، ہم آخرت کا بھی کچھ سامان کر لیں، ہمارے پیارے نبی کا فرمان ہے کہ۔“

”ایک اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو، نماز پڑھو، زکوٰۃ ادا کرو اور رشتے داروں سے اچھا سلوک کرتے رہو، کہ رشتے ناطے والدین سے اچھا سلوک کرنے سے ان کو اچھا مرتبہ ملتا ہے۔“

”امی جان میں چھوٹا منہ بڑی بات کے مصداق بات کر رہی ہوں، ناراض مت ہوں ویسے، نہ ہی آپ کو سمجھانا مقصود ہے، آپ باخبر ہیں، مجھ سے زیادہ جانتی ہیں، میں ناچیز اس قابل کہاں، میں تو بس اس مسئلے کا حل چاہتی ہوں۔“

آمنہ سر جھکائے قرآن حکیم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے دے رہی تھی کہ دل صاف کر لیں، ان سے آدھی عمر کی لڑکی کتنی سمجھداری کی باتیں کر رہی تھی اور اس کا اپنا کوئی مفاد بھی نہ تھا اس میں، شہناز بیگم خود کو پستیوں میں گرا محسوس کر رہی تھیں۔

”اولاد کی خوشی کسے عزیز نہیں ہوتی، کیا عامر زبردستی کر کے وہ اسے خوشیاں دے سکیں گی، کبھی نہیں، وہ مانے گا ہی نہیں تو اور مسائل جنم لیں گے، اگر میری کوئی بات غلط یا بری لگی ہو تو معافی چاہوں گی۔“ یہ کہتے ہوئے آمنہ کمرے سے باہر چلی گئی۔

چائے قدرے ٹھنڈی ہو چکی تھی، انہوں نے بڑے بڑے گھونٹ لے کر اسے ختم کیا اور فیصلہ کن انداز میں اک فیصلہ کیا۔

☆☆☆

پھر دو دن بعد ہی وہ ذکیہ پھپھو کے گھر مٹھائی کپڑے اور انگوٹھی سمیت جا رہے تھے، شہناز بیگم کا دل صاف و شفاف آئینہ جیسا ہو گیا تھا، جس میں ان کا وہ چہرہ جو رعونت، غرور سے مکروہ نظر آتا تھا، آج وہ اک نرم مسکراہٹ لئے نکھرا نکھرا لگ رہا تھا جسے دیکھ کر انہیں خود پر بھی پیار آ رہا تھا، اس دن آمنہ کے جانے کے بعد انہوں نے وضو کر کے نوافل پڑھے اور اپنے اعمال کی معافی طلب کی اس رب سے، وہ دلوں کے حال جانتا ہے اور معافی و توبہ کو پسند کرتا ہے، وہ ہلکی پھلکی ہو گئی تھیں، ضد انا خود داری، غرور رعونت اور حسد کو نکال کر باہر پھینکا آنسوؤں کی شکل میں، تو پہاڑ جیسا بوجھ سینے سے ہٹ گیا تھا، اب گاڑی میں عامر کی چہکاریں تھیں، سب کے چہروں پر آسودہ مسکراہٹ تھی، سبھی اس کا کریڈٹ آمنہ کو دے رہے تھے، کہ اسی لمحے شہناز آمنہ کو پیار سے دیکھا کہ آمنہ نے واقعی اچھی بہو ہونے کا ثبوت دیا تھا، رشتے واقعی محبتوں کو پروان چڑھاتے ہیں اور محبتیں رشتوں کو قائم رکھتی ہیں۔

☆☆☆

پھر زندگی حسین ہے

فرح طاہر

''امی عائشہ میری آفس کولیگ ہے میں اسے پسند کرتا ہوں اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' رافع نے ایک ہی سانس میں اپنا مدعا رابعہ بیگم کے سامنے رکھ دیا۔

''پاگل ہوگئے ہو رافع یہ جانتے ہوئے بھی کہ تمہارے ابو خاندان سے باہر شادی کی اجازت ہرگز نہیں دیں گے، پھر بھی تم نے اتنا بڑا فیصلہ کرلیا ہے۔'' رابعہ بیگم کا وجود گویا لرز کر رہ گیا۔

''امی کیا قرآن و حدیث میں کہیں لکھا ہوا ہے کہ خاندان سے باہر نکل کر پسند کی شادی کرنا گناہ کبیرہ ہے؟'' ارفع نے اپنے موقف کے حق میں فاضل وکیل کی طرح مضبوط دلیل دی۔

''بے شک قرآن و حدیث میں ایسا کوئی حکم نہیں مگر والدین کی نافرمانی نہ کرنے کا حکم تو آیا ہے نا۔'' رابعہ بیگم نے اس کی دلیل کو سختی سے رد کرتے ہوئے سر جھٹکا۔

''امی یہ زندگی میری ہے، کیا میں اپنی زندگی کا فیصلہ خود اپنی مرضی سے نہیں کرسکتا؟'' رافع دکھ بھرے لہجے میں بولا۔

''بیٹا ماں باپ کا بھی اولاد کی زندگی اور اس کے فیصلوں پہ رائے دینے کا پورا حق ہوتا ہے، ساری زندگی جس اولاد کے لئے وقف کی ان کی ضروریات و خوشیاں پوری کرنے کے لئے اپنی جان کو ہلکان کیا، پڑھایا لکھایا اپنے پیروں پہ کھڑا کیا، کیا ان ماں باپ کو یہ بھی حق حاصل نہیں کہ وہ اولاد کی زندگی کی اتنی بڑی خوشی کے معاملے میں اپنی پسند اور ناپسند کا اظہار کریں۔'' رابعہ بیگم رافع کی سختی دیکھ کر آبدیدہ ہوگئیں۔

''امی، یہ میرا آخری فیصلہ ہے میں اگر شادی کروں گا تو صرف و صرف عائشہ سے ورنہ آپ لوگ ساری زندگی میری یہ خوشی دیکھنے کے لئے ترستے رہ جائیں گے۔'' رافع نے دوٹوک انداز میں فیصلہ سنایا اور آندھی طوفان بنا باہر نکل گیا۔

سنک میں برتن دھوتی رابعہ بیگم بار بار اپنی نم آنکھوں کو پانی سے دھوتی تاکہ ان کی سرخی ان کے کرب و غم کی چغلی نہ کھائیں۔

☆☆☆

رافع کی شادی کو آج دو سال ہو چکے تھے، اس نے اپنی مرضی کی شادی کی اور الگ ہوگیا، اور ان کے گھر سے چند گھر چھوڑ کر آفس کی طرف سے دیئے گئے فلیٹ میں رہائش پذیر تھا، عائشہ سے اپنی مرضی سے شادی کرنے پر احسان صاحب نے اسے اپنی جائیداد سے عاق کردیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس سے ہر تعلق توڑ لیا اور رابعہ بیگم سے وعدہ لیا کہ وہ کبھی اپنے بیٹے اور بہو سے نہیں ملیں گی اور اگر کوئی خفیہ رابطہ رکھا تو میرے گھر میں آپ کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوگی۔

رابعہ بیگم دونوں رشتوں کے درمیان پس کر رہ گئیں تھیں، ایک طرف شوہر تھا اگر اس عمر میں اس سے بگاڑتی تو طلاق کی ذلت سہنی پڑتی، بیٹے تو ہوتے ہی پرائے ہیں بیویوں کے سامنے تو انہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا، آخر ایسی خود غرض اولاد

کی خاطر کوئی ماں اپنے بڑھاپے کی چھت کو کیوں چھوڑے، یہ سوچ کر انہوں نے اپنا آپ مضبوط کیا اور احسان صاحب سے کئے گئے وعدے پہ سختی سے قائم رہی، کبھی تنہائی میں جب انہیں اپنے لخت جگر کی یاد ستاتی تو وہ چھپ کر آنسو بہا لیتی، مگر اپنی ٹوٹ پھوٹ کا اظہار احسان صاحب کے سامنے نہ کرتیں۔

☆☆☆

''رابعہ بیگم، کب سے آپ کو آوازیں دے رہا ہوں، کہاں کھو جاتی ہیں آپ؟'' احسان

صاحب جو کافی دیر سے رابعہ بیگم کو پکار رہے تھے، سامنے کھڑا دیکھ کر شکوہ کیے بغیر نہ رہ سکے۔
''کام میں مصروف تھی، اس لئے آپ کی آواز نہ سنائی دی۔'' رابعہ بیگم آہستگی سے بولیں۔
احسان صاحب سے نظریں ملانے کی غلطی نہیں کی، جانتی تھی کہ وہ خفا ہوں گے، مگر احسان صاحب بھی ان کی رگ رگ سے واقف تھے ان کا ہر انداز جانتے تھے۔
''لگتا ہے آج پھر صبح صبح اس نافرمان کی یاد آپ کو ستانے لگی ہے۔'' احسان صاحب کو رابعہ بیگم کی بھیگی آنکھیں دیکھ کر رحم آنے کی بجائے شدید غصہ آ گیا۔
''ہاں تو کیا یاد کرنے پہ بھی پابندی ہے، آپ سے تو کوئی گلہ نہیں کر رہی، اپنی ہی جان جلا رہی ہوں تنہا۔'' رابعہ بیگم نے دوپٹے کے پلو سے سرخ آنکھوں کو رگڑتے ہوئے قدرے تلخی سے کہا۔
''یعنی کہ آپ یہ ثابت کرنا چاہ رہی ہیں کہ میں نے اس پر ظلم کیا ہے اور آپ کو خواہ مخواہ اپنے حکم کا پابند کیا ہوا ہے، اس نالائق اور بے ادب کی کوئی خطا نہیں۔'' احسان صاحب زہر خند لہجے میں بولے۔
''احسان مجھ پر رحم کھائیں دو سال سے آپ کے حکم کی پابند ہو، باطن سے نہ سہی ظاہر میں تو آپ کے حکم کو پورا کر رہی ہوں نا، میری ممتا پر رحم کھائیں اور مجھے اتنی اذیت تو نہ دیں کہ اب آنسو بہانے کی بھی اجازت نہ ہو۔'' رابعہ بیگم نڈھال سی بیڈ کے دوسرے کونے پہ سر جھکا کر بیٹھ گئیں، چہرے کے تاثرات اداسی اور ناراضگی کے غماز بنے ہوئے تھے۔
''اپنے لاڈلے کے سامنے تو آپ کی ایک نہیں چلی، کتنے دھڑلے سے شادی کی اور یہ جادہ جا اور مجھے آپ ان دو سالوں میں نا جانے کتنی بار اپنے آنسوؤں سے بلیک میل کر چکی ہیں۔''
احسان صاحب رابعہ بیگم کی اداسی و ناراضگی کو یکسر نظر انداز کرتے شکایتی انداز میں بولے اور غصے سے باہر نکل گئے۔
رابعہ بیگم نے بے بسی سے اپنا سر تھام لیا، آنسو پلکوں کی باڑ کو روندتے ہوئے تیزی سے نکلنے لگے، انہیں خود پر شدید غصہ آ رہا تھا، وہ کیوں ایسے بیٹے کے لئے آنسو بہا رہی تھیں، جو اپنی زندگی کی خوشیوں میں مگن تھا، کچھ فاصلے پر رہتا تھا، مگر ماں کا کلیجہ کیسے جلتا تھا اسے کوئی پرواہ نہیں تھی، ماؤں کو جیسے اولاد کو پیدا کرنے کی سزا ملتی ہے، چاہے وہ سیاہ کریں یا سفید بس دل ان کے لئے تڑپتا رہتا ہے، ہر دم لبوں پہ یہی دعا رہتی ہے کہ میرے بچوں کی خوشیوں کو کسی کی نظر نہ لگے۔

☆☆☆

سارا سارا دن وہ خود کو کاموں میں مصروف رکھتیں، تاکہ تلخ یادوں سے بچا جائے مگر ہاتھ پیر کام میں مصروف تھے دل اور دماغ تو فارغ تھے ان تکلیف دہ یادوں کے لئے، رابعہ بیگم نڈھال ہو گئیں خود سے لڑتے لڑتے۔
''امی آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا، صبح میں کالج کے لئے جلدی نکل گئی تھی آپ بات نہ ہو سکی، آپ مجھے کچھ زیادہ ہی ڈپریس لگ رہی ہیں۔'' فضہ نے رابعہ بیگم کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے استفسار کیا تو دور کسی جزیرے پہ ننگے پیر، بھوکی پیاسی ماں اولاد کی جدائی میں بھٹکتی ہوئی دکھائی دی تو فضہ کا دل تڑپ سا گیا۔
''رافع کا فون آیا تھا۔'' رابعہ بیگم نے اتنا کہا اور ہچکیاں لینے لگیں۔
''رافع بھائی کا فون آیا تھا، اتنے عرصے بعد، خیریت تو ہے نا۔'' فضہ ایکدم گھبرا گئی۔

''کیا کہہ رہے تھے، کیوں فون کیا؟ امی پلیز کچھ تو بتائیں پریشانی سے میرا دل گھبرا رہا ہے۔'' فضہ عالم اضطراب میں ان کی جانب بڑھتے ہوئے بولی۔

''فضہ...... رافع کہہ رہا تھا کہ۔'' اس سے پہلے کہ رابعہ بیگم کچھ کہہ پاتیں احسان صاحب کی آمد پر سہم سی گئیں۔

''میرے گھر میں اس نافرمان اور ناہنجار کا ذکر بھی حرام ہے تو آپ دونوں کیوں اس کے بارے میں بات کر رہی ہیں اور فضہ اپنی امی کو سمجھانے کی بجائے تم اندر ہی اندر ان کی طرفداری میں مصروف ہو، کان کھول کر سن تو تم لوگ اگر میری غیر موجودگی میں بھی تم کسی قسم کا رابطہ رکھا تو میرا مرا ہوا منہ دیکھو گے۔'' احسان صاحب زخمی شیر کی طرح دھاڑے اور قینچی پکڑ کر لینڈ لائن فون کی تار کاٹ ڈالی، چند لمحوں کے لئے تو فضہ بھی سکتے میں آ گئی، وہ اکثر رابعہ اور احسان کے درمیان پس کر رہ جاتی تھی، ماں کو اس سے ہمدردی کی امید ہوتی تھی تو احسان صاحب کی طرفداری اور حمایت کی اور فضہ کو یہ ڈیوٹی سو فیصد انجام دینے کے لئے کوشش کرتی پڑتی ورنہ دونوں ہی ناراض ہو جاتے، رافع کی نافرمانی کا سارا نزلہ فضہ پہ آ گرا تھا، والدین کی امیدیں اس سے بہت بڑھ گئی تھیں۔

وہ دونوں کو راضی رکھنے کی کوشش کرتی مگر کبھی کبھار احسان صاحب کی بے پناہ سختی کے سامنے وہ نڈھال ہو جاتی، انسان ہونے کے ناطے وہ جتنی کوشش کر سکتی تھی کہ معاملات کو اعتدال پہ رکھنے کے لئے کرتی مگر جب تھک ہار جاتی تو دعاؤں کا سہارا لیتی کیونکہ پھر دعائیں ہی مومن کا واحد ہتھیار ہوتی ہیں جو ہر مایوسی اور اداسی کو کاٹ کر رکھ دیتی ہیں اور ایسی جگہ سے مثلے کا حل نکلتا ہے کہ انسان کے گمان میں بھی نہیں ہوتا۔

☆☆☆

رات کے آخری پہر پیاس کی شدت نے فضہ کو جگایا تو وہ لاؤنج میں آ گئی، جہاں رابعہ بیگم خدا کے حضور سجدہ ریز تھیں اور آنسو بہا رہی تھیں، یہ منظر دیکھ کر فضہ گھبرا سی گئی۔

''امی سب خیریت تو ہے نا؟'' فضہ نم نگاہوں کے ساتھ ماں کے قریب گئی اور لپٹ گئی دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے کے ساتھ لگی آنسو بہاتی رہیں، جب دل ہلکا ہوا تو رابعہ بیگم نے زبان پہ لگا قفل کھولا۔

''فضہ تمہارے بھائی کا فون آیا تھا، وہ بہت مشکل میں ہے۔'' وہ بمشکل روتے ہوئے بولیں۔

''کیسی مشکل؟'' فضہ کا دل دھڑک اٹھا۔

''فضہ، وہ دونوں میاں بیوی بینک میں جاب کرتے ہیں، تو اپنے اکلوتے بیٹے کو ملازمہ کے رحم و کرم پہ چھوڑ کر جانا ان کی مجبوری ہے، اب ملازمہ ماں باپ جیسی مہربان و ہمدرد نہیں ہو سکتی، اس کی غفلت کی وجہ سے ننھا مشام علی ایک دفعہ سیڑھیوں سے گرا اور سر پہ بری طرح سے چوٹ آئی اور دوسری بار گھر کا گیٹ کھلا دیکھا تو باہر سڑک پہ نکل گیا اور سامنے سے آتی موٹر سائیکل سے ٹکرا کر بہت بری طرح سے زخمی ہو گیا، بس زندگی تھی تو بچ گیا ورنہ۔'' ایک ماں کے لئے اولاد کے بارے میں کوئی بری بات نکالنا سخت تکلیف دہ ہوتا ہے، رابعہ بیگم نے سسکتے ہوئے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

''اوہ...... امی یہ تو بہت برا ہوا۔'' فضہ دہل کر رہ گئی۔

''مگر امی، بھائی آپ سے کیا چاہتے ہیں

بار بار کرنے کا کیا مقصد ہے؟'' فضہ نے سارا قصہ تو سن لیا مگر رافع کے فون کرنے کے پیچھے اصل وجہ کیا تھی وہ سمجھ نہ پائی تو الجھ کر پوچھ بیٹھی۔

''رافع چاہتا ہے کہ جب تک وہ دونوں میاں بیوی جاب پہ ہوتے ہیں مشام علی وہ وقت ہمارے پاس گزار لیا کرے تا کہ اس کی مناسب دیکھ بھال ہو جائے۔'' رابعہ بیگم بولیں، اصل بات سن کر فضہ حیران رہ گئی۔

''مگر امی ابو تو کبھی نہیں مانیں گے۔'' فضہ ڈر کر بولی۔

''ہاں اصل میں سارا مسئلہ یہی تو ہے، مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا کروں۔'' رابعہ بیگم کی آواز رندھ گئی۔

''اچھا...... امی آپ فکر نہ کریں، انشاء اللہ ضرور کوئی حل نکل آئے گا، اللہ پر بھروسہ رکھیے۔'' فضہ ماں کو پریشان نہ دیکھ پائی تو تسلی دینے لگی۔

ماں کو مطمئن تو کر آئی مگر اپنا اطمینان اس الجھن کے ہاتھوں غارت ہو گیا تھا، وہ مضمحل سی اپنے کمرے میں ٹہلنے لگی، وہ دل ہی دل میں رافع کی پسند کی شادی کے ہرگز خلاف نہ تھی، اس کی سوچ کے مطابق اگر کوئی انسان اپنی پسند اور مرضی سے اپنے شریک سفر کا انتخاب کرنا چاہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں، مگر خاندان کے بڑے بعض اوقات اس مسئلے کو انا کا مسئلہ بنا لیتے ہیں، جیسے کہ گناہ کبیرہ ہے پسند کی شادی کرنا اولاد کو نافرمان قرار دے کر جائیداد سے عاق کرنے کی دھمکی دی جاتی ہے، جینا مرنا ختم کر دیا جاتا ہے اور بعض اوقات تو یہ وصیت تک کر دی جاتی ہے کہ ایسی اولاد ہمارے جنازے کو کندھا نہ دے اور نہ ہی ایسی اولاد کو میت کا منہ دیکھنے کی اجازت ہو گی، بلکہ بعض صورتوں میں شادی تو کر دی جاتی ہے مگر ساری زندگی لڑکی کو یہ سزا بھگتنی پڑتی ہے کہ اس پر زندگی اتنی تنگ کر دی جائے کہ یا تو وہ خود گھر سے چلی جائے یا بیٹا طلاق دے کر یہ قصہ ہی ختم کر دے اور والدین کی جھوٹی انا کی تسکین ہو، ایسے فیصلوں کی زد میں زیادہ تر بیٹیاں ہی آتی ہیں، مگر کہیں نہ کہیں اس بات پر بیٹیوں کی بھی درگت بنائی جاتی ہے۔

☆☆☆

''ابو مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔'' فضہ اٹک اٹک کر بولی۔

کالج کی وین نہیں آئی تو حسن اتفاق سے اسے احسان صاحب کے ساتھ جانے کا موقع ملا۔

''ہاں بولو۔'' احسان صاحب بولے۔

''ابو...... وہ اصل میں۔'' فضہ گھبرا کر بولی۔

''بھئی کیا ہے، کالج فیس لینی ہے یا کوئی بک چاہیے، یا پھر ٹرپ پر جانا ہے۔'' احسان صاحب نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے ایک سرسری سی نگاہ فضہ پر ڈالی اور اس کی کالج کی ضروریات ایک منٹ میں گنوا ڈالیں۔

''نہیں ابو مجھے کوئی چیز نہیں چاہیے بلکہ رافع بھائی۔'' گاڑی کو اتنی زور سے بریک لگی کہ خوف کے مارے فضہ بات ہی مکمل نہ کر سکی، تیز رفتار بائیک آگے سے گزری تو احسان صاحب نے بمشکل گاڑی کو کنٹرول کیا اور کھا جانے والی نگاہ فضہ پہ ڈالی۔

''فضہ میں عام حالت میں اس نافرمان کا ذکر سننا نہیں پسند کرتا اور تم اس وقت اس کا ذکر کر رہی ہو جب کہ میں ڈرائیو کر رہا ہوں، جانتی ہو کتنا سیریس حادثہ ہو سکتا تھا۔'' احسان صاحب فضہ پر بری طرح برس رہے تھے، غصے کا طوفان تھمنے میں نہیں آ رہا تھا۔

''مگر ابو بات بہت ضروری ہے۔'' نفہ عاجزی سے بولی۔

''نفہ تمہارا کالج آ گیا ہے، اپنی کسی ضرورت کے لئے کوئی بھی بات کر سکتی ہو مگر...... ہر ایرے غیرے کا ذکر کرکے میرا قیمتی وقت نہ برباد کرو۔'' احسان صاحب نے اس کی درخواست نظر انداز کرتے ہوئے قدرے درشتگی سے کہا۔

گاڑی دھول مٹی اڑاتی نا جانے کتنی دور نکل گئی تھی، مگر اس دھول میں ایک بے بس ماں روتی پیٹتی ننگے پاؤں دیوانہ وار دوڑ رہی تھی، کبھی خدا کے آگے دکھڑا روتی تو کبھی بیٹی کے سامنے شکوہ کرتی، اپنی ماں کی بے بسی پر نفہ سلگ کر رہ گئی تھی۔

مردوں کے معاشرے میں مردوں کی مرضی ہی چلتی ہے عورتیں تو بس غلام ہوتی ہیں جو بلا چوں چرا ان کے حکم پر چلیں، حکم عدولی پہ طلاق کا انعام دے دیا جاتا ہے جو عورت کی سب سے بڑی کمزوری اور مرد کا سب سے مضبوط ہتھیار ہے، صرف تین الفاظ عورت کی ہر خدمت و ریاضت کو روند کر رکھ دیتے ہیں اور مرد فتح کے نشے میں چور ایک اور باندی ڈھونڈ لیتا ہے۔

☆☆☆

''ابو آخر اس میں کیا برائی ہے کہ رافع بھائی کا بیٹا چند گھنٹے ہمارے پاس گزار لیا کرے۔'' نفہ کے دل کو ایک پل کے لئے قرار نہیں آ رہا تھا، موقع ملتے ہی وہ ذکر چھیڑ بیٹھی جو دن رات رابعہ بیگم کا کلیجہ چھلنی کر رہا تھا۔

''ہرگز نہیں، رافع میرے لئے مر چکا ہے، اس کی اولاد کے لئے میرے گھر میں کوئی جگہ نہیں ہے۔'' احسان صاحب مکمل بات سنتے ہی بھڑک اٹھے۔

''ابو لیکن...... ناراضگی تو آپ کی رافع بھائی سے ہے اس کی سزا اس ننھے وجود کو کیوں ملے، کل کو اگر کوئی بڑا حادثہ ہو گیا تو بتائیں کیا ہم خود کو معاف کر پائیں گے۔'' نفہ جذباتی انداز میں بولی تو لہجہ بھیگنے لگا۔

''تو کس نے کہا تھا کہ پسند کی شادی کرے، ماں باپ کی نافرمانی کرے، ایسی خود غرض اولاد کو ضرورت کے وقت فوراً ماں باپ کی ہی یاد آتی ہے۔'' احسان صاحب کا لہجہ زہر خند تھا۔

''ابو ہم بھی تو نافرمانی کرتے ہیں اپنے مالک کی، دن میں نا جانے کتنی بار اس کے اصولوں کے خلاف جاتے ہیں، حلال کی بجائے حرام کام کرتے ہیں کیا وہ ہمیں طعنے دیتا ہے کیا ہم پر رزق و روزی کے دروازے بند کرتا ہے، کیا وہ دن رات یہ اعلان کرتا ہے کہ فلاں بندہ میرا نافرمان ہو گیا ہے اس لئے اسے سب اکیلا چھوڑ دو، جب وہ اتنی بڑی ہستی سب سے بڑی ذات کس قدر فیاضی سے ہمارے مقصود و خطائیں معاف کرتی ہے تو ہم انسان ایک دوسرے کے ساتھ درگزر کیوں نہیں کرتے؟'' نفہ احسان صاحب کی سختی سے عاجز ہوتے ہوئے بولی۔

اس کی بات پر احسان صاحب کی زبان کو تالا لگ گیا تھا، وہ گہری سوچ میں پڑ گئے تھے، نفہ کی باتوں سے پتھر دل میں شگاف پڑنے لگا، ماں کی دعائیں اور التجائیں رنگ لائیں، نفہ کی وکالت کامیاب ہوئی اور ننھے مشام علی کو اس شرط پر گھر آنے کی اجازت ملی کہ اس کے والدین کو گھر آنے کی اجازت نہیں ہوگی اور میرے ہوتے ہوئے مشام علی میرے سامنے ہرگز نہیں آئے گا، نفہ اور رابعہ بیگم کے لئے یہی بہت تھا۔

رافع اور عائشہ مشام کو ماں کے حوالے کر

جاتے اور واپسی پر خاموشی سے اسے ساتھ لے جاتے رابعہ بیگم کی زندگی میں تو گویا بہار آ گئی تھی، دو سال سے اپنے اکلوتے بیٹے کی جدائی کی سزا کاٹ رہی تھی، اللہ کو ان کی مامتا پر رحم آ گیا اور مشام کی صورت میں ان کی تکلیف کا خاتمہ ہوا، فضہ تو اس ننھے کھلونے کو گود میں اٹھائے پھرتی، پل بھر کے لئے بھی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتی، مشام علی بہت ہی پیارا تھا سرخ و سفید رنگت، سرخ ہونٹ، سنہری بال اور سیاہ چمکدار آنکھیں، وہ ایسا کھلونا تھا جس میں جان ڈال دی گئی ہو، مشام کی پیدائش کی اطلاع ملی تو رابعہ بیگم اور فضہ اسے دیکھنے کے لئے مچل سی گئی تھیں مگر احسان صاحب کی ناراضگی کے خوف سے وہ دیکھ نہ پائیں، قدرت ان پر یوں مہربان ہو گی کہ وہ ننھا وجود ہر پل ان کے سامنے ہو گا انہوں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

☆☆☆

''رابعہ بیگم، جلدی ناشتہ لا دیں، میں آفس سے لیٹ ہو رہا ہوں۔'' احسان صاحب ناشتے کی ٹیبل پر محو انتظار تھے۔

''لا رہی ہوں۔'' رابعہ بیگم گھبرا اٹھیں۔

جلے ہوئے سلائس، آدھا کچا پکا انڈہ اور ٹھنڈی بدمزہ چائے دیکھ کر وہ تپ اٹھے اس طرح کا ناشتہ اب انہیں ایک آدھ دن کے وقفے سے روز ہی ملنے لگا تھا، چند دن تو وہ برداشت کرتے رہے کہ ننھے مہمان کی آمد نے مصروفیت کو بڑھا دیا تھا مگر کب تک، جب برداشت ختم ہوئی تو جھنجھلا اٹھے۔

''رابعہ یہ کوئی طریقہ نہیں کہ اس شہزادے کی اولاد کے لئے آپ میرے ہر معاملے میں غفلت برتیں اور ویسے بھی اس کے باپ نے کون سا آپ کو فیض دے دیا ہے جو اس کی اولاد کی خدمت میں یوں جت گئی ہیں۔'' احسان صاحب کسی نہ کسی طریقے سے رافع کا غصہ نکالتے رہتے، رابعہ بیگم خاموشی سے ان کی ڈانٹ سنا کرتیں، ایک آدھ دن معاملات ٹھیک رہتے تو پھر تیسرے دن وہی بے ترتیبی دیکھ کر احسان صاحب کا میٹر گھوم گیا۔

''ہاں جی اب تو یہ نواب زادہ ہی اس گھر میں پلے گا، اسی کی آؤ بھگت ہو گی، میری اب کیسے پرواہ ہے، میں تو اپنا بندوبست کسی اولڈ ہاؤس میں کروا لیتا ہوں۔'' احسان صاحب اکثر ایسی باتیں کرتے تو فضہ دل ہی دل میں مسکرا کر رہ جاتی، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ خون کے رشتوں سے انسان جتنا مرضی ناراض ہو جائے مگر ان سے کبھی تعلق نہیں ختم ہوتا، یہ گلہ، غصہ، رنجشیں سب وقتی ہوتی ہیں اس کے دل کو کامل یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن مشام علی باپ اور بیٹے کو قریب لانے کی وجہ بنے گا۔

☆☆☆

صبح سے ہی آسمان کو سیاہ بادلوں نے گھیرے میں لیا ہوا تھا، موسلا دھار بارش نے احسان صاحب کو آفس سے چھٹی کرنے کا اشارہ دیا تو وہ بھی اپنی تھکاوٹ دور کرنے کے لئے آرام کرنے لگے، نیند کے دوران کوئی نرم سی چیز ان کے جسم کے ساتھ لپٹی ہوئی تھی جو کبھی گرفت ڈھیلی کرتی اور کبھی سختی سے لپٹا جاتی، نیند کی شدت اور کمرے میں اندھیرے کے باعث وہ ٹھیک طرح سے اندازہ نہیں کر پا رہے تھے کہ یہ کیا چیز ہے جو انہیں کافی دیر سے انہیں بے آرام کر رہی ہے۔

لائیٹ آن کر کے جو منظر انہوں نے دیکھا تو آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، مشام علی کا سر ان کے بازو پہ تھا اور ٹانگ ان کے پیٹ پہ دھری

تھی اور احسان صاحب نے پیٹ کو دبوچے وہ مزے سے سو رہا تھا، احسان صاحب کا خون کھول اٹھا۔

''رابعہ بیگم..... فضہ۔'' وہ زور سے چلائے، وہ دونوں بھاگم بھاگ اندر آئیں تو فضہ کی ہنسی چھوٹ پڑی جسے اس نے بمشکل چھپایا۔

''اس کو میرے پاس کس نے سلایا تھا؟'' احسان صاحب غرائے اور تنفر سے اسے اپنے سے پرے دھکیلا۔

مشام علی آنکھ کھلتے ہی رونے لگا، فضہ نے بھاگ کر گود میں اٹھایا اور بہلانے لگی مگر وہ گہری نیند سے جاگا تھا اوپر سے احسان صاحب کا چلانا وہ خوفزدہ ہو کر رونے لگا۔

رابعہ بیگم اور فضہ اس کو بہلاتے کبھی کوئی کھلونا دیتے مگر وہ روتا جا رہا تھا اس کی بے قراری احسان صاحب کے بے قرار کر گئی تھی، مگر وہ اپنی بدلتی کیفیت کو چھپانے کی حتی المقدور کوشش کر رہے تھے۔

''تم دونوں کی ہمت کیسے ہوئی اسے میرے کمرے میں لانے کی، جب تک میں گھر میں ہوں یہ میرے سامنے نہ آیا کرے۔'' اس کے رونے کی آوازیں احسان صاحب کے دماغ پہ ہتھوڑے کی طرح لگ رہی تھیں۔

''اصل میں، میں کچن میں مصروف تھی اور فضہ سو رہی تھی اس لئے اس کو یہاں لٹا دیا۔'' رابعہ بیگم گھبرا کر بولیں مگر احسان صاحب کا پارہ نیچے نہیں اترا تھا۔

☆☆☆

اس دن کے بعد تو فضہ کے ہاتھ تو گویا نسخہ کیمیا آ گیا تھا دو دلوں کو قریب لانے کا، وہ دل جو ذرا سی بات پر ایک دوسرے سے کتنے دور ہو چکے تھے، رافع بھائی بہت بار ابو سے معافی مانگنے کا کہہ چکے تھے مگر، احسان صاحب کی ڈکشنری میں معافی کا لفظ نہیں تھا، وہ بیٹے کو کسی صورت معاف کرنے کو تیار نہ تھے، دو خونی رشتوں کے درمیان رنجش دور کرنے کے لئے فضہ کو مشام علی کا وجود بہانہ لگ رہا تھا۔

اب فضہ مشام کو آزادانہ گھر میں لئے گھومتی، کبھی بہانے سے احسان صاحب کے کمرے میں سلا جاتی، کبھی احسان صاحب کے سامنے لان میں اس کے ساتھ کھیلتی جب وہ چائے پی رہے ہوتے، وہ اخبار کے پیچھے سے چوری چوری اسے جھانکتے اور کسی کی نظر پڑنے سے پہلے ہی اخبار میں مگن ہو جاتے، کبھی کوئی کھلونا تلاش کرتی تو گود میں اسے اٹھائے احسان صاحب کے قریب سے بارہا گزرتی، احسان صاحب جو کافی دیر سے انجان بننے کی اداکاری کر رہے ہوتے آخر کار وہ بھی دونوں کے ساتھ کھلونا ڈھونڈنے میں مگن ہو جاتے۔

''ابو آپ اسے گود میں پکڑیں میں دوسرے کمرے میں جا کر ڈھونڈتی ہوں۔'' فضہ بہانے سے اسے احسان صاحب کو پکڑاتی اور پھر دونوں کے درمیان پیار و محبت کے خفیہ اظہار کو چھپ کر دیکھتی اور لطف اندوز ہوتی۔

''اوہو بھئی اتنا رونے کی کیا ضرورت ہے، ابھی آپ کا کھلونا مل جائے گا۔'' احسان صاحب اسے بہلاتے اور آنسو صاف کرتے اور تسلی دیتے ہوئے بار بار اس نرم گلابی گالوں کا بوسہ لیتے اور کمال مہارت سے اردگرد کا جائزہ لیتے کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔

''رابعہ اب پکڑو اسے، فضہ بھی مجھے کن چکروں میں ڈال دیتی ہے۔'' رابعہ بیگم کو دیکھ کر مصنوعی خفگی سے کہتے تو رابعہ بیگم ہنسی کو ہونٹوں میں ہی دبا لیتی۔

''سود اصل سے زیادہ پیارا ہوتا ہے۔''
فضہ کو اب اس بات کا مفہوم سمجھ آیا تھا۔
انسان اپنی اولاد سے جتنا مرضی ناراض ہو جائے مگر اس کی اولاد کے معاملے میں دل عجیب سی رعایت دینے پر مجبور ہوتا ہے۔
ایسا ہی احسان صاحب کے ساتھ بھی ہو رہا تھا، جو اٹھتے بیٹھتے اپنے بیٹے اور بہو کے لئے غصے اور نفرت کا اظہار کرتے نہیں تھکتے تھے، وہ مشام کے وجود میں کھو کر اس نفرت کو کسی حد تک فراموش کر چکے تھے۔
''ارے بھئی فضہ، جلدی سے میرے بیٹے کا فیڈر لاؤ، تمہارے اپنے کام دھندے ہی ختم نہیں ہو رہے وہ بے چارہ کب سے بھوکا ہے۔'' متعدد بار پکارنے پر کوئی نہ آتا تو خود ہی اسے گود میں اٹھائے کچن میں پہنچ جاتے اور کسی ماہر گھر ہستن کی طرح مشام کا فیڈر بناتے، وہ کام جو شاید کبھی انہوں نے رافع کے لئے بھی نہیں کیا تھا، مشام کے لئے دل و جان سے کرتے۔
''لیں جناب، آپ کا فیڈر تیار ہے، ایسے ہی میری جان روئے جا رہی تھی۔'' وہ لاڈ بھرے انداز میں کہتے ہوئے کچن سے نکلتے تو رابعہ اور فضہ کی آنکھیں مسکراتے ہوئے بہت کچھ کہہ رہی ہوتیں۔
''پتہ نہیں تم دونوں کہاں غائب ہو جاتی ہو، اب اس عمر میں یہ تماشے کرنے کے لئے رہ گیا ہوں۔'' وہ مصنوعی خفگی دکھاتے ہوئے اپنا بھرم قائم کرنے کی کوشش کرتے۔
گزرتے وقت کے ساتھ احسان صاحب اس ننھے وجود کے عادی ہونے لگے تھے، ایک دن کے لئے وہ نہ آتا تو بے قرار رہتے اسے دیکھ کر قرار ملتا، بہانے بہانے سے اسی کا ذکر کرتے۔
اس کے ساتھ کھیلتے، اس کے ساتھ کھاتے، سوتے، اسے باتھ ٹب میں بیٹھا کر نہلاتے اور گدگدی کر کے خوش ہوتے، مشام علی کے ننھے منے سے قہقہے گونجتے تو فضہ اور رابعہ بیگم خدا کا شکر ادا کرتیں۔
شام کو لان میں اسے گود میں اٹھائے واک کرتے رہتے اور جب تھک جاتے تو راکنگ چیئر پہ آرام کی غرض سے یوں بیٹھتے کہ مشام علی سینے پہ ہی سو جاتا، فضہ اسے اٹھانے آتی تو وہ رونے لگتا۔
''فضہ کیا ہو جاتا ہے، کیوں تنگ کر رہی ہو، چھوٹے بچے کی نیند خراب ہو جائے تو وہ سارا دن چڑچڑا رہتا ہے۔'' احسان صاحب سیانی عورتوں کی طرح کہتے تو فضہ مسکرا کر رہ جاتی اور دل ہی دل میں دادا پوتے کے پیار کو دیکھ کر خوب انجوائے کرتی۔

☆☆☆

برسات کا موسم تھا، وقفے وقفے سے بارش ہو رہی تھی، موسم میں خنکی سے بڑھنے لگی، چند روز تک مشام علی نہ آیا تو احسان صاحب بے چین ہو اٹھے، فضہ کی زبانی پتہ چلا کہ مشام بیمار ہے تو دل بے قرار ہو گیا۔
''آج کل کے والدین تو بالکل لاپرواہ ہو گئے ہیں، چھوٹے بچے کو زیادہ کیئر کی ضرورت ہوتی ہے موسموں کی شدت سے فوراً بیمار ہو جاتے ہیں۔'' احسان صاحب کسی ماہر چائلڈ سپیشلسٹ کی طرح چھوٹے بچے کے لئے احتیاط بتاتے اور اس کے والدین کو دنیا جہان کا لاپرواہ اور بے حس جوڑا قرار دیتے۔
''ابو رافع بھائی اور بھابھی اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر گئے ہیں اب وہ پہلے سے بہتر ہے۔'' فضہ انہیں مطمئن کرنے کی ناکام سعی کرتی۔

''ارے رہنے دو، اندازہ ہے مجھے تمہارے بھائی کا کتنا ذمہ دار انسان ہے وہ جتنی پرواہ اسے ہماری ہے اتنی ہی اپنے بیٹے کی کر سکتا ہے، نافرمان اور نالائق؟'' مشام علی کے لئے جذباتی ہوتے ہوئے وہ رافع پہ زہر نکالنا نہ بھولے۔

''کیا ہو جاتا ہے آپ کو ذرا سی بات پہ رافع کو کوسنے دینے شروع ہو جاتے ہیں، بچہ تھا غلطی ہو گئی ہے معافی بھی مانگ رہا ہے مگر آپ معاف کرنے کو تیار ہی نہیں ہیں۔'' رابعہ بیگم رافع کے متعلق زیادہ دیر سن نہ پائیں تو بول اٹھیں۔

''رابعہ بیگم! میں اسے مرتے دم تک معاف نہیں کروں گا، میں تو اکثر گھبرا جاتا ہوں کہ رافع اسے اپنی طرح نافرمان اور گستاخ نہ بنا دے۔'' وہ فکر مند ہوئے۔

''ابو تو پھر بھائی پر کیس کر دیتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے گھر کا بچہ اغواء کر لیا ہے، عائشہ بھابھی پیار کرنے کے بہانے لے کر گئیں اور اڑن چھو ہو گئیں۔'' فضہ نے کہا تو رابعہ بیگم اپنی ہنسی نہ روک پائیں۔

رافع اکثر بہن اور ماں سے دادا پوتے کی عشق و محبت کی داستان سنتا تو خوشی سے پھولا نہ سماتا، اس کی آنکھیں بھیگ جاتیں، وہ دل ہی دل میں نادم تھا کہ اس نے اپنی ایک خواہش پوری کی کہ پسند سے شادی کر لی اور اپنے عزیز خونی رشتوں سے ہمیشہ کے لئے دور ہو گیا، فضہ کے سامنے آ کر کرتا تو وہ اسے حوصلہ دیتی اور صبر کی تلقین کرتی۔

''بھائی غمزدہ نہ ہو ایک دن ضرور آئے گا جب ابو کا دل آپ کے لئے نرم ہو گا اور یہ کام اللہ پاک کی مدد سے امن و محبت کے سفیر مشام علی کے ذریعے ہو گا۔''

کافی دن بعد بیمار رہنے کے بعد جب مشام دوبارہ آیا تو احسان صاحب کی جان میں جان آئی۔

''یار اتنے دن تو مجھ سے دور رہا ہے، تجھے تو میری یاد نہیں آئی مگر میں نے تجھے بہت یاد کیا۔'' احسان صاحب دیوانہ وار چومتے ہوئے والہانہ محبت کا اظہار کرتے ہوئے بولے، اسے اپنے ساتھ بھینچ ڈالا، وہ ننھا وجود بھی محبت کا جواب محبت سے دیتے ہوئے قہقہے لگا رہا تھا سارے گھر میں اس کی قلقاریاں گونج رہی تھیں۔

''بہت کمزور ہو گیا ہے میرا فرینڈ لگتا ہے تمہاری ماما نے تمہارا صحیح طرح سے خیال نہیں رکھا۔'' احسان صاحب اسے پیار کرتے ہوئے بولے اور ساتھ ہی ساتھ عائشہ کی غیر ذمہ داری اور ورکنگ ویمن ہونے پہ تنقید بھی کر ڈالی تو فضہ بے چین سی ہو گئی۔

''ابو ٹھیک ہے آپ کے بیٹے نے نافرمانی کی، زندگی کی اتنی بڑی خوشی اپنے ماں باپ کے بغیر ہی منالی، آپ کی ناراضگی بجا ہے مگر عائشہ بھابھی کو خواہ مخواہ مجرم بنائے رکھنا کہاں کا انصاف ہے، ان کا صرف یہ قصور ہے کہ وہ ورکنگ ویمن ہیں اور آپ کے لاڈلے بیٹے کو پسند آ گئی تھیں، آخر ہم لوگوں نے یہ سوچ کیوں بنا لی ہے کہ ورکنگ ویمن غیر ذمہ دار اور لاپرواہ ہوتی ہیں یا ان کا کردار مشکوک ہوتا ہے وہ شادی کرنے کے لئے بھولے بھالے مردوں کو پھانستی ہیں اور پھر انہیں ان کے والدین سے دور کر دیتی ہیں۔'' فضہ جذباتی انداز میں عائشہ کی وکیل بنی تو احسان صاحب بھڑک اٹھے۔

''بالکل، یہی مکار عورتیں ہوتی ہیں جو آزادانہ مردوں کے ساتھ گھومتی پھرتی ہیں اور پھر اپنی محبت کے جال میں پھنسا کر انہیں لے کر فرار ہو جاتی ہیں اور والدین ساری زندگی اپنے لخت

جلد سے جدا ہو جاتے ہیں۔'' احسان صاحب کا لہجہ تنفر بھرا تھا۔

''ابو معذرت کے ساتھ اب مرد اتنے بھی دودھ کے دھلے نہیں ہوتے کہ عورتیں انہیں ورغلاتی ہیں وہ تو فیڈر پی رہے ہوتے ہیں بہت ہی بھولے بھالے ہوتے ہیں کہ اپنے والدین کی انگلی پکڑ کر چلتے ہیں، عورت بھی انہیں اپنے حسن کے جال میں پھنساتی ہیں اور کبھی ان کا بینک بیلنس مردوں کو راغب کرتا ہے اور پھر یہ مرد ان کے حصول کے لئے اندھے ہو جاتے ہیں اور اپنے والدین تک کو چھوڑ دیتے ہیں، آپ کو تو علم بھی نہیں ہے کہ ابو عائشہ بھابھی کے والدین فوت ہو چکے ہیں اپنے دو چھوٹے بہن بھائی کا سہارا بننے کے لئے جاب کی اور مردوں کے ساتھ کام کرنا ان کی مجبوری تھی، انہوں نے رافع بھائی کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تھا بلکہ رافع بھائی ہی ان کی محبت میں گرفتار ہو گئے تھے۔''

''عائشہ بھابھی اکثر ہم سے اپنے ناکردہ گناہ کی معافی مانگتی ہیں کہ ان کی وجہ سے بیٹا اپنے والدین سے دور ہو گیا جس پر سخت شرمندہ ہوتی ہیں اور مشام علی کے سلسلے میں انہیں ہمارا سہارا لینا پڑا جس پر وہ بہت احسان مند ہیں، ابو غلطی ہماری ہے ہم ہمیشہ تصویر کا ایک رخ دیکھتے ہیں اور دوسرا رخ دیکھنے کی زحمت ہی نہیں کرتے۔'' فضہ اصل ماجرا بتاتے ہوئے دکھ سے بولی تو احسان صاحب لمحے بھر کے لئے خاموش ہو گئے۔

☆☆☆

رات گہری ہونے لگی تو دنیا بھی میٹھی نیند کے مزے لینے لگی مگر احسان صاحب کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی کیا واقعی وہ اپنے اصول وانا کے قیدی بن کے رہ گئے تھے، روایت پسندانہ دقیانوسی سوچ نے انہیں اتنے پیارے رشتوں سے دور کر دیا تھا اور اس کی سزا ایک ماں کو بھی دی جو دن رات اپنے بیٹے کی یاد میں آنسو بہاتی مگر احسان صاحب کو اپنے اصول خاندانی روایات کے سامنے کبھی اس کے آنسو دکھائی نہ دیئے، صرف چند دن مشام علی ان سے دور رہا اور وہ بے چین رہنے لگے مگر ایک ماں کو دو سال اس کے بیٹے سے جدا رکھا کہ اگر ملی تو طلاق دے دوں گا۔

انہیں عائشہ کے بارے میں جان کر بے حد ملال ہو رہا تھا، ماں باپ کے سائے سے محروم وہ لڑکی جو احسان صاحب کی شفقت و محبت کی مستحق تھی مگر انہوں نے اپنی ضد اور انا کی خاطر ہر نئے پرانے رشتے کو دھتکار ڈالا، مگر ابھی بھی وقت ہاتھ سے نہیں نکلا، خوشیاں ابھی بھی ان کی منتظر تھیں، بس ذرا سی ہمت کرنی تھی اور انا وضد کے جال کو کاٹ کر خود کو اس نام نہاد قید سے نجات دلانی تھی۔

☆☆☆

عید الاضحیٰ کی آمد آمد تھی ہر طرف گہما گہمی تھی، احسان صاحب اپنے ننھے فرینڈ کے ساتھ کافی دیر سے باہر نکلے ہوئے تھے، شام ہونے کو تھی مگر دونوں کا کچھ پتہ نہیں تھا۔

''بیٹا ذرا اپنے ابو کو فون ملاؤ نا جانے کہاں رہ گئے ہیں، رافع کا فون بھی کتنی بار آ چکا ہے وہ بھی فکر مند ہو رہا ہے۔'' رابعہ بیگم تشویش سے بولیں، فضہ نے ان کے نمبر پہ کال کی مگر رابطہ نہ ہو سکا، تو وہ سب پریشان ہو گئے کچھ دیر بعد بیل بجی تو وہ بھاگ کر گیٹ پر جا پہنچی۔

گیٹ کھولا تو باہر کا منظر دیکھ کر فضہ کی آنکھیں بھر آئیں، ایک طرف گود میں مشام علی کو اٹھایا ہوا تھا اور دوسرے ہاتھ میں بے شمار عید کے تحائف تھے، خوشی سے ان کا چہرہ دمک رہا تھا۔

''ابو آپ دونوں کہاں رہ گئے تھے؟'' فضہ پریشانی سے بولی۔

''ارے بھئی ہم دونوں سیر کرنے گئے تھے اور خوب انجوائے بھی کیا اور آئس کریم کھانے بیٹھ گئے۔'' احسان صاحب جوش سے بولے تھے۔

ٹی وی پہ محویت سے حج کے مبارک پرنور لمحات دیکھتے ہوئے احسان صاحب کا دل لرزنے لگا تھا وہ شدت غم سے آبدیدہ ہوگئے۔

☆☆☆

''اللہ قطع رحمی کرنے والے کو ہرگز پسند نہیں کرتا، اللہ اپنے بندوں کے اتنے بڑے بڑے قصور معاف کرتا، پھر ہم انسان جو خود خطاء کے تلے ہیں وہ ایک دوسرے کی غلطیوں کو معاف کرنے کا حوصلہ کیوں نہیں رکھتے۔'' الفاظ کیا تھے گویا دل کی بنجر زمین پر ٹھنڈی پھوار کی طرح پڑے تو ہر طرف جل تھل ہوگئی۔

وہ دو سال سے اپنے بیٹے سے ناراضگی پالے ہوئے تھے اور مرتے دم تک اسے معاف کرنے پہ تیار نہیں تھے مگر اللہ ہمیں روز معاف کرتا ہے اور نیکیوں کی توفیق بھی دیتا ہے اور ہر روز ہم گناہ کرتے ہیں، اگر اس نے پسند سے شادی کر لی تو کون سا گناہ ہو گیا تھا، اسلام نے پسند کی شادی کی اجازت دی ہے اور رافع نے ایک بے سہارا لڑکی کو سہارا دے کر تو نیکی کا کام کیا تھا، پھر اسے اتنی بڑی سزا کیوں دی گئی کہ دو سال سے بیٹے کو خود سے دور رہنے کا حکم دیا حالانکہ وہ اپنے عمل کی معافی بھی مانگتا رہا تھا صرف اس وجہ سے کہ والدین دکھی تھے ان کی دردمندی کے لئے رافع جھکنا چاہتا تھا مگر وہ ہمیشہ سختی سے لعن طعن کرتے ہوئے اسے دھتکارتے رہے احسان صاحب دل ہی دل میں سخت نادم ہو رہے تھے۔

''بڑوں کا کام تو چھوٹوں کی غلطیاں معاف کر دینا ہوتا ہے نا کہ چھوٹوں کے ساتھ برابر کا مقابلہ کرتے ہوئے معاملات کو مزید بگاڑ دینا، وہ بات جو دو سال سے رابعہ بیگم اور فضہ انہیں نہیں سمجھا سکی تھیں وہ مشام علی کے ننھے وجود نے انہیں سمجھا دی تھی۔''

☆☆☆

عید کا دن آن پہنچا تھا، احسان صاحب کے بے قراری سے اپنے فرینڈ کا انتظار تھا، مگر ابھی بھی تھوڑی انا آڑے آ رہی تھی، وہ عید کی نماز پڑھ کر لوٹے تو گھر میں کچھ ہلچل سی محسوس ہوئی مگر احسان صاحب خاموش رہے ان کی نگاہوں کو تو اپنے فرینڈ کا بے چینی سے انتظار تھا جو آخر کار دکھائی دیا۔

ننھا مشام سفید کرتا شلوار اور چھوٹی سی ٹوپی پہنے فرشتہ لگ رہا تھا، وہ دوڑتا ہوا آیا اور احسان صاحب کے سینے سے لگ گیا۔

''عید مبارک، عید مبارک۔'' وہ جو بڑی دیر سے محو انتظار تھے کھل اٹھے احسان صاحب جو دیوانہ وار اسے چوم رہے تھے یکایک ان کی نگاہ رافع اور عائشہ پر پڑی۔

بے ساختہ ہی دونوں کو دیکھتے اپنے بازو پھیلا دیئے وہ دونوں بھاگتے ہوئے آ کر احسان صاحب سے لپٹ کر آنسو بہانے لگے اور معافی مانگنے لگے احسان صاحب نے دونوں کے آنسو صاف کیے اور کہا۔

''ایک شرط پر معافی مل سکتی ہے کہ تم دونوں آج ہی اس گھر میں شفٹ کر جاؤ۔'' ان کی بات پر فضہ اور رابعہ مسکرا دیں، رافع اور عائشہ تو پہلے ہی ان کے ساتھ رہنا چاہتے تھے وہ بھی خوش ہوگئے، ننھا مشام تالیاں بجا کر اپنی خوشی کا اظہار کر دیا تھا۔

☆☆☆

''ممی...... ممی...... موحد یہاں بیٹھا تھا کہاں گیا؟'' وانیہ شاپنگ کے لئے تیار ہو کر نیچے لاؤنج میں آئی تو خالی لاؤنج اس کا منہ چڑا رہا تھا جبکہ ابھی کچھ دیر پہلے وہ موحد کو یہاں بٹھا کر گئی تھی۔

''میں نے اسے مارکیٹ تک بھیجا ہے ذرا، ابھی آ جاتا ہے۔'' اس کی ممی کمرے کی طرف جا رہی تھیں اسے رک کر جواب دیتے ہوئے بولی تھیں۔

''اُفوہ...... ممی آپ بھی کمال کرتی ہیں، مجھے دیر ہو رہی ہے اور آپ نے اسے مارکیٹ بھیج دیا ہے۔'' وہ جھنجلاتے ہوئے بولی تھی۔

''وانیہ تھوڑا صبر کر لو، آ جاتا ہے ابھی وہ تو چلی جانا بازار، تم سے دو منٹ ٹھہرنا محال ہو جاتا ہے۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں جبکہ وانیہ وہیں ٹہل ٹہل کر موحد کا انتظار کرنے لگی تھی، تھوڑی دیر بعد موحد اسے اندر آتا

ناولٹ

دکھائی دیا تھا، وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی تھی۔

''موحد کہاں چلے گئے تھے تم، چلو جلدی کرو چلیں اب۔'' موحد سے بات کرتے ہوئے اس کا لہجہ آپ ہی آپ نرم ہو جاتا تھا۔

''بیگم صاحبہ نے بھیجا تھا، میں انہیں کیسے انکار کرتا۔''

''اوکے...... اوکے...... اب چلو بھی۔''

''موحد تمہاری ماں جی کی طبیعت کیسی ہے اب؟'' موحد سبک روی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا، وانیہ بس پانچ چھ منٹ ہی خاموش رہ سکی تھی، پھر موحد سے باتیں کرنے لگی تھی، خود کو موحد سے باتیں کرنے سے وہ روک ہی نہ سکتی تھی، پتہ نہیں اس میں ایسی کیا بات تھی کہ وانیہ جیسی مغرور و نک چڑھی اور بے حد دولت مند لڑکی اس کی طرف یوں کھنچتی تھی جیسے مقناطیس لوہے کو اپنی طرف

کھینچتا ہے۔

''شکر ہے اب تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔''
موحد نادان نہیں تھا اپنی چھوٹی بی بی کی بدلی ہوئی نگاہوں اور نرم لہجے کا مفہوم بخوبی سمجھتا تھا مگر یہ الگ بات تھی کہ سمجھ کر بھی انجان رہتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا اس میں اور وانیہ میں زمین اور آسمان جتنا فرق اور فاصلے ہیں، وہ ایک مزدور پیشہ شخص جو اب اس دنیا میں بھی نہیں تھے کا بیٹا ہے اور اس وقت سیٹھ عماد الدین کا معمولی ڈرائیور ہے اور وانیہ عماد سیٹھ عماد الدین کی اکلوتی بیٹی ہے، یہاں نوکری کرنا اس کی مجبوری تھی اور وانیہ کے ہر التفات پر نظریں پھیر لینا اس نوکری کی ضرورت۔

''یہ تو اچھی بات ہے۔'' وانیہ ہلکا سا مسکرائی تھی، موحد نے سامنے شیشے میں سرسری سا اسے دیکھا تھا اور نظر سامنے سڑک پر مرکوز کر دی تھی، وہ موحد ہی تھا جو ان لمحات سے آسانی سے نکل جاتا تھا ورنہ وانیہ جیسی لڑکی کی اداؤں سے نکلنا آسان کہاں تھا، وہ بلاشبہ بے حد حسین تھی۔

''کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔'' گاڑی ایک شاپنگ پلازے کے سامنے رکی تو وانیہ نے اترنے سے پہلے موحد سے پوچھا تھا۔

''نہیں بی بی جی!''

''کتنی بار کہا ہے مجھے وانیہ کہا کرو وانیہ، یہ بی بی وی بی مجھے زہر لگتا ہے۔''

''اچھا وانیہ بی بی!''

''پھر وہی بات، خالی وانیہ نہیں کہہ سکتے ہو۔'' وہ چڑ گئی تھی۔

''زبان پر نہیں چڑھتا۔'' وہ اس کی حالت سے مزہ لینے لگا تھا۔

''بار بار کہو، چڑھ جائے گا۔'' وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی۔

''وانیہ بی بی یہ آپ کا اصرار ہے اور میری مجبوری۔'' وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

''تمہاری مجبوری سے میرا اصرار طاقت رکھتا ہے۔'' وہ کہہ کر گاڑی سے اتر کر شاپنگ پلازے میں داخل ہو گئی تھی، پھر جانے کیا ہوا تھا وہ دوبارہ باہر آئی تھی اور گاڑی میں بیٹھے ہوئے موحد کو اشارہ کر کے اپنے پاس بلانے لگی تھی، موحد گاڑی لاک کر کے اس کی طرف آ گیا تھا۔

''یہ کلر مجھ پر کیسا لگے گا؟'' ایک پنک کلر کے خوبصورت سوٹ کی طرف اشارہ کر کے وانیہ نے موحد سے پوچھا تھا، اس کے سرخ و سفید رنگ پر وہ پنک سوٹ کس قدر بھلا لگتا موحد اس سوٹ کو سامنے لٹکے دیکھ کر بھی اندازہ لگا سکتا تھا۔

''وانیہ بی بی! مجھے کیا پتہ ان باتوں کا، آپ کو جو اچھا لگتا ہے خرید لیں۔'' وہ وانیہ کی پذیرائی ہی تو نہیں چاہتا تھا اس لئے نظریں جھکا کر بولا تھا۔

''ارے بابا میں تم سے تمہاری مرضی پوچھ رہی ہوں، تمہاری پسند کی شاپنگ کرنا چاہتی ہوں آیا کچھ سمجھ شریف میں، اس لئے مجھے کھل کر بتاؤ۔''

''وانیہ بی بی! کہاں ہمارے جیسے لوگوں کی پسند اور کہاں آپ کی پسند، اس لئے مجھ سے مشورہ نہ ہی لیں تو بہتر ہے۔'' اس نے بڑے آرام سے اپنی اور وانیہ کی حیثیت کا فرق واضح کیا تھا۔

''فار گاڈ سیک موحد! اس فیزے سے باہر نکل آؤ۔''

''وانیہ بی بی! اس سے نکلنا اتنا آسان کہاں ہے، میں باہر گاڑی میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں آپ اپنی شاپنگ مکمل کر لیں۔'' وہ وانیہ کو کچھ اور کہنے کا موقع دیئے بغیر لمبے لمبے ڈگ بھرتا

ہوا باہر نکل گیا تھا، وانیہ وہیں حیرت کا بت بنی کھڑی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

''ٹک ٹک ٹک۔'' وہ فرنٹ سیٹ پر پاؤں پسارے نیم دراز تھا، جب تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد وانیہ نے گاڑی کا بند شیشہ اپنی انگلی سے بجایا تھا، اس نے جلدی سے دروازہ کھولا تھا وانیہ ڈھیروں شاپنگ بیگز گاڑی میں ڈالتے ہوئے خود بھی لمبے لمبے سانس لیتی ہوئی سیٹ پر گرسی گئی تھی، آج کی شاپنگ نے حقیقت میں اسے تھکا دیا تھا۔

''چلیں۔'' اس نے پیچھے مڑ کر فرض نبھایا تھا، وانیہ نے اثبات میں سر ہلایا تو اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

''موحد یہ تمہارے لئے ہے۔'' اس نے تین چار شاپنگ بیگز اگلی سیٹ پر رکھے تھے۔

''میرے لئے، مگر کیوں؟'' امپورٹڈ مہروں والے شاپنگ بیگز خود بتا رہے تھے کہ اندر جو کچھ بھی ہے وہ معمولی نہیں، موحد نے مہارت سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے ایک نظر شاپنگ بیگز پر ڈال کر اس سے پوچھا تھا۔

''کیوں کا کیا مطلب ہے، یہ میری طرف سے گفٹ ہے اور اب پلیز انکار مت کرنا ورنہ میرا دل ٹوٹ جائے گا۔''

''مگر وانیہ بی بی! یہ آپ کی طرف سے گفٹ نہیں مجھ پر احسانوں کی بارش ہے اور میں ایسے احسانوں کا متحمل نہیں ہو سکتا، آپ پلیز میری بات کا برا مت مانئے گا اور انہیں واپس لے لیں یہ اس بندے کو ملنے چاہیں جو ان تحائف کا صحیح حقدار ہے۔''

''پہلی بات تو یہ کہ یہ کوئی احسان نہیں ہے، ہم دوست ہیں اور دوستوں میں ایسے چھوٹے موٹے سلسلے عموماً چلتے رہتے ہیں اور دوسری بات یہ کہ اگر تم نے ان کو قبول نہ کیا تو میں ناراض ہو جاؤں گی۔''

''دوست!'' وہ زیر لب بڑبڑایا تھا یہ وانیہ بی بی بھی پاگل ہیں خود سے ہی ہر رشتہ استوار کیے جا رہی ہیں، وہ خاموشی سے ڈرائیونگ کرنے لگا تھا کیونکہ وانیہ سے بحث میں وہ جیت نہیں سکتا تھا۔

''سیماں بات سنو، یہ بیگز بھی نکال لو اور وانیہ بی بی کے کمرے میں رکھ دینا۔'' گھر میں آتے ہی وانیہ گاڑی سے اتر کر اندر چلی گئی تھی اور سیماں اس کی چیزیں گاڑی سے نکال نکال کر اس کے کمرے میں رکھ رہی تھی جب موحد نے سیماں سے کہا تھا اور خود گاڑی کی چابی بھی سیماں کو دے کر پیدل اپنے گھر کی طرف چل پڑا تھا۔

☆☆☆

بیگ صاحب گھر میں داخل ہوئے تو ٹی وی لاؤنج اور اس سے ملحقہ ڈرائینگ روم کسی مچھلی منڈی کا منظر پیش کر رہے تھے، کوئی چیز بھی ایسی نہیں تھی جو اپنے ٹھکانے پر موجود ہو، اخباریں اور کشن اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے، جوس کے مگ ٹیبل پر اوندھے پڑے تھے، ڈرائی فروٹ کے چھلکے صوفوں اور قالین پر بکھرے ہوئے تھے اور کئی ڈیکوریشن پیسز بھی اِدھر اُدھر لڑھکے ہوئے تھے ایسا لگتا تھا اس جگہ پر بھوت ناچ کر گئے ہوں، ابھی تو وہ کالج میں سر کھپا کر آ رہے تھے اور ہر بندے کی طرح ان کی بھی خواہش تھی کہ کالج اور ٹریفک کے شور سے لڑتے ہوئے جب گھر پہنچیں تو ایک آرام دہ اور پرسکون ماحول ان کا منتظر ہو، مگر گھر کی حالت دیکھ کر ٹریفک کی بدمزگی اور کالج کا شور شرابا بھی بھول گیا تھا۔

''عائشہ او عائشہ!'' انہوں نے فائلیں صوفے پر پھینکی تھیں اور خود بھی قریب ہی ڈھیر ہو

گئے تھے۔

''جی صاحب جی!'' عائشہ کچن سے ہاتھ پونچھتے ہوئے باہر نکلی تھی، ساتھ آتے ہوئے وہ پانی کا ٹھنڈا گلاس ضرور لے آئی تھی۔

''یہ سب کیا ہے؟'' انہوں نے ایک ہاتھ سے ابھی تک سر کو پکڑ رکھا تھا دوسرے ہاتھ سے عائشہ کے ہاتھ سے گلاس پکڑتے ہوئے بولے تھے۔

''صاحب جی کیا کروں، ہما اور سنی نے تو ناک میں دم کر رکھا ہے، یہ سب ان دونوں کی کارستانی ہے، میرا تو جی سارا دن ایسے ہی چیزیں سمیٹتے ہوئے گزر جاتا ہے، میں تو سوچ رہی تھی جی کہ تھوڑے بڑے ہوں گے تو کچھ سکون ہوگا، مگر اب تو ان کی شرارتیں اور بڑھ گئی ہیں۔''

وہ بیگ صاحب کو بتاتی بھی جاتی تھی اور ساتھ ساتھ چیزیں بھی سمیٹتی جاتی تھی۔

''اچھا، اب کہاں ہیں دونوں۔'' بیگ صاحب نے پانی کا خالی گلاس ٹیبل پر رکھا تھا اور عائشہ سے پوچھا تھا۔

''خان بابا کے ساتھ مارکیٹ گئے ہیں آئس کریم لینے، بس آتے ہی ہوں گے، میں کھانا لگاتی ہوں جی۔''

''اوکے۔'' عائشہ کچن کی طرف چلی گئی تھی اور وہ فریش ہونے کے لئے اپنے کمرے میں آ گئے تھے۔

''بابا آ گئے۔'' وہ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے صبح کے اخبار کا مطالعہ کر رہے تھے جب ہما اور سنی ہاتھوں میں آئس کریم لئے چلے آئے تھے، پانچ سالہ ہما بیگ صاحب کو دیکھتے ہی ان کے کندھے سے جھول گئی تھی۔

''کیسی ہے میری گڑیا رانی؟'' انہوں نے اپنے بازو ہما کے گرد پھیلا دیئے تھے۔

''فائن بابا! آئس کریم کھائیں گے؟''

''ابھی تو کھانے کا وقت ہے بیٹا، آپ ایسا کرو یہ آئس کریم آنٹی عائشہ کو دے دو وہ اسے فریزر میں رکھ دیں آپ پہلے ہمارے ساتھ کھانا کھائیں آئس کریم بعد میں اور سنی آپ بھی آ جائیں۔'' انہوں نے ہما اور سنی کو کھانا کھانے کا کہا تھا۔

''بابا مجھے بھوک نہیں ہے۔'' سات سالہ سنی کھانے کی طرف دیکھ کر ناک منہ چڑانے لگا تھا وہ شروع سے ہی کھانے پینے کے معاملے میں ایسا ہی تھا، کھانا تو زبردستی اس کو کھلانا پڑتا تھا۔

''ارے سنی بیٹا یہ دیکھیں آپ کی آنٹی عائشہ نے کتنے مزے کے رائس بنائے ہیں اور ساتھ میں پڈنگ بھی تو ہے، جلدی سے آ جائیں میں اور ہما تو کھانے لگے ہیں۔'' انہوں نے ساتھ ہی اپنی اور ہما کی پلیٹ میں چاول ڈالنے شروع کر دیئے تھے۔

''میں تو رائس کھاؤں گی۔'' ہما تو سدا کی چاولوں کی شوقین تھی، وہ باپ کے برابر کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

''کم آن سنی، ورنہ ہم آپ سے پہلے کھا جائیں گے۔'' بیگ صاحب نے ساکت کھڑے سنی کو پھر پکارا تھا اب اسے نا چاہتے ہوئے بھی اپنی چیئر سنبھالنا پڑی تھی، عائشہ مسکرا کر چائے کا پانی رکھنے کچن میں چلی گئی تھی بیگ صاحب کو کھانے کے فوراً بعد چائے کی طلب ہوتی تھی اور کھانے کے وقت سنی اور بیگ صاحب کا یہ انداز روز کا معمول تھا۔

''ہوں تو آج آپ لوگوں نے پھر خوب شرارتیں کیں، آنٹی کو خوب تنگ کیا، بھئی سچ سچ بتانا زیادہ تنگ کس نے کیا، ہما آپ نے یا سنی آپ نے۔'' کھانا کھاتے ہوئے بیگ صاحب

دونوں سے باتیں بھی کر رہے تھے۔
''بابا بھائی نے۔'' ہما جلدی سے بولی تھی۔
''نہیں بابا ہما نے۔'' سنی کہاں پیچھے رہنا والا تھا۔
''نہیں بابا بھائی نے۔'' انہوں نے ٹی وی بھی آف کر دیا تھا میں کارٹون دیکھ رہی تھی اور پھر انہوں نے ریموٹ بھی کہیں چھپا دیا تھا۔
''بابا اس نے بھی تو ساری چیزیں فرش پر پھینک دی تھیں۔''
''بابا بھائی نے آنٹی عائشہ کی بات بھی نہیں مانی تھی۔'' شکایتوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا بیگ صاحب خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے اور بلی خود بخود تھیلے سے باہر آ رہی تھی کہ کس نے کیا کیا اور کتنی شرارتیں کیں۔
''اچھا باس، اب خاموشی سے کھانا کھاؤ، جس نے جو جو کیا میں نے سن لیا ہے، آئندہ سے میں آپ کی آنٹی سے کہہ کے جایا کروں گا کہ جو زیادہ شرارتیں کرے یا انہیں تنگ کرے اسے Punishment دیں۔'' بیگ صاحب نے ہاتھ اٹھا کر دونوں کو خاموش کروایا تھا۔
''اب آپ لوگ اپنے روم میں جائیں اور اپنا ہوم ورک مکمل کریں۔'' وہ دونوں کھانا کھا چکے تھے بیگ صاحب نے انہیں آرڈر دیا تھا، وہ دونوں بڑے شریف بن کر اپنے کمرے کی طرف چلے گئے تھے۔
''صاحب جی چائے لے آؤں؟'' عائشہ نے پوچھا تھا۔
''لے آؤ۔'' بیگ صاحب اخبار اٹھا کر ٹی وی لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئے تھے اب کافی دیر تک چائے کی چسکیوں کے ساتھ انہیں اخبار پڑھنا تھا۔

☆☆☆

''مے آئی کم آن سر۔'' وہ فائل کو سینے سے لگائے دروازے میں ایستادہ اجازت کی منتظر تھی۔
''یس۔'' باس اپنے کام میں بزی تھے انہوں نے سر اٹھائے بغیر جواب دیا تھا وہ اندر آ گئی تھی۔
''سر! یہ حمید انٹرپرائزز والوں کی فائل۔'' اس نے فائل میز پر رکھتے ہوئے کہا تھا۔
''بیٹھیے مس مریم!'' عرفان صاحب نے چیئر کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا، وہ سر پر جما دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔
''ویری نائس، یہ گرین کلر تو آپ پر بہت سوٹ کر رہا ہے۔'' عرفان صاحب کی نظریں اب حریم کے وجود کا طواف کر رہی تھیں۔
''سر! آپ حمید انٹرپرائزز والوں کی فائل کو ایک نظر دیکھ تو لیں۔'' وہ عرفان صاحب کی معنی خیز نگاہوں سے یونہی پزل ہو جایا کرتی تھی، ابھی بھی اسے سمجھ نہ آ رہا تھا کہ کیا کہے اس لئے جلدی سے بولی تھی۔
''دفع کریں مس حریم حمید انٹرپرائزز والوں کو، میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ آج سے پہلے گرین کلر کا یہ شیڈ مجھے اتنا اچھا نہیں لگتا تھا مگر آپ کے وجود پر سج کر تو اس شیڈ کی بہار ہی کچھ اور ہو گئی ہے، رئیلی آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں۔'' وہ اب اپنی چیئر کی پشت سے ٹیک لگائے اپنے دائیں ہاتھ سے پیپر ویٹ گھماتے حریم کو یوں گھور رہے تھے جیسے نظروں ہی نظروں میں کھا جائیں گے، حریم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ عرفان صاحب کی نظروں کے ساتھ سے کسی جادو کے زور سے غائب ہو جائے۔
''اصل وجہ یہ ہے کہ آپ کا سراپا۔'' ابھی وہ

جانے کیا کہنے لگے تھے کہ فون کی تیز بیل نے انہیں اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا۔

''ہیلو سمیعہ ڈارلنگ، ہاں ہاں آجاؤ، کیش لے جاؤ، بابا جتنی چاہے شاپنگ کرنا دل کھول کر تمہیں کون روک سکتا ہے۔'' وہ اپنی مسز سے باتیں کررہے تھے۔

''سر میں جاؤں؟'' حریم نے اس موقع کو غنیمت جانا تھا اور کمرے سے باہر نکلنے میں ایک سیکنڈ نہیں لگایا تھا۔

''اُف۔'' باس کے کمرے میں اے سی کی وجہ سے کافی خنکی تھی مگر اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے، کمرے سے باہر نکل کر اس نے ایک لمبا سانس لیا تھا، اپنے دوپٹے سے پسینہ پونچھا تھا اور جلدی جان چھوٹ جانے پر خدا کا لاکھ شکرادا کرتی اپنے کیبن کی طرف آگئی تھی۔

''ایمن جو لڑکیاں گھر سے باہر نکل کر جاب کرتی ہیں، ان بے چاریوں کی بھی کتنی مجبوریاں ہوتی ہیں نا۔'' اپنی سیٹ پر بیٹھ کر وہ اپنی کولیگ سے کہنے لگی تھی۔

''ہاں وہ تو ہے، مگر حریم ان مجبوریوں کو کم کرنا بھی تو اپنے ہاتھ میں ہے نا اور اس کے لئے فل کانفیڈنس کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''مگر ایمن گھر کی چار دیواری سے باہر نکلنے والی لڑکیاں خواہ کتنی بھی کانفیڈنٹ کیوں نہ ہوں وہ مردوں کے اس معاشرے میں ان کا مقابلہ نہیں کرسکتیں، انہیں ہر وقت ایک تکلیف ایک اذیت کا سامنا رہتا ہے۔''

حریم ابھی بھی وہ تکلیف اپنے دل میں محسوس کرسکتی تھی جو ابھی کچھ دیر پہلے عرفان صاحب کی باتوں اور نگاہوں سے اسے سہنی پڑی تھی۔

''کیوں نہیں کرسکتیں، کرسکتی ہیں، میں اس بات کو نہیں مانتی، لڑکیاں اپنے اعتماد، ذہانت اور عقل سے مردوں کو مات کرسکتی ہیں۔''

''یہ صرف کہنے کی بات ہے اس پر عمل کرنا بہت مشکل ہے ایمن ظہیر۔''

''مائی ڈیئر حریم شہباز ایسا مشکل بھی نہیں ہے جتنا آپ نے بنا دیا ہے۔'' وہ بھی اس کے لہجے میں بولی تھی اور حریم ہلکا سا مسکرا کر اپنا کام کرنے لگی تھی، اس کے اور ایمن ظہیر کے خیالات کبھی نہیں مل سکتے تھے یہ بات تو طے تھی۔

''حریم حمید انٹرپرائزز والوں کی فائل سر سے سائن کروا کے واپس کیوں نہیں لائیں، مجھے اس کے کچھ بل بنانے ہیں۔'' کچھ دیر بعد ایمن نے اسے پوچھا تھا۔

''سر بزی تھے بعد میں دیکھ کے بھیج دیں گے۔'' وہ ایمن کو کیا بتاتی کہ سر عرفان نے وہ فائل دیکھی ہی نہیں بس اسے ہی دیکھتے رہے ہیں، وہ مصروف سے انداز میں بولی تھی تاکہ ایمن کو کچھ اور پوچھنے کا موقع نہ مل سکے۔

☆☆☆

''یہ حریم شہباز اچھی لڑکی ہے، اس کی ذات سے ایک وقار سا چھلکتا ہے۔'' ویمن ہاسٹل کے کمرہ نمبر سات میں بیٹھ کر حریم شہباز کے بارے میں کمنٹس پاس کرنے والی یہ مشائم علوی تھی اور اس کی بات نے باقی سب لڑکیوں کو حیران کردیا تھا، مشائم لاہور سے ہی تعلق رکھتی تھی اچھے کھاتے پیتے گھرانے سے تھی بس کچھ فیملی پرابلمز کی وجہ سے گھر میں رہنے کی بجائے ہاسٹل میں آگئی تھی اور باقی لڑکیوں کی طرح جاب نہیں کرتی تھی بلکہ ایک پرائیویٹ کالج سے ایم بی اے کررہی تھی، جس دن سے وہ ہاسٹل میں آئی تھی تب سے اس کی پرسنالٹی، اس کے اسٹائل اور اس کی ذہانت نے باقی سب لڑکیوں کو متاثر

کر کے رکھ دیا تھا، وہ سب مشائم علوی سے متاثر تھیں اور آج مشائم نے خود حریم شہباز کی تعریف کی تھی، ان سب کا چونکنا فطری سی بات تھی۔

مشائم جب حریم شہباز ساہیوال کے ایک گاؤں سے اٹھ کر لاہور آئی تھی تب اس کی پرسنالٹی دیکھنے والی تھی، ہم سب دیکھ کر ہنستے تھے اس کو، زارا فطرتاً حاسد تھی کسی کی تعریف کہاں برداشت کر سکتی تھی۔

''گویا تم لوگ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔'' مشائم نے افسوس سے کہا تھا۔

''یار تم اس کو دیکھتیں نا تو تم بھی ایسے ہی کرتیں۔'' عالیہ دھیرے سے بولی تھی۔

''لیکن اب تو وہ ایسی نہیں ہے نا، اب تو اس نے اپنے آپ کو بدل لیا ہے نا اور اب کے اس نے جو اسٹائل اپنایا ہے وہ اسے تم سب میں منفرد کرتا ہے۔'' مشائم علوی نے لگی لپٹی رکھے بغیر کہا تھا اور اس وقت باقی سب کے منہ دیکھنے والے تھے۔

''مشائم، حریم شہباز کا بیک گراؤنڈ بھی بس ایسا ہی ہے، ماں مر چکی ہے اور باپ نے دوسری شادی کر لی ہے اور دوسری بیوی اسے گھر میں ٹکنے نہیں دیتی تھی پھر بے چاری نے یہاں آ کر پناہ لی۔'' زارا نے سوچا تھا کہ مشائم جیسی لڑکیاں فیملی بیک گراؤنڈ کو اپنی ہٹ لسٹ پر رکھتی ہیں اس لئے اس نے یہ بات کر کے حریم شہباز کا وہ امیج خراب کرنا چاہا تھا جو مشائم کی نگاہوں میں بن چکا تھا۔

''کم آن یار! تم کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہو، میں نے حریم شہباز کی فیملی، اس کے بیک گراؤنڈ پر بات نہیں کی بس حریم کی اپنی پرسنالٹی کو ڈسکس کیا تھا، تم تو پتہ نہیں کون سے پہاڑ کھودنے بیٹھ گئیں۔'' مشائم، زارا کی کلاس لے کر وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

''ہونہہ امپریس ہونے کے لئے ایک مس حریم شہباز ہی تو رہ گئی ہیں۔'' زارا نے دانت پیسے تھے۔

☆☆☆

''مس آپ کو صاحب بلا رہے ہیں۔'' وہ ابھی آفس آ کر بیٹھی ہی تھی کہ پیون عرفان صاحب کا پیغام لے کر آیا تھا۔

''پتہ نہیں صبح ہی صبح اس کو کیا مصیبت آ گئی ہے۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے اپنی سیٹ سے اٹھی تھی۔

''آیئے آیئے مس حریم، کیسے مزاج ہیں؟'' عرفان صاحب اپنے سامنے چائے کے دو کپ رکھے بڑے خوشگوار موڈ میں بیٹھے تھے۔

''فائن سر!'' وہ مختصر جواب دے کر خاموش ہو گئی تھی۔

''ارے بھائی کھڑی کیوں ہیں، بیٹھیے نا، اصل میں آج صبح ہی چائے پینے کا موڈ ہو رہا تھا اور آپ تو جانتی ہیں مجھے اکیلے چائے پینے کی عادت نہیں ہے اس لئے آپ کو زحمت دی ہے۔'' اس کے بیٹھتے ہی عرفان صاحب نے چائے کا کپ اس کے آگے رکھ دیا تھا۔

''مگر سر میں تو چائے بہت کم پیتی ہوں اور ابھی تو گھر سے ناشتہ کر کے آئی ہوں۔''

وہ مجبوری کے تحت جاب ضرور کر رہی تھی مگر وہ بہت احتیاط سے رہتی تھی، اپنے اس آفس میں بھی اس کو ذرا ذرا سی بات کی فکر رہتی تھی اس وقت بھی وہ بڑی مشکل سے عرفان صاحب کے سامنے بیٹھ تو گئی تھی مگر اسے اس بات کی ٹینشن ہو رہی تھی کہ اس وقت کوئی آ گیا تو اس کے بارے میں کیا سوچے گا۔

''چلیں کوئی بات نہیں اس کم چائے میں یہ

والا کپ بھی شامل کرلیں۔'' وہ جان چھوڑتے نظر نہ آتے تھے، حریم نے یہ سوچا کہ اس کپ کو ختم کرکے ہی جان چھوٹے گی، اس نے جلدی جلدی گرم گرم چائے حلق میں انڈیلنی شروع کر دی تھی۔

''سر میں جاؤں اب؟'' گرم گرم چائے پینے سے اس کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے مگر وہ تین چار منٹ میں کپ کو خالی کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی اور اب ان سے جانے کی اجازت مانگ رہی تھی۔

''مس حریم آپ نے تو گرم گرم چائے پی کر اپنا آپ جلا لیا، مگر سوری میں ایسا نہیں کر سکتا اور جب تک میں چائے ختم نہ کرلوں آپ کیسے جا سکتی ہیں۔'' عرفان صاحب تو گویا اس کی حالت سے خوب ہی مزہ لے رہے تھے اور ان کی بات پر حریم کا جی چاہا تھا اپنا سر پیٹ لے۔

☆☆☆

''ہونہہ، یہ شخص اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے، مجھے یعنی وانیہ عماد کو ڈی گریڈ کرنا چاہتا ہے، میری اک نظر کے لئے لوگ کیسے دیوانے رہتے ہیں اور یہ بس پر میں اپنے کرم کی بارش کر دینا چاہتی ہوں اس کی اکڑ ہی ختم نہیں ہوتی۔''

تمام شاپنگ بیگز جس میں موحد کی چیزیں تھیں جو وانیہ نے اس کے لئے خریدی تھیں اس کے کمرے میں بکھرے پڑے تھے اور وہ غصے سے لال پیلی ہو رہی تھی، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ موحد ایسی حرکت کرے گا، مگر پھر اسے یاد آیا تھا کہ ایسی ہی حرکتوں کی وجہ سے تو اسے موحد اچھا لگنے لگا تھا۔

''سیماں دیکھو ڈرائیور آیا ہے کہ نہیں۔'' اس نے انٹر کام پر کچن میں موجود ملازمہ سے کہا تھا۔

''بی بی جی ڈرائیور نیچے بیٹھا ہے۔'' کچھ دیر بعد سیماں نے اسے اطلاع فراہم کی تھی، وہ تیار ہو کر نیچے آئی تھی آج اسے کالج میں کچھ کام تھا حالانکہ چھٹیوں کی وجہ سے کالج تو بند تھے مگر کالج کا ایڈمن بلاک ہمیشہ کھلا رہتا تھا، اسے آج ایڈمن میں ہی کام تھا۔

''بی بی جی کہاں جانا ہے؟'' موحد اسے گاڑی میں بیٹھتا دیکھ کر تیزی سے لپک کر اس کی طرف آیا تھا۔

''کالج۔'' پہلے تو اس نے بی بی جی کہنے پر اسے گھورا تھا اور پھر ناک چڑھا کر بولی تھی، وہ موحد سے اپنی ناراضگی پوری طرح دکھانا چاہتی تھی۔

''کتنی دیر لگے گی آپ کو؟'' ہمیشہ کی طرح آج وہ موحد کو بہانے بہانے سے مخاطب نہیں کر رہی تھی بلکہ خاموشی سے بھاگتے دوڑتے مناظر دیکھ رہی تھی، کالج کے سامنے گاڑی پارک کرتے ہوئے موحد نے پوچھا تھا، وہ اس کی ناراضگی کا سبب جانتا تھا مگر جان بوجھ کر نظر انداز کر رہا تھا۔

''کیوں؟'' وہ گاڑی سے اترتے ہوئے بولی تھی۔

''مطلب یہ تھا کہ جتنی بھی دیر لگے تمہیں کیا مسئلہ ہے۔''

''وہ صاحب کے پاس جانا ہے مجھے گاڑی لے کر، ان کی اپنی گاڑی ورکشاپ میں ہے۔'' موحد نے اپنا مسئلہ بتا دیا تھا۔

''مجھے اتنی دیر نہیں لگے گی، بس کچھ دیر انتظار کرو۔'' اسے کہہ کر وہ کالج میں گھس گئی تھی۔

اس کا کام تو جلدی ہو گیا تھا، مگر ایڈمن بلاک کے باہر اسے اپنی دوست مشائم علوی مل گئی تھی، مشائم سے باتوں میں اسے وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا تھا اور باہر گاڑی میں بیٹھا موحد

بے چینی سے پہلو پہ پہلو بدل رہا تھا، آخر اس نے تھک ہار کر وانیہ کے سیل پر اس کو مسڈ کال دی تھی۔

''اوہ سوری یار! مجھے تو جلدی جانا تھا۔'' اپنے سیل پر موحد کا نمبر دیکھ کر وانیہ جلدی سے بولی تھی۔

''مگر یار ابھی تو ہماری بہت سی باتیں ادھوری ہیں ہم ملے بھی تو کتنی دیر بعد ہیں۔'' مشائم کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ ابھی وانیہ کی جان چھوڑے۔

''تو ایسا کرو نا میرے ساتھ ہی آجاؤ، گھر جا کر خوب باتیں بھی کریں گے اور میں تمہیں مزیدار سا لنچ بھی کرواؤں گی، تم نے کون سا ہاسٹل جا کر کچھ کرنا ہے۔''

''ہوں، چلو ٹھیک ہے، چلتی ہوں۔'' مشائم نے کچھ دیر سوچ کر کہا تھا اور وانیہ کے ساتھ چل پڑی تھی۔

''یار تمہارا ڈرائیور تو بہت ہینڈسم ہے۔'' گاڑی میں بیٹھ کر مشائم وانیہ کے کان میں گھسی کہہ رہی تھی۔

''کہیں نظر نہ لگا دینا۔'' وانیہ عماد کسی کی تعریف کہاں برداشت کر سکتی تھی مگر یہاں ذکر کسی اور کا نہیں موحد کا ہو رہا تھا اس لئے کھلکھلاتے ہوئے بولی تھی۔

''اوہو بڑا خیال ہے اپنے ڈرائیور کا۔'' مشائم نے اسے کہنی ماری تھی، موحد مہارت سے گاڑی چلاتے ہوئے ان کی کھسر پھسر بھی سن رہا تھا، مگر بے نیازی دکھا رہا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ان امیر لڑکیوں کے چونچلے ایسے ہی ہوتے ہیں۔

''ایسے ہینڈسم بندے کا خیال کرنا ہی پڑتا ہے خواہ وہ کسی سیٹ پر کیوں نہ ہو، تمہیں تو پتہ ہے وانیہ عماد کو خوبصورتی کتنا اٹریکٹ کرتی ہے۔'' وانیہ فخر سے بولی تھی۔

''اوہو تو وانیہ عماد کو ایک ہینڈسم ڈرائیور کا خیال ہے، مگر میرے بے چارے بھائی کا خیال نہیں ہے، جو پتہ نہیں کب سے تمہارے پیچھے دیوانہ ہے اور تم ہو کہ اسے لفٹ ہی نہیں کرواتی ہو۔''

''ہونہہ، لفٹ کروانے کے لئے بھی تو اگلے بندے میں کچھ ہونا چاہیے، مائنڈ نہ کرنا یار مجھے تمہارا بھائی اور اس کی حرکتیں پسند نہیں ہیں۔'' اس نے مشائم علوی سے اپنی دوستی کی بھی پرواہ کئے بغیر صاف دلی سے کہا تھا۔

''دیکھ لو پھر سے میرے منہ پر ایسا کہہ رہی ہو اور میرا حال دیکھو کہ میں تمہاری باتوں پر تم سے ناراض نہیں ہوتی ہوں۔'' مشائم نے منہ پھلا لیا تھا۔

''اوہ کم آن یار، کون سی باتوں کو لے کر بیٹھ گئی ہو، چھوڑو کوئی اور بات کرو۔'' وانیہ کو مشائم کے بدتمیز سے بھائی سے ہمیشہ الرجی رہی تھی اس لئے اب بھی اس ٹاپک پر زیادہ بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''ڈرائیور ذرا گاڑی تیز چلاؤ۔'' کچھ دیر بعد مشائم نے ڈائریکٹ موحد سے کہا تھا۔

''ڈرائیور نہیں اس کا نام موحد ہے۔'' وانیہ کو اس طرح مشائم کا مخاطب کرنا بہت برا لگا تھا۔

''ڈرائیور کو ڈرائیور ہی کہوں گی نا۔'' مشائم تو اپنے بھائی کی خاطر اسے آزمانے پر تلی ہوئی تھی۔

''وانیہ بی بی یہ صحیح کہہ رہی ہیں ڈرائیور ہوں تو مجھے ڈرائیور ہی کہہ کر پکارا جائے گا نا۔'' اب کے بار موحد نے بھی وانیہ کی حالت کا پہلی بار مزہ لیا تھا۔

''ضروری نہیں جو ڈرائیور ہو وہ ہمیشہ ڈرائیور ہی رہے۔''

گھر آ کر وہ دونوں گاڑی سے اتر کر اندر جانے لگیں تو وانیہ کی فائل گاڑی میں ہی رہ گئی، وہ فائل اٹھانے کو واپس مڑی اور موحد کو مخاطب کر کے بولی تھی، مشائم اس سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی اس لئے اس کی بات بس موحد کو ہی سنائی دی تھی۔

''السلام علیکم آنٹی!'' مشائم، بیگم عمادالدین کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''وعلیکم السلام! کیسی ہو مشائم، بڑے دنوں بعد چکر لگایا ہے۔''

''بس آنٹی جی مصروفیت ہی ایسی رہتی ہے کہ ہیں آنے جانے کو بھی ترس جاتے ہیں۔''

''چل جھوٹی، ابھی تو جانے کب سے شاپنگ سینٹر پر پھر رہی تھی، ایک صرف میرے گھر آنے یا مجھ سے ملنے کا ٹائم نہیں ملتا تمہیں۔'' وانیہ نے مشائم کی بے چارگی سے کہی گئی بات کو چٹکیوں میں اڑا دیا تھا۔

''آج شاپنگ کے لئے بھی بڑے دنوں بعد ہی نکلی تھی۔''

''میں نے سنا ہے کہ تم ہاسٹل میں رہ رہی ہو اتنا بڑا اور پر آسائش گھر چھوڑ کے۔''

''آنٹی جی آپ کو تو پتہ ہے، ماما اور پاپا کی اپنی مصروفیت ہے اور بھائی لوگوں کی اپنی لائف، پھر جب سے ریشم آپی بیاہ کر امریکہ چلی گئی ہیں تب سے میں کتنی اکیلی ہو گئی ہوں، مجھے تو لگتا ہے کہ اتنے بڑے گھر میں تنہا رہتے رہتے میں ایک دن پاگل ہو جاؤں گی اس لئے ہاسٹل اٹھ آئی، یہاں گو کہ گھر جیسی سہولیات نہیں ہیں مگر رونق تو ہے نا، مجھے کمپنی تو مل جاتی ہے نا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے بیٹا، مگر گھر تو گھر ہی ہوتا ہے نا۔''

''آنٹی جی گھر کو گھر بنانا پڑتا ہے ورنہ وہ صرف خالی مکان رہ جاتے ہیں۔'' مشائم نے بڑی گہری بات کی تھی، وانیہ کی مما بس اس کے منہ کی طرف دیکھتی رہ گئی تھیں۔

''وانیہ یار اپنے ڈرائیور سے کہو مجھے گھر چھوڑ دے۔'' اسے یہاں آئے ہوئے کافی دیر ہو گئی تھی، وانیہ کے ساتھ ڈھیر ساری باتیں بھی کر لی تھیں اور ایک پرتکلف سا لنچ بھی کرنے کے بعد اس نے وانیہ سے کہا تھا۔

''مگر وہ تو شاید چلا گیا ہے پاپا کی گاڑی خراب تھی اسے آفس جانا تھا۔'' وانیہ مشائم کو موحد کے ساتھ بھیجنے سے ہچکچا رہی تھی۔

''نہیں وہ ادھر ہی ہے، تمہارے پاپا کی گاڑی ٹھیک ہو گئی ہے۔'' وانیہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی مشائم کو موحد کے ساتھ بھیجنا پڑا تھا۔

''جب کبھی وانیہ عماد کی نوکری چھوڑنے کا خیال آئے تو میرے پاس ضرور آنا میں تمہیں اس سے اچھا پیکج دوں گی۔'' راستے میں مشائم نے موحد سے کہا تھا۔

''جی ضرور۔'' وہ سعادت مندی سے بولا تھا۔

''کہیں کسی کیفے ٹیریا میں گاڑی تو روکنا، آئس کریم کھاتے ہیں۔''

''بی بی جی مجھے دیر ہو جائے گی، مجھے آپ کو ہاسٹل چھوڑ کے ایک بہت ضروری کام سے جانا ہے۔'' ساتھ ہی موحد نے گاڑی کی رفتار بھی تیز کر دی تھی اور پھر اسے ہاسٹل کے گیٹ پر اتار کے ہی دم لیا تھا۔

''اُف، یہ امیر زادیاں بھی لڑکوں کو دیکھ کر کیسے پاگل ہو جاتی ہیں۔'' واپسی پر موحد نے نفرت سے سوچا تھا۔

☆☆☆

''کیا بات ہے بیگ صاحب آپ بہت تھکے سے لگ رہے ہیں۔'' مس مریم ان کے قریب آ کر پوچھنے لگی تھی۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔'' وہ یونہی صوفے کی بیک سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے بیٹھے رہے تھے، مس مریم نے دوبارہ پوچھا تھا۔

''ہوں بس میری طبیعت تو ٹھیک ہے مگر ہما کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، ساری رات بخار میں تڑپتی رہی ہے۔''

''اوہ تو آپ نہ آتے آج، چھٹی کر لیتے، مجھے لگتا ہے آپ ساری رات اس کی وجہ سے جاگتے رہے ہیں۔''

''ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ، اس کی اتنی طبیعت خراب تھی پھر میں کیسے سو سکتا تھا۔''

''ماں نہ ہو تو باپ کو ماں کا رول بھی ساتھ ساتھ پلے کرنا پڑتا ہے۔'' مریم نے پیون کو دو چائے لانے کو کہا تھا چونکہ اس وقت اس کا پیریڈ فری تھا اس لئے آرام سے بیگ صاحب کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

''ہاں اور تب احساس ہوتا ہے کہ ایک ماں اپنے بچے کے لئے کیا کیا قربانیاں دیتی ہے۔'' بیگ صاحب بولے تھے۔

''آپ اگلے پیریڈ میں بھی ریسٹ کریں میں آپ کی کلاس کو دیکھ لوں گی۔'' چائے آ گئی تھی وہ لرم لرم چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے فکر مندی سے بولی تھی، ویسے بھی اس نے جس دن سے کالج جوائن کیا تھا اسی دن سے وہ بیگ صاحب کے لئے اپنے دل میں سب سے زیادہ جگہ رکھتی تھی، بیگ صاحب کی گریس فل شخصیت نے اسے پہلے دن سے ہی متاثر کیا تھا۔

''نہیں مس مریم آپ کو تکلیف ہو گی، میں اپنا پیریڈ لے لوں گا اور پھر جلدی گھر چلا جاؤں گا، ریسٹ تو گھر میں ہی ہوتی ہے۔''

''ہاں یہ ٹھیک ہے آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔''

''میں نے کل آپ کا فیچر پڑھا تھا اخبار میں، آپ کے قلم میں تو جادو ہے جادو، آپ نے عورتوں کی نفسیات پر کیا خوب لکھا ہے۔''

''تھینک یو بیگ صاحب، ایک عورت، عورت کی نفسیات کو نہیں جانے گی تو اور کون جانے گا۔''

''مگر مس مریم یہ کوالٹی تو ہر کسی میں نہیں ہوتی نا، ہر کوئی آپ جیسی سوچ تو نہیں رکھ سکتا نا۔''

''بیگ صاحب آپ نے تو ضرورت سے زیادہ ہی میری تعریف کر دی ہے۔'' مریم ہنستے ہوئے بولی تھی۔

''جو تعریف کے قابل ہو تعریف بھی تو اسی کی ہوتی ہے نا۔'' مریم سے ہلکی پھلکی باتوں نے انہیں رات والی ٹینشن سے کسی حد تک نکال دیا تھا، کچھ گرم گرم چائے کا اثر تھا، وہ خود کو کافی بہتر فیل کرنے لگے تھے۔

''مس مریم آپ کا بھی بہت بہت شکریہ اور اس چائے کا بھی، میں اب اپنی کلاس میں جا رہا ہوں۔'' وہ اپنی ڈائری اٹھا کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''کلاس لینے کے بعد گھر چلے جایئے گا، آپ کو ابھی بھی ریسٹ کی ضرورت ہے۔'' ان کے قدم بڑھاتے ہی مریم نے کہا تھا۔

''او کے۔'' انہوں نے ذرا سارک کر مس مریم کو دیکھا تھا اور پھر سر ہلا کر باہر نکل گئے تھے۔

''اب کیسی طبیعت ہے ہما کی۔'' وہ جلدی گھر آ گئے تھے، آتے ہی انہوں نے عائشہ سے

ہما کے بارے میں پوچھا تھا، عائشہ کو وہ صبح تاکید کر گئے تھے کہ وہ آج گھر کے کسی کام کو ہاتھ نہیں لگائے گی بس سارا وقت ہما کے پاس رہے گی۔

''اب تو بہت بہتر ہے جی، ابھی کچھ دیر پہلے میں نے اسے دلیہ بھی کھلا دیا ہے اور میڈیسن بھی دی ہے، ابھی سوئی ہے۔''

''ٹمپریچر تو نہیں ہوا دوبارہ۔''

''نہیں جی، آپ کے لئے کھانا لگاؤں جی، آپ نے [illegible] کچھ نہیں کھایا تھا، اب بے بی بالکل ٹھیک ہے۔''

''نہیں کھانا رہنے دو، اس وقت تو میں بس سوؤں گا۔'' ہما کی صحت یابی کا سن کر وہ ہلکے پھلکے ہو گئے تھے، ایسے لگا تھا جیسے ساری پریشانیاں ایک دم سے ختم ہو گئی ہیں۔

اولاد کے لئے بھی خدا پاک نے ماں باپ کے دل کیسے بنا دیئے ہیں، بس ان کے لئے دلوں میں محبت ہی محبت بھر دی ہے، اپنے بستر پر لیٹتے ہی پہلی سوچ یہی دماغ میں آئی تھی۔

''ہمارے ماں باپ نے بھی تو ہمیں یونہی تکلیفیں جھیل کر پالا ہوگا۔'' انہوں نے سوچا تھا اور ساتھ ان کی آنکھیں ماں باپ کی یاد میں نم ہو گئی تھیں، وہ دونوں ہی حیات نہیں تھے۔

''ماں باپ تو اپنا فرض ادا کر دیتے ہیں مگر ہم ان کی محبت اور تربیت کا قرض کیسے ادا کریں، ہم ساری عمر بھی ان کی خدمت کرتے رہیں تو بھی ادا نہیں کر سکتے، مگر مجھے تو ان کی خدمت کا موقع ہی کم ملا وہ دونوں کتنی تھوڑی زندگی لکھوا کر لائے تھے اگر آج ماں جی حیات ہوتیں تو ہما اور سنی کو ماں کی کمی بھی نہ محسوس ہونے دیتیں، مگر......''

ایسی باتیں سوچتے سوچتے وہ نیند کی گہری وادیوں میں اتر گئے تھے۔

☆☆☆

''منصور تم تھک گئے ہو نا۔'' فضہ کی نرم و نازک انگلیاں منصور کے بالوں میں سرسرانے لگی تھیں، منصور کو لگا تھا اس مسیحا گر لمس نے اس کی ساری تھکاوٹ چن لی ہے۔

''ہاں فضہ بہت، تمہارے بغیر بہت کچھ بکھر گیا ہے، میں بھی، آؤ اور مجھے سمیٹ لو۔''

''مگر منصور ابھی سے تھکنے لگے ہو ابھی تو منزل بہت دور ہے، ابھی تو تم نے سنی کو ڈاکٹر اور ہما کو اپنی طرح پروفیسر بنانا ہے، تمہیں یاد ہے نہ یہ میرا خواب بھی تھا اور تمہارا بھی۔''

''سنی اور ہما کی وجہ سے تو دوبارہ ہمت پکڑ لیتا ہوں، ٹوٹتا ہوں اور پھر خود کو خود ہی جوڑ لیتا ہوں، تمہارا اور میرا خواب ضرور پورا ہوگا، ہمارا بیٹا ڈاکٹر بنے گا اور بیٹی پروفیسر۔''

''اس کے لئے منصور کبھی ہمت نہ ہارنا، نہ کبھی خود کو تنہا سمجھنا، میں تمہارے ساتھ ہوں، تمہارے اردگرد، تمہارے دل میں، تمہاری یادوں میں۔''

''فضہ تم میرے ساتھ ہو تو پھر دور کیوں ہو، ادھر آؤ نا میرے قریب آؤ، میرے پاس آ کر بیٹھو، مجھے اور میری تھکن کو سمیٹ لو، آؤ نا، آؤ نا، آ بھی جاؤ، فضہ جان آ بھی جاؤ، آ جاؤ نا۔'' وہ سوتے میں بول رہے تھے اور ان کا ہاتھ فضہ کی طرف بڑھا ہوا تھا جو سفید کپڑے پہنے دروازے کے پاس کھڑی تھی اور منصور بیگ کے قریب آنے کی بجائے دور سے دور ہوتی جا رہی تھی۔

''آؤ نا، آؤ نا۔'' وہ اب خلا میں ہاتھ چلا رہے تھے ساتھ ہی ان کی آنکھ کھل گئی تھی، کمرے میں فل اے سی چل رہا تھا مگر وہ پسینے میں بھیگے ہوئے تھے، انہوں نے اٹھ کر پانی پیا تھا اور بڑی عجیب نظروں سے اپنے بیڈ روم میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگے تھے، فضہ کو ان سے بچھڑے تین سال

ہونے والے تھے مگر کون کہتا تھا کہ وہ ان سے دور ہو کر بھی دور ہے، وہ ہمہ وقت ان کے ساتھ رہتی تھی اور اس کی یادیں منصور بیگ کو بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپاتی تھیں۔

☆☆☆

''مس حریم آپ تیار رہیے، کچھ دیر بعد ہمیں حمید انٹرپرائزز والوں کی طرف جانا ہے اور ہاں اپنا سارا ریکارڈ ساتھ لے کر جانا ہے آپ نے، ان کے بلز میں جو گھپلا ہے وہ کلیئر کروانا ہے۔'' عرفان صاحب نے اسے فون پر کہا تھا۔

''اوکے سر۔'' اس نے تابعداری سے کہا تھا اور فائلیں سیٹ کرنے لگی تھی جو اسے ساتھ لے کر جانی تھیں، کچھ دیر بعد وہ اور عرفان صاحب ڈرائیور کے ساتھ حمید انٹرپرائزز جا رہے تھے۔

حمید انٹرپرائزز والوں نے کوئی دو گھنٹے ان کا سر کھایا تھا، مگر یہ تھا کہ تمام بلز کلیئر ہو گئے تھے، پھر وہ وہاں سے پرتکلف سی چائے پی کر واپسی کے لئے اٹھے تھے۔

''گاڑی روکو۔'' ایک چائنیز ریسٹورنٹ کے سامنے عرفان صاحب نے ڈرائیور کو حکم دیا تھا۔

''آیئے مس حریم!''

''مگر سر!'' ڈرائیور کی موجودگی میں وہ کچھ بھی کہنے سے ہچکچا رہی تھی اور اندر بھی جانے میں متامل تھی۔

''پلیز آیئے۔'' عرفان صاحب کو بھی ڈرائیور کا خیال تھا اس لئے بڑا سنبھل کر مگر اپنے لفظوں پر زور دے کر بولے تھے، حریم کو ناچار گاڑی سے اترنا پڑا تھا۔

''مس حریم لگتا ہے آپ کو ابھی تک ہمارے مزاج کا پتہ نہیں چلا، ہم تو اپنے سارے ورکرز کا بہت خیال رکھتے ہیں، آپ نے یہ جو اپنے اوپر خود ساختہ حصار چڑھایا ہوا ہے نا اس کو توڑ دیں، ورنہ یہ زندگی ایسے نہیں گزرے گی۔''

لنچ کا ٹائم ہونے والا تھا اس لئے عرفان صاحب نے چائنیز ڈشز کا آرڈر نوٹ کروا دیا تھا۔

''سر ابھی تو ہم چائے پی کر اور اتنا کچھ کھا کر آئے ہیں، اس کھانے کی کیا ضرورت ہے، آپ تو تکلف کر رہے ہیں، میں تو اب کچھ نہیں کھا سکوں گی۔'' عرفان صاحب اس سے جو باتیں کر رہے تھے یا اس کو در پردہ سمجھانا چاہ رہے تھے، وہ جان بوجھ کر سمجھنا نہ چاہتی تھی اس لئے ان کی باتوں کو قطعی نظر انداز کرتے ہوئے کھانے کے بارے میں کہنے لگی تھی۔

''تکلف میں نہیں تکلف تو آپ کرتی ہیں مس حریم۔'' وہ معنی خیز لہجے میں ذرا سا آگے جھک کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا تھا، وہ گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی تھی۔

''سر اگر آپ کی وائف ادھر آ جائیں تو؟'' وہ سادہ لہجے میں بولی تھی، عرفان صاحب قہقہہ مار کر ہنسے تھے۔

''نو پرابلم مس حریم، یہ آفیشل لنچ ہے، وہ اتنی جاہل نہیں کہ کاروباری پیچیدگیاں نہ سمجھ سکے۔''

''ہونہہ گویا تم سب ایک جیسے ہو۔'' حریم نے دل ہی دل میں اس گھڑی کو کوسا تھا جب وہ عرفان صاحب کے ساتھ آئی تھی۔

''مس حریم شروع کریں نا، بلکہ ہماری پلیٹ میں بھی اپنے نازک ہاتھوں سے کھانا ڈالیے۔''

کھانا سرو ہو گیا تھا اور عرفان صاحب آہستہ آہستہ پھیل رہے تھے۔

''سر آپ کھایئے، مجھے بھوک نہیں ہے۔'' وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھی رہی تھی۔

''یہ تو آپ کو کھانا پڑے گا حریم ڈیئر، ورنہ ہم بھی شام تک یہیں بیٹھے ہیں جب تک آپ کھانا نہیں کھائیں گی ہم یہاں سے اٹھیں گے نہیں۔'' عرفان صاحب نے کمینگی سے کہا تھا، حریم تو اچھی پھنس گئی تھی اس نے تھوڑا سا کھانا اپنی پلیٹ میں نکال لیا تھا اور دل نہ چاہتے ہوئے بھی کھانے لگی تھی۔

''واہ یہ کیسی مہمان نوازی ہے آپ خود کھانے لگیں اور ہمیں پوچھا بھی نہیں۔'' وہ ابھی تک اپنی خالی پلیٹ آگے رکھے بیٹھے تھے، حریم ان کی بات کا مطلب اچھی طرح سمجھتی تھی اس نے ان کی پلیٹ میں کھانا ڈال دیا تھا آخر کسی نہ کسی طرح سے یہاں سے جان بھی تو چھڑانی تھی، ورنہ جس طرح عرفان صاحب اطمینان سے بیٹھے ہوئے تھے ان کا ارادہ تو شاید شام تک یہیں بیٹھنے کا تھا۔

''واہ مزہ آ گیا، آج تو کھانے کا ٹیسٹ ہی الگ ہے۔'' وہ پوری طرح سے حریم کو زچ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

''اور لو نا، کیا پسند نہیں آیا۔'' اس نے تھوڑا سا کھانا زہر مار کر کے ہاتھ کھینچ لیا تھا، انہوں نے حریم سے کہا تھا۔

''سر تھینکس، میں کھا چکی ہوں۔'' وہ ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کر کے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی تھی جبکہ عرفان صاحب کی نظریں مسلسل اسی پر جمی ہوئی تھیں۔

''حریم آپ کی آنکھیں بہت خوبصورت ہیں، ان گہرے سمندروں میں ڈوب جانے کو جی چاہتا ہے۔'' ساتھ ہی انہوں نے اس کا نرم و نازک سا ہاتھ تھام لیا تھا۔

عرفان صاحب کی بات کیا تھی، حریم کے لئے ایک دھما کا تھا، حریم نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا تھا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو دوپٹے کے نیچے کر لیا تھا، اس کی پیشانی پر گہری شکنیں اس بات کی گواہ تھیں کہ اسے عرفان صاحب کا یہ عمل اور یہ بات کتنی ناگوار گزری ہے۔

''مس حریم آخر آپ میں کیا ہے جو آپ اپنے آپ کو کوئی الگ مخلوق سمجھتی ہیں، بس ایک عام سی لڑکی ہی تو ہیں دوسری بات سی ہزاروں لاکھوں لڑکیوں کی طرح۔'' کتنے ماہ ہو گئے تھے عرفان صاحب کو اس لڑکی کے ساتھ سر کھپاتے ہوئے، مگر اس کا خمیر جانے کس مٹی سے اٹھایا گیا تھا کہ وہ ٹس سے مس نہ ہوتی تھی، آخر تھا کیا اس میں ذرا سی ذہانت اور خوبصورتی، اب تو عرفان صاحب کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا، آخر وہ اس عام سی لڑکی پر کتنا ٹائم لگاتے۔

''سر میں نے کب کہا کہ میں کوئی خاص الخاص لڑکی ہوں یا مجھ میں دوسروں سے کچھ انوکھا ہے، میں تو اول روز سے ہی آپ سے کہتی آ رہی ہوں کہ میں بہت عام سی لڑکی ہوں جس کے عام سے خیالات ہیں اور جو اپنی عام سی روایتوں کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہے، اگر دنیا والے گزار لینے دیں گے۔'' وہ بھی ذرا تلخی سے بولی تھی۔

''حریم آپ بھی خاص بن سکتی ہیں، اگر آپ چاہیں تو۔'' انہوں نے تو گھی ٹیڑھی انگلیوں سے نکالنا چاہا تھا مگر یہاں تو معاملہ بگڑ رہا تھا اور معاملہ بگڑنے سے پہلے انہوں نے ایک دفعہ اور کوشش کرنا چاہی تھی۔

''نو سر میں خاص بننا نہیں چاہتی مجھے عام ہی رہنے دیں۔''

''اوکے، چلیں پھر، دیر ہو رہی ہے۔'' اب عرفان صاحب کو اپنے قیمتی وقت کی بربادی کا بھی احساس ہو رہا تھا اور اس لنچ پر اٹھنے والی رقم کا بھی، آخر دونوں چیزوں کے ضیاع کا نتیجہ تو کوئی

نہیں نکلا تھا، وہ عرفان صاحب کے پیچھے پیچھے باہر نکلی تو ڈرائیور نے اسے سرتا پا گھورا تھا اور ان نظروں میں کیا کچھ نہیں تھا اسے ایک پل میں احساس ہو گیا تھا، وہ جو باقی لڑکیوں کی نسبت بڑے سے دوپٹے کو اوڑھ کر فیکٹری آتی تھی آج گویا وہ پاکیزگی بھی دکھاوا ہو گئی اسے تو کم از کم یہی لگ رہا تھا۔

''صاحب فیکٹری جانا ہے اب؟'' ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا تھا اور حریم کو لگا تھا اس نے اس کے منہ پر طمانچہ مارا ہے کہ اب کہاں جانا ہے۔

آج کا دن حریم کے لئے بہت برا تھا، آج دنیا والوں کی نظریں شک کے ملبوس میں لپٹی اس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

''ہاں۔'' عرفان صاحب نے مختصر جواب دیا تھا اور اس مختصر سی ہاں سے ہی حریم اندازہ کر سکتی تھی کہ ان کا موڈ کتنا خراب ہے۔

''آج تو لگتا ہے خوب آؤٹنگ کی ہے۔'' آفس میں آنے کے بعد اس کا تھکا تھکا چہرہ دیکھ کر ایمن چہکی تھی۔

''آؤٹنگ کہاں کی ہے، یہ کہو خوب مغز ماری کی ہے۔'' وہ اپنی سیٹ پر گرنے والے انداز میں بیٹھی تھی۔

''حمید انٹرپرائز والوں کا معاملہ تو نمٹ گیا نا۔'' اس نے پھر پوچھا تھا۔

''ہاں یار وہ تو کلیئر ہو گیا ہے۔'' اس کو جسمانی تھکن سے زیادہ ذہنی تھکن محسوس ہو رہی تھی۔

''لگتا ہے بہت تھک گئی ہو، چائے پلواؤں؟''

''ہاں یہ تو نیکی ہے۔'' وہ عرفان صاحب کی باتوں کو بھلانے کی کوشش کر رہی تھی اور اس کے دل میں خدشہ بھی تھا کہ جانے اب وہ غصے میں آ کر اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں ہو سکتا ہے نوکری سے ہی فارغ کر دیں۔

''اس کا مطلب ہے مجھے اس نوکری سے ہاتھ دھونے کے لئے ذہنی طور پر تیار رہنا چاہیے۔'' وہ سوچنے لگی تھی۔

''کوئی بات نہیں اللہ مالک ہے ایک در بند تو سو کھل جاتے ہیں۔'' اس نے اپنے آپ کو مطمئن کیا تھا۔

''ہیلو ڈیئر، کہاں گم ہو، یہ لو جناب چائے۔'' وہ گہری سوچوں میں گم تھی جب ایمن نے اس کا کندھا ہلایا تھا۔

''ہوں۔'' اس نے شرمندہ سی ہو کر کپ تھام لیا تھا۔

☆☆☆

''حریم شہباز!'' وہ اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی جب اسے کسی نے پکارا تھا، اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو مشائم علوی کھڑی تھی۔

''فری ہو۔'' مشائم نے پوچھا تھا۔

''یس۔'' وہ بولی تھی اور حیران بھی تھی کہ آج مشائم علوی کو اس سے کیا کام پڑ گیا، ہاسٹل میں بس آتے جاتے ایک دوسرے سے سلام دعا ہو جاتی تھی ورنہ مشائم سے اس کی دوستی تو نہ تھی۔

''تو پھر آؤ میرے روم میں، تمہیں مزیدار سی کافی پلواؤں۔'' وہ دوستانہ لہجے میں بولی تھی۔

''تھینکس، اس وقت کسی چیز کی طلب نہیں ہے۔'' اس نے متانت سے جواب دیا تھا۔

''اوہو یار تکلف مت کرو آ جاؤ، کافی پینے کے لئے موڈ کی ضرورت نہیں ہوتی۔'' وہ خوش دلی سے بولی تھی، وہ اتنا اصرار کر رہی تھی، حریم کو اب کافی کی آفر کو رد کرنا اچھا نہیں لگا تھا وہ اپنے کمرے میں جانے کی بجائے مشائم کی طرف آ

گئی تھی۔

''جاب کیسی جا رہی ہے۔'' مشائم نے کافی میکر سمیت باقی سارا سامان بھی اپنے کمرے میں رکھا ہوا تھا۔

''ٹھیک ٹھاک۔'' وہ ایک چیئر پر بیٹھتے ہوئے بولی تھی۔

''آفس کا ماحول کیسا ہے؟'' مشائم نے پوچھا تھا۔

''بس ٹھیک ہی ہے۔''

''جو لوگ خود اچھے ہوتے ہیں ان کے لئے سب اچھا ہوتا ہے۔'' مشائم نے ہنستے ہوئے اس کی تعریف کی تھی۔

''لیکن ہمارے معاشرے کا ماحول ایسا ہے کہ یہاں عورت کا باہر نکلنا بے حد مشکل ہے، کتنا مرضی اچھا بن جاؤ ہر کوئی آپ کو اچھا بن کر نہیں ملتا، کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی موڑ پہ آپ کو اپنے حق کے لئے سروائیو کرنا پڑتا ہے، ان مردوں سے مقابلہ کرنا ہی پڑتا ہے۔'' وہ تلخی سے بولی تھی۔

''اچھا اب تم ڈراؤ تو نہ، ایم بی اے کرنے کے بعد میرا خواب بھی جاب کرنے کا ہے، تمہاری خوفناک باتیں سن کر تو لگتا ہے جاب کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔'' مشائم نے کافی کا کپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''نہیں تم جیسے لوگوں کے لئے مشکل نہیں ہے، نہ اچھی جاب ملنا اور نہ جاب کرنا، تمہارا تعلق جس طبقے سے ہے وہاں سب ناممکن کام ممکن اور سب مشکلات آسانیوں میں بدل جاتی ہیں، اس لئے تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، تم جہاں بھی جاب کے لئے جاؤ گی تمہارے لئے کوئی مشکل نہیں ہوگی۔'' حریم نے گرم اور تلخ چائے کا بڑا سا گھونٹ اپنے اندر اتارا تھا۔

''تمہارے کہنے کا مطلب ہے پاکستان میں امیر طبقے کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔''

''ہاں بالکل، صرف یہ کہنے کی حد تک نہیں ہے پاکستان کا یہی حال ہے۔'' وہ کل سے عرفان صاحب کے رویے کی وجہ سے بھری بیٹھی تھی اور آج مشائم نے اسے چھیڑ لیا تھا۔

''اوکے اوکے، میرے خیال میں اس کافی کی تلخی ہی بہت ہے، ہمیں اپنی باتوں سے ماحول کو مزید گرمانا نہیں چاہیے۔'' مشائم زیادہ دیر تک ایسی باتیں کہاں برداشت کر سکتی تھی وہ ویسے بھی منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوئی تھی اسے ان باتوں سے کیا غرض ہوتی تھی، ابھی بھی بات بدلتے ہوئے بولی تھی۔

''سوری میں نے تمہیں بھی پریشان کیا۔'' حریم نے بھی خود کو سمیٹ لیا تھا، جو درد ہی نہ جانیں ان کے سامنے لانے کا کیا فائدہ۔

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' مشائم کہنے لگی تھی۔

''بہت شکریہ مزیدار سی کافی کا، اب میں چلتی ہوں۔'' حریم کچھ دیر بعد اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''دوبارہ بھی جب بھی مزیدار سی کافی کا موڈ ہو تو حریم سیدھا میرے کمرے میں چلی آنا، بلاتکلف۔''

''اچھا اتنی تلخ باتوں اور بور کمپنی کے بعد بھی تم مجھے برداشت کرنا چاہو گی۔'' حریم ہولے سے ہنسی تھی۔

''یقیناً۔'' مشائم نے بھی شرارت سے کہا تھا اور ہنستی چلی گئی تھی، حریم حسرت سے اس کے مطمئن چہرے کو دیکھا اور ہمیشہ اس کے خوش رہنے کی دعا کرتی اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

(باقی آئندہ)

القرآن

O اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کر دی اور ایک آڑ ان کے پیچھے کر دی جس سے ہم نے (ہر طرف سے) ان کو (پردوں سے) گھیر دیا، سو وہ نہیں دیکھ سکتے اور ان کے حق میں آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں، یہ ایمان نہ لائیں گے۔ (سورہ یسین ۹، ۱۰)

O اور ان دونوں کے باغ کثیر شاخوں والے ہوں گے سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔
(سورہ رحمن ۴۸، ۴۹)

O یہ مقرب لوگ آرام کے باغوں میں ہوں گے ان کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں ہو گا اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں ہوں گے وہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ (سورہ الواقعہ ۱۲ تا ۱۶)

سعدیہ جبار، ملتان

حضور اکرم ﷺ کی پسند

من پسند چیز دیکھ کر الحمدللہ رب العالمین فرماتے، تکیہ، تیل، خوشبو، دودھ اگر کوئی پیش کرتا تو قبول فرماتے۔

سفید رنگ کا لباس آپ کو بہت محبوب تھا اور سبز رنگ کا لباس بھی پسند فرماتے۔

مشک اور عود کی خوشبو کی زیادہ پسند فرماتے۔

سفر کے لئے جمعرات کا دن پسند فرماتے۔

عشاء سے پہلے نہیں سوتے تھے۔

زندگی کے اوقات تین حصوں میں تقسیم کرتے تھے، ایک حصہ اللہ کی عبادت کے لئے، دوسرا گھر والوں کے لئے، معاشرتی حقوق کے لئے جن میں ہنسنا بولنا بھی تھا اور تیسرا اپنے نفس کی راحت کے لئے۔

آنسہ ممتاز، رحیم یار خان

فاتح عالم

ارسطو کے ہاں مختلف شہزادے زیر تعلیم تھے ایک روز ایک شہزادے سے ارسطو نے سوال کیا۔

''اگر تمہیں بادشاہت ملی تو میری تعلیمی خدمات کا کیا صلہ دو گے؟''

''میں تمام تر مہمات سلطنت میں آپ کے مشورے کو مقدم رکھوں گا۔'' یہی سوال ارسطو نے دوسرے شہزادے سے کیا، اس نے جواب دیا۔

''میں آپ کو برابر کا شریک رکھوں گا۔''

جب سکندر کی باری آئی تو اس نے عرض کیا۔

''مجھ سے اس بارے میں کچھ نہ پوچھا جائے کیونکہ اس کا فاعل حقیقی میں نہیں بلکہ خدائے برتر ہو گا۔'' ارسطو اس جواب سے بہت خوش ہوا اور کہا۔

''تیری اس دانائی کا جواب سب پر سبقت لے گیا اور مجھے تیرے اس جواب سے تیرے فاتح عالم ہونے کی خوشبو آتی ہے۔''

فریال امین، ٹوبہ ٹیک سنگھ

اٹل سچائی

☆ آخرت میں جنت اس کے حصے میں آئے گی جو دعوار پارسائی کرنے کے بجائے عمل کرتا

ہے اور عمل میں جان پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

☆ تواضع سر بلندی بڑھاتی ہے اور تکبر انسان کو خاک میں ملا دیتا ہے۔

☆ سرکش گھوڑا سر کے بل گر جاتا ہے اس لئے بلندی کی ضرورت ہو تو بلندی کا دعوا کرنا چاہیے۔

☆ جو شخص دنیا کی موج و مستی میں مشغول ہو اس سے دین کا راستہ پوچھ کر خود کو گناہ گار نہیں کرنا چاہیے۔

☆ اگر آپ کو مقام حاصل کرنا ہے تو اپنے سوا کسی کو حقیر نہ سمجھیں۔

☆ اگر آپ کو مخلوق خوش خلق اور نیک طبع کہتی ہے تو اس سے زیادہ اونچے مقام کی توقع نہیں کرنا چاہیے۔

☆ جو لوگ آپ جیسے لوگوں کو حقیر سمجھتے ہیں آپ کبھی اسے عزت دینے کو تیار نہیں ہوتے، اسی طرح اگر آپ کسی کو حقیر سمجھیں اور اس بات کے متمنی ہوں کہ دوسرا آپ کی عزت کرے عبث ہے

نازیہ کمال، حیدر آباد

کرن

اپنے لفظوں کی حفاظت کیجیے، کیونکہ لفظ آپ کی عادت بن جاتے ہیں، اپنی عادتوں کی حفاظت کریں، کیونکہ عادتیں آپ کا عمل بن جاتی ہیں، اپنے عملوں کی حفاظت کریں کیونکہ آپ کے عمل ہی آپ کی شخصیت بناتے ہیں۔

مریم رباب، خانیوال

اللہ پاک ہمیں کبھی نہیں بھولتا

اللہ پاک ہمیں کبھی نہیں بھولتا، مگر میں کتنی عجیب ہوں ناں، صحت یاب ہوں تو ''اللہ'' کو بھول جاتی ہوں، مصروف ہوں تو ''نماز'' کو بھول جاتی ہوں، برائی کروں تو ''انجام'' کو بھول جاتی ہوں، غیر محرم کو دیکھوں تو ''حیاء'' کو بھول جاتی ہوں، کھانا کھاتی ہوں تو ''بسم اللہ'' بھول جاتی ہوں، سوتے ہوئے ''توبہ'' بھول جاتی ہوں، غصے میں ''برداشت'' بھول جاتی ہوں، سفر پر جاؤں تو ''دعا'' بھول جاتی ہوں، کیا شان ہے میرے اللہ رب العزت کی کہ وہ پھر بھی نوازتا ہے اور ہمیں نہیں بھولتا۔

سیما نور رضوان، کراچی

(حکایات سعدی)

☆ کسی اچھے عمل سے دلی خوشی دینا ہزار سجدے کرنے سے بہتر ہے۔

☆ جاہلوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب ان کی دلیل مقابل کے آگے نہیں چلتی تو وہ لڑنا ختم کر دیتے ہیں۔

☆ نادان ڈھول کی مانند ہوتا ہے بلند آواز ہوتا ہے مگر اندر سے خالی۔

☆ اگر چاہتے ہو کہ تمہارا نام باقی رہے تو اپنے بچوں کو اچھے اخلاق سکھاؤ۔

حرا صدیق، جہلم

اقوال زریں

☆ انسان چاہے کسی بھی نسل کا ہو، کسی بھی رنگ کا ہو اس کے خون اور آنسوؤں کا رنگ ایک ہوتا ہے۔

☆ روٹھنا چاہیے مگر اتنا نہیں کہ منانے والا مناتے مناتے خود روٹھ جائے

☆ وقت ایک ایسا آوارہ گرد ہے جس نے آج تک کہیں قیام نہیں کیا۔

☆ عزت نفس ختم ہو جائے تو انسان کے لئے جرم و گناہ بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔

☆ ناکامی کا خوف ہی ناکامی کا آغاز ہے۔

☆ کامیابی اور ناکامی اتنی اہم نہیں جتنا کہ

انتخاب کا مقصد۔

☆ زندگی سے تقاضا اور گلہ نکال دیا جائے تو سکون پیدا ہوتا ہے۔

☆ حالات اور وقت کی تبدیلی سے بدلنے والے تعلقات سے بہتر ہے کہ انسان تنہا رہے۔

☆ اگر محنت میں لطف نہیں تو نتیجے کا انتظار تکلف ہے۔

☆ بعض اوقات الفاظ سے زیادہ خاموشی میں وضاحت ہوتی ہے۔

☆ دولت کی محبت غریبی کا ڈر پیدا کرتی ہے۔

☆ زندگی کی دوراہے چلتے چلتے بعض دفعہ ایسے لمحات بھی آتے ہیں جب انسان کو اپنے جذبات کچل کر دوسروں کے جذبات کا احترام کرنا پڑتا ہے، یہ ہی وہ منزل ہے جہاں انسانیت تکمیل پاتی ہے۔

☆ زندگی کو سادہ مگر خیالات کو بلند رکھو۔

☆ ظاہر پہ نہ جانا آگ دیکھنے میں سرخ نظر آتی ہے مگر اس کا جلا سیاہ ہو جاتا ہے۔

☆ خوش نصیبی ایسا پرندہ ہے جو تکبر کی منڈیر پر کبھی نہیں بیٹھتا۔

☆ بری عادت اپنانا آسان نبھانا مشکل اور چھوڑنا مشکل ترین ہوتا ہے۔

☆ جو آپ کو سچا سمجھتے ہیں اس سے جھوٹ بولنا سخت ترین خیانت ہے۔

☆ ہر مرض کا سرچشمہ ہماری بیجا خواہشات ہوتی ہیں۔

☆ ناکامی کامیابی کی طرف پہلا قدم ہے۔

مسز نگہت غفار، کراچی

دعا

میں نے دعا مانگی

زمین کی سلامتی کی

اس پر رزق کی فروانی کی

درختوں کی پناہ گاہیں آباد ہونے کی

ہجرت کر جانے والے پرندوں کی واپسی کی

لیکن ان سب دعاؤں سے پہلے

میں نے دعا مانگی

زمین کی رہائی کی

جویریہ ناصر، گلبرگ لاہور

وہم

علاقے کے بازار میں ایک خاتون نے اپنے سابق پڑوسی کی دس بارہ سالہ بچی کو سودا خریدتے دیکھا تو شفقت سے اس کا حال چال پوچھنے کے بعد دریافت کیا۔

''اور تمہارے امی ابو کیسے ہیں؟''

''امی تو ٹھیک ہیں لیکن ابو بیمار ہیں۔'' بچی نے بتایا۔

''ارے بیٹا، وہ بیمار ویمار کچھ نہیں ہیں، تمہارے ابو کو وہم ہو گیا ہے کہ وہ بیمار ہیں۔'' خاتون نے بڑے یقین سے کہا۔

کچھ عرصے بعد اسی بازار میں خاتون کی ملاقات بچی سے ہوئی تو انہوں نے ایک بار پھر بچوں کے والدین کی خیریت دریافت کی۔

''امی تو ٹھیک ہیں۔'' بچی نے دھیمی آواز میں سنجیدگی سے جواب دیا۔

''لیکن ابو کو وہم ہو گیا تھا کہ وہ مر چکے ہیں، کل ان کا چالیسواں تھا۔''

اُم ایمن، گوجرانوالہ

☆☆☆

سعدیہ عمر ---- سرگودھا
ہر شام نئے خواب اس پہ کاڑھیں گے
ہمارے ہاتھ اگر تیری شال آ جائے
ان ہی دنوں وہ میرے ساتھ چائے پیتا تھا
کہیں سے کاش میرا پچھلا سال آ جائے

....

موسم تھا بے قرار تمہیں سوچتے رہے
کل رات بار بار تمہیں سوچتے رہے
بارش ہوئی تو گھر کے دریچے سے لگ کر ہم
چپ چاپ سوگوار تمہیں سوچتے رہے

....

خود اپنی ذات اسیر عذاب رکھتے ہیں
ہمارے عہد کے انسان خواب رکھتے ہیں
یہ تاجران محبت بھی خوش گماں ہیں بہت
گناہ کرکے امید ثواب رکھتے ہیں
حرا صدیق ---- جہلم
وسیع القلب تھا جو زمانہ بھر میں
اپنا بنا تو تنگ نظر کمال کا تھا
بہت اداس ہے آج میرا دل
لگتا ہے کسی کی امیدوں کو توڑ بیٹھے ہیں

....

کوئی نرم گرم سا سایہ ہی دے دے اے زندگی
اس غموں بھری زندگی میں تو جھلس گئے ہیں ہم
کرچی کرچی بکھر کر آئینے کو دوں وہ سزا
جو میرے رشتوں نے مجھے ہر پل دی ہے

....

اب کے برس کچھ ایسی تدبیر کرتے ہیں
مل کے اک شہر محبت تعمیر کرتے ہیں
خزاں کی اجاڑ شامیں نہ آئیں اگلے برس
اس بہار رت کو زنجیر کرتے ہیں
رابعہ عمران چوہدری ---- رحیم یار خان
زخم بھی تیری عطا، درد بھی تیری بخشش
اور کیا چاہیے اتنی بڑی سوغات کے بعد
یہ ستارے تری پلکوں پہ کیا ہوتے تھے
آئینہ دیکھ ذرا گردش حالات کے بعد
جویریہ ناصر ---- گلبرگ لاہور
خوشی تم کو ملے ہر دم تمہارا حال اچھا ہو
تمہارے واسطے اللہ کرے یہ سال اچھا ہو

....

نہ جانے کیا ہوا ہے سال بھر میں
دیا روشن کہ مدھم ہو گیا ہے
ہمیں معلوم ہے اتنا کہ اک سال
ہماری عمر سے کم ہو گیا ہے

....

وہ وقت بھی دیکھا تقدیر کی گھڑیوں نے
لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی
ام ایمن ---- گوجرانوالہ
نیا ہے سال خوشی یوں منائیں اب کے برس
کہ گیت امن کا سب مل کے گائیں اب کے برس
کرو کچھ اب کے بہاروں کا ایسا استقبال
بہاریں آئیں تو آ کر نہ جائیں اب کے برس

....

جس کو معلوم نہیں منزل مقصود اپنی
کتنا بے کار ہے اس شخص کا چلتے رہنا

ہم نئے خواب بنیں گے نئے منظر لے کر
نئے سورج سے کہو روز نکلتے رہنا

....

یہ خنک رت ، یہ نئے سال کا پہلا لمحہ
دل یہ کہتا ہے کو موسم اب کوئی یاد آئے
ہم نے ماضی کی سخاوت پہ جو پل بھر سوچا
دکھ بھی کیا کیا ہمیں ، یادوں کے سبب یاد آئے
عابدہ سعید ---- گجرات
نجانے کیسے نئی رتوں میں پرانی یادوں کی ناؤ ڈوبی
نظر کے دریا میں آنے والا ابال کتنا عجیب سا ہے
ہتھیلیوں پہ رکھے چراغوں کو بجھایا ہوا نے پہلے
اداس موسم میں بے بسی کا یہ سال کتنا عجیب سا ہے

....

وہ جس سے رہا آج تک آواز کا رشتہ
بھیجے میری سوچوں کو اب الفاظ کا رشتہ
ملنے سے گریزاں ہے نہ ملنے پہ خفا بھی
دم توڑتی چاہت ہے یہ کسی انداز کا رشتہ

....

میرے مولا نے مجھ کو چاہتوں کی سلطنت دی ہے
مگر پہلی محبت کا خسارہ ساتھ رہتا ہے
سفر میں عین ممکن ہے میں خود کو چھوڑ دوں لیکن
دعائیں کرنے والوں کا سہارا ساتھ رہتا ہے
رمشہ ظفر ---- بہاول پور
اس کی آنکھوں میں کوئی دکھ بسا ہے شاید
یا مجھے خود ہی وہم سا ہوا ہے شاید
میں نے پوچھا کہ بھول گئے ہو تم بھی
پونچھ کر آنسو مجھے اس نے کہا ہے شاید

....

خدا کے خوف سے ڈرتا ہوں لیکن یاد رکھ
بات جب حد سے بڑھی رسمیں اٹھا دی جائیں گی

....

آہ بن کے سانسوں سے نکل آؤں گا
اور رو کے گا تو آنکھوں سے نکل آؤں گا
بھول جانا مجھے اتنا آسان نہیں جاناں
باتوں باتوں میں ہی باتوں سے نکل آؤں گا
عاصمہ سرور ---- وہاڑی
تجھ سے منسوب ہوئے تو یہ حسرت ہی رہی
ہم کبھی اپنے حوالے سے پکارے جاتے

....

جہاں بھی جانا تو آنکھوں میں خواب بھر لانا
یہ کیا کہ دل کو ہمیشہ اداس کر لانا
میں برف رتوں میں جلا تو اس نے کہا
پلٹ کے آنا تو کشتی میں دھوپ بھر لانا

....

رابطہ پیڑ سے کٹ جاتا ہے جس وقت ضفی
خشک پتے کو تو جھونکے کا بھی ڈر رہتا ہے
رابعہ ارشد ---- فیصل آباد
یاد بھی اس کی یہ کہتے ہوئے دل سے نکلی
ایسی اجڑی ہوئی بستی میں بھلا کیا رہنا

....

کبھی کبھی یہ سب اپنا خیال لگتا ہے
وہ میرا ہے یا نہیں الجھا سوال لگتا ہے
میں وفا کر کے بھی گمنامیوں میں ہوں
وہ بے وفا ہے مگر بے مثال لگتا ہے

....

ہم یہی پوچھتے پھرتے ہیں زمانے بھر سے
جن کی تقدیر بگڑتی ہے وہ کیا کرتے ہیں
مسرت مصباح ---- لاڑکانہ
کبھی ہم بھیگتے ہیں چاہتوں کی تیز بارش میں
کبھی برسوں نہیں ملتے کسی ہلکی سی رنجش میں
تم ہی میں دیوتاؤں کی خوبو نہ تھی ورنہ
کمی نہ تھی کوئی میرے انداز پرستش میں

....

یونہی ختم ہجر کا باب ہو نئے سال میں

کوئی خواب ہی تیرا خواب ہو نئے سال میں
کبھی یوں بھی ہو کسی شب کو تو مجھے آ ملے
گئے رتجگوں کا حساب ہو نئے سال میں

سعدیہ جبار ---- ملتان

ممکنہ فیصلوں میں ایک ہجر کا فیصلہ بھی تھا
میں نے تو ایک بات کی اور اس نے کمال کر دیا
میرے لبوں پہ مہر تھی پر میرے شیشہ رو نے تو
شہر کے شہر کو میرا واقف حال کر دیا

....

یہ سنگریزے عداوتوں کے، وہ آبگینے سخاوتوں کے
دل مسافر قبول کر لے، ملا جو کچھ جہاں سے
تو ہم نفس ہے، نہ ہم سفر ہے، کسے خبر کہ تو کدھر ہے
میں دستکیں دے کر پوچھ بیٹھا مکیں مکیں سے مکاں مکاں سے

آنسہ ممتاز ---- رحیم یار خان

اس نسل کا ذہن کٹ رہا ہے
اگلوں نے کٹائے تھے فقط سر

....

کیا برا ہے کہ میں اقرار محبت کر لوں
لوگ ویسے بھی تو کہتے ہیں گناہ گار مجھے

فریال امین ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

کون رہتا تھا نہ جانے اس جا
خواہشیں نقش ہیں دیواروں پر

....

یہ نہ ہو شہر میں کہ تنہائی کے مجرم ٹھہرو
دل ملیں یا نہ ملیں ہاتھ ملاتے رہنا
میں ہمیشہ کی طرح سچ ہی کہوں گا عارف
تم ہمیشہ کی طرح زہر پلاتے رہنا

....

ہمارے عجز کو سمجھا نہیں گیا محسن
ہم آزما کے اب اپنی انا دیکھتے ہیں

نازیہ کمال ---- حیدر آباد

حسن کی خوشبو سے مہکتی تھی پگھلتی ہوئی آگ
پھول ایسے بھی تو موسم سفاک میں تھے

....

سال کی پہلی کرن کے ساتھ پھر جاگا ہے دل
پھر میری وہی طلب اس کے برس مل جائے تو

....

اب سیل بلا چاہے گزر جائے جدھر سے
میں گھر ہی بناتا نہیں طوفان کے ڈر سے

مریم رباب ---- خانیوال

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے تو ہیں چرچا نہیں ہوتا

....

اس زندگی میں اتنی فراغت کسے نصیب
اتنا نہ یاد آ کہ تجھے بھول جائیں ہم

....

محبت کے لئے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر گایا نہیں جاتا

اُم خدیجہ ---- شاہدرہ لاہور

ہمیں بجھانے کو اندر کا حبس کافی ہے
ہم مزاجوں کا احسان کم اٹھاتے ہیں

....

علم نے کرب اضطراب دیا
کس قدر پرسکون تھی نادانی

فرح عامر ---- جہلم

اندھیروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے والو
اجالوں کا پس نظر بڑا تاریک ہوتا ہے

....

یوں ہی تو شاخ سے پتے گرا نہیں کرتے
بچھڑ کے لوگ زیادہ جیا نہیں کرتے

....

میرے لہو میں کھلے ہیں تیرے ہجر کے پھول
کب آئے ان پہ تیرا موسم وفا دیکھیں

☆☆☆

الجھیں گے ابھی کئی بار لفظ سے مفہوم
سادہ ہے بہت وہ نہ میں آسان بہت ہوں
عمرانہ علی ---- حاصل پور
نیند تو آنے کو تھی پر دل پرانے قصے لے بیٹھا
اب خود کو بے وقت سلانے میں کچھ وقت لگے گا

....

زندگی کیسے بسر ہو گی ہم کو تابش
صبر آتا ہے نہ آشفتہ سری آتی ہے

....

اسے تشبیہ کا دوں آسرا کیا
وہ خود ایک چاند ہے پھر چاند سا گیا
بہت نزدیک آتے جا رہے ہو
بچھڑنے کا ارادہ کر لیا کیا
عظمیٰ جبیں ---- لیہ
یہ ضد ہے ہماری کہ اسے چھین لیں سب سے
ہم اور زمانے سے تقاضا نہیں کرتے
گوشہ تنہائی میں رو لیتے ہیں اکثر
ہم شہر کی گلیوں میں تماشا نہیں کرتے

....

ہم نے اپنی اداسی کا اس طرح بھرم رکھا
رابطے کم کر دیے مغرور کہلانے لگے

....

محور سوچ دونوں کا ایک ہی ہے
مجھے اس سے اور اسے خود سے فرصت نہیں ملتی
وردہ منیر ---- لاہور
ڈھلنے لگی تھی رات کہ تم یاد آ گئے
پھر اس کے بعد رات بہت دیر تک رہی

....

بہت امید رکھنا اور پھر بے آس ہونا بھی
بشر کو مار دیتا ہے بہت حساس ہونا بھی

....

عشق ہے اپنے اصولوں پہ ازل سے قائم

امتحاں جس کا بھی لیتا ہے رعایت نہیں کرتا
ثمرہ شیرازی ---- چونکی
محبت کے سفر میں دل جلا کر چین ملتا ہے
تمہارے درد کی محفل سجا کر چین ملتا ہے
کبھی احساس ہوتا ہے بہاروں کے اجڑنے کا
کبھی سوکھے ہوئے پتے اٹھا کر چین ملتا ہے

....

تیر کھائے ہیں ہم نے اپنوں سے
یہ کرم خیر خواہ کرتے رہے
اپنا سمجھا تھا ہم نے جن کو قدیر
وہ ستم بے پناہ کرتے رہے

....

تجھ سا کوئی آیا ہے نہ آئے گا جہاں میں
دیتا ہے گواہی یہی عالم کا جریدہ
حفصہ حماد ---- کراچی
یوں ذہن میں جمال رسالت سا گیا
میرا جہاں فکر و نظر سا گیا
اس کے قدم سے پھوٹ پڑا چشمہ بہار
وہ دشت زندگی کو گلستاں بنا گیا

....

میں کرب کے تپتے ہوئے صحرا میں کھڑا ہوں
آقا تیری رحمت کو دیکھ رہا ہوں
گو مجھ کو عقیدت کے سلیقہ تو نہیں ہے
اتنا ہی کافی ہے تیرے در پہ کھڑا ہوں

....

یہ آسمان محبت یہ کیسی رونق ہے
چمکتا عشق محمدؐ میں ہر ستارا ہے
مصباح فیصل ---- کوہاٹ
کون اجڑا ہو گا بھری دنیا میں ہماری طرح محسن
وہ بھی نہ ملا ہم کو اور ہم خود کو بھی گنوا بیٹھے

☆☆☆

سعدیہ جبار ---- ملتان

س: کمخواب میں ٹاٹ کا پیوند کب لگتا ہے؟

ج: جب کمخواب پھٹ جائے۔

س: دور کے ڈھول سہانے کیوں ہوتے ہیں؟

ج: اس لئے کہ قریب کے ڈھول کان پھاڑتے ہیں۔

س: سر کڑاہی میں کب ہوتا ہے؟

ج: جب پانچوں انگلیاں گھی میں ہوں۔

آنسہ ممتاز ---- رحیم یار خان

س: میں جس کو پانا چاہوں اسے پا نہ سکوں؟

ج: تو جس کو پا سکتے ہو اسے پالو۔

س: اس کے سوا سوچیں تو کیا سوچیں؟

ج: کوئی اچھی بات سوچ لو۔

س: شعر کا جواب دیں۔

کہتے ہیں ہر چیز مل جاتی ہے دعا سے
ہم نے روز مانگا تجھے اپنے خدا سے

ج: شعر کا جواب شعر میں حاضر ہے۔

میری تنہا سفری میرا مقدر تھی فراز
ورنہ اس شہر تمنا سے تو دنیا گزری

فریال امین ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

س: اپنے دکھوں کا کس سے شکوہ کروں بتاؤ؟

ج: کسی ہمراز سے۔

س: عین غین جی خوشحال سے تم بھی لگتے ہو آخر کیوں؟

ج: کیا تم کنگال کرنا چاہتی ہو۔

س: اس نے کہا "یہ دل آپ کا ہوا" کیا یہ سچ ہے؟

ج: وہ تو فلم کا نام پڑھ رہا تھا اور تم......؟

س: میں نے کہا کیا ارادے ہیں تمہارے عین غین جی؟

ج: ارادے......؟ ابھی میں نے اپنا ارادہ ظاہر کب کیا ہے۔

س: عین غین جی کیا کھانا پسند کریں گے؟

ج: جو تم پکا سکو گی۔

نازیہ کمال ---- حیدر آباد

س: عین غین جی نیا سال مبارک ہو؟

ج: شکریہ دعا کریں کہ نیا سال ہمارے لئے خوشیوں کی سوغات لے کر آئے۔

س: ہمیں آنے والے سال سے کیا کیا توقعات وابستہ کرنی ہوں گی؟

ج: توقعات ہمیشہ اچھی ہونی چاہئیں۔

س: زندگی کی کوئی ایسی تمنا ہے جو پوری نہ ہوئی ہو؟

ج: میرے پاس جو کچھ بھی ہے میں اسی پر شاکر اور قانع ہوں۔

س: اگر سب انسان الگ ہوتے تو......؟

ج: تو کوئی کسی کی دل شکنی نہ کرتا۔

مریم رباب ---- خانیوال

س: وہ کون تھا جو چپکے سے آ کر چلا گیا؟

ج: خیال۔

س: بچے بہت تنگ کرتے ہیں، کیا کروں؟

ج: ٹافیاں اور چاکلیٹ اپنے پاس رکھا کرو۔

س: آپ کی زندگی کا بور لمحہ؟

ج: جب کوئی بے تکا سوال سامنے آتا ہے۔

س: دل کہتا ہے میری بات مانو، میں کہتی ہوں تو، تو پاگل ہے؟
ج: کبھی کبھی بچوں کی بات بھی مان لینی چاہیے۔

اُم حدیجہ ---- شاہدرہ لاہور

س: عین غین جی نئے سال کے استقبال کے لئے کیا کر رہے ہیں آپ؟
ج: ہم اپنے ملک کی بہتری کے لئے کام کر رہے ہیں اور انشاءاللہ کرتے رہیں گے۔
س: سوچ کر بتایئے کہ شیشہ نازک ہوتا ہے یا دل؟
ج: نازک تو دونوں ہی ہوتے ہیں کیونکہ شاعری میں عام طور پر دل کو شیشے سے تشبیح دی جاتی ہے۔
س: میں نے سوچا کہ آپ کو نئے سال کی مبارک باد دے ہی دوں؟
ج: دو لفظوں کے لئے اتنی کنجوسی اچھی نہیں ہوتی۔
س: نئے سال کا کارڈ نہیں بھیجا مجھے؟
ج: خود تو دو لفظوں پر ٹرخا رہی ہو اور مجھ سے کارڈ چاہتی ہو۔
س: سچی دوستی کی پہچان بتایئے؟
ج: تمہارے سوالوں سے ہی پتہ چلا کہ جھوٹی دوستی کیا ہوتی ہے۔

فرح عامر ---- جہلم

س: عین غین جی کیا نئے سال کی مبارکباد دے دوں؟
ج: نہیں اپنے پاس ہی رکھو تاکہ کہیں اور کام آ جائے۔
س: آپ بڑے وہ ہیں؟
ج: وہ کا رشتہ بہت نازک ہوتا ہے خیال رہے۔
س: میرا خیال ہے آپ جو بنتے ہیں وہ نہیں ہیں؟
ج: آپ بھی وہ نہیں ہیں جو بنتی ہیں۔

فائزہ قاسم ---- سکھر

س: سچ سچ بتایئے آپ اس وقت کیا کر رہے ہیں؟
ج: حنا کی محفل میں براجمان ہوں۔
س: محبت کا کون سا روپ خوبصورت ہوتا ہے؟
ج: محبت ہر روپ میں بھلی لگتی ہے۔
س: اگر کاغذ کے پھولوں سے خوشبو آنے لگے تو؟
ج: شہد کی مکھی کیا کرے گی بیچاری۔
س: آپ نے کبھی عشق کیا ہے؟
ج: کب نہیں کیا؟

نعیم امین ---- کراچی

س: اللہ آپ کو نئے سال میں ترقی نصیب کرے اور آپ محفل سے نکل کر ایڈیٹر بن جائیں؟
ج: کیوں میری چھٹی کرانے کا ارادہ ہے۔
س. سوال کرنے کو جی چاہتا ہے، مگر کچھ سوجھتا ہی نہیں؟
ج: آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔
س: ہم سوال کچھ کرتے ہیں آپ جواب کچھ دیتے ہیں؟
ج: اگر پڑھنا نہ آتا ہو تو کسی سے پڑھوالیا کریں۔
س: میں کون ہوں ذرا بوجھو تو؟
ج: تم وہی ہو جو تم ہو۔

ہمارا ئے ---- کراچی

س: دنیا میں دو ہی تو خوبصورت ہیں ایک میں اور بس۔
ج: نہیں ابھی دنیا میں آپ جیسے خوش فہم بہت ہیں۔
س: مایوسی اگر گناہ ہے تو لوگ یہ گناہ کیوں کرتے ہیں؟
ج: گناہ کرنا بندے کی فطرت میں شامل ہے۔

☆☆☆

قابل غور

لوگوں کا سرمایہ ہضم کر کے غائب ہو جانے والی ایک انویسٹمنٹ کمپنی کا مالک جب پکڑا گیا تو اسے عدالت میں پیش کیا گیا، جج صاحب نے غصے سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمہیں شرم نہیں آتی جن لوگوں نے تم پر اعتماد کیا،تم نے ان ہی کا پیسہ کھا کر بھاگ گئے؟''

''سر! آپ خود سوچیں جو لوگ آپ پر اعتماد نہ کرتے ہوں، ان کا پیسہ آپ کیسے کھا سکتے ہیں؟''

کمپنی کے مالک نے معصومیت سے سوال کیا۔

عابدہ سعید، گجرات

عجلت

ایک ہوٹل کے قریب ایک صاحب نے ہاتھ دے کر ٹیکسی روکی اور پچھلی سیٹ پر ڈھیر ہو گئے، نشے سے لڑکھڑاتی آواز میں انہوں نے ڈرائیور کو حکم دیا۔

''اس ہوٹل کے چاروں طرف سو چکر لگاؤ۔''

ڈرائیور کچھ پریشان ہوا لیکن جب ان صاحب نے اسے ہزار کا نوٹ تھمایا تو اس نے ہوٹل کے گرد چکر لگانے شروع کر دیے۔

ساٹھویں چکر پر پچھلی سیٹ پر نیم دراز ان صاحب نے گردن اونچی کی اور خمار زدہ لہجے میں ڈرائیور سے مخاطب ہوئے۔

''میاں! ذرا اسپیڈ بڑھاؤ میں جلدی میں ہوں۔''

فرح عامر، جہلم

ماسٹر صاحب

ہمارے ماسٹر صاحب بڑے خونخوار قسم کے آدمی تھے، یوں تو بیچلر آف آرٹس تھے لیکن بعد میں پتہ چلا کہ شادی شدہ اور کئی بچوں کے باپ ہیں، وہ ان حضرات میں سے تھے جو آپ سے سوال پوچھیں گے، آپ کی طرف سے خود ہی جواب دیں گے اور پھر آپ کو ڈانٹیں گے بھی کہ جواب غلط تھا، ان کے نوکر کی زبانی معلوم ہوا کہ انہیں نیند میں بولنے اور چلنے پھرنے کی بیماری تھی اور وہ سوتے ہوئے پیدل چلا کرتے تھے، حالانکہ ان کے پاس ایک تانگہ تھا اور ایک سائیکل۔

انہیں کھیل کود کا شوق بھی تھا لیکن فقط اتنا کہ ریفری بن کر خوش ہولیا کرتے، ایک مرتبہ وہ فٹ بال کے میچ میں ریفری تھے کہ یک لخت جوش میں آ گئے اور گیند لے کر خود گول کر دیا، رونی کے ابا ہمیشہ ان سے کہا کرتے تھے کہ۔

''ماسٹر صاحب! آپ اس علاقے میں فٹ بال کے نمبر دو کھلاڑی ہیں۔''

ایک روز ماسٹر صاحب نے ان سے پوچھا کہ۔

''نمبر ایک کھلاڑی کون ہے۔'' وہ بولے۔

''پتہ نہیں۔''

رابعہ قاسم، سکھر

موقع غنیمت

مجید لاہوری اور رشید اختر ندوی دونوں

بھاری بھر کم تھے، ایک مرتبہ دونوں ایک سائیکل رکشا پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے، رکشا والا کمزور سا آدمی تھا، پسینے میں شرابور بڑی دشواری سے سواری کھینچ رہا تھا، راستے میں مجید لاہوری کو پان کھانے کی خواہش ہوئی تو وہ رکشا رکوا کر اترے اور پان کی دکان کی طرف بڑھے، اتفاق سے رشید اختر ندوی کو ایک شناسا مل گئے اور وہ بھی رکشا سے اتر کر سڑک پر ان سے باتیں کرنے لگے۔

رکشے والا جو غیر معمولی مشقت سے نیم جان ہو رہا تھا، اس موقع غنیمت جان کر خالی رکشا لے کر بھاگ کھڑا ہوا، مجید صاحب نے اسے بھاگتے دیکھا تو چیخ کر بولے۔

''او میاں رکشے والے، کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ اپنے پیسے تو لیتے جاؤ۔''

''شکریہ صاحب جی! زندگی باقی رہی تو کسی اور سے کما لوں گا۔'' رکشے والے نے ہانپتے ہوئے کہا اور بھاگتا چلا گیا۔

نعیم امین، کراچی

علم

عدالت میں ایک بڑے اور مشہور وکیل نے اپنے مخالف وکیل کی طرف حقارت سے دیکھا کیونکہ وہ نو آموز اور گمنام تھا، پھر بڑے وکیل نے حقارت بھرے لہجے میں کہا۔

''تم ہو کون؟''

''سر میں وکیل ہوں۔'' نو آموز اور نا تجربہ کار وکیل نے مودبانہ لہجے میں جواب دیا۔

''تم جیسے وکیل میں جیب میں لئے پھرتا ہوں۔'' بڑے وکیل نے بدستور حقارت سے کہا۔

''اس کا مطلب ہے کہ آپ کے دماغ میں قانونی علم نہیں ہو گا، تبھی آپ جیب میں لئے پھرتے ہیں۔'' نو آموز وکیل نے نرمی اور شائستگی سے کہا۔

ہما رائے، کراچی

گفٹ پیکج

ایک دن سردار جی ایک دکان میں خریداری کر رہے تھے کہ تیل کا ڈبہ اٹھا کر دکان دار سے بولے۔

''اس تیل کے ساتھ میرا مفت گفٹ کدھر ہے؟''

دکان دار نے کہا۔

''اس کے ساتھ کوئی گفٹ نہیں ہے بھائی صاحب!''

سردار جی منہ بسور کر بولے۔

''اوئے اس پر لکھا ہے کولیسٹرول فری۔''

نبیہ آصف، قصور

عشق کہیں جسے

ایک شخص نے بس میں اپنے قریب بیٹھے ہوئے مایوس اور افسردہ شخص کو دیکھ کر باتوں باتوں میں کہا۔

''مجھے لگتا ہے کہ جیسے آپ نے زندگی میں عشق کیا اور ناکام ہو گئے۔''

وہ صاحب جھلا کر بولے۔

''میں نے زندگی میں ایک ہی بار عشق کیا تھا اور بدقسمتی سے کامیاب بھی ہو گیا۔''

ثمینہ رفیق، کورنگی کراچی

زور گفتار

گل صاحب نے ایک دن موڈ میں آ کر کہا۔

''میری بیوی اتنی پڑھی لکھی ہے کہ وہ کسی بھی موضوع پر گھنٹہ بھر بات چیت کر سکتی ہے۔''

جواب میں اقبال میمن نے کہا۔

''اس میں حیرت کی کیا بات ہے، یہی کام ان پڑھ عورت بھی کر لیتی ہے اور اس کے لئے

موضوع کی بھی شرط نہیں ہوتی۔''

فرح ظفر، بہاول پور

تیز رفتاری

ایک خاتون نے ٹریفک سارجنٹ کو اپنی تیز رفتاری کی وجہ بتاتے ہوئے کہا۔

''میری گاڑی کے بریک خراب ہو گئے ہیں، اس لئے میں چاہتی ہوں کہ کسی حادثے کے بغیر گھر پہنچ جاؤں۔''

عاصمہ سرور، وہاڑی

جواب

ایک رنگروٹ کو آفیسر کی بے عزتی کرنے کے جرم میں کورٹ مارشل کے لئے پیش ہونا پڑا۔

''جواب دو۔'' کمانڈنگ آفیسر نے سخت لہجے میں باز پرس کی۔

''تم نے اپنے آفیسر کو الو کا پٹھا کیوں کہا؟''

رنگروٹ نے جواب دیا۔

''آفیسر نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں اسے کیا سمجھتا ہوں۔''

رابعہ ارشد، فیصل آباد

معصومیت

ننھے جمی کا اسکول کا پہلا دن تھا، چھٹی کے وقت سب بچے گھر جانے کے لئے گاڑیوں میں بیٹھ چکے تھے لیکن جمی وین میں بیٹھنے کے لئے تیار نہ تھا۔

''کیا تم گھر نہیں جاؤ گے؟'' ٹیچر نے حیرت سے پوچھا۔

''ممی کہہ رہی تھیں، اب مجھے کم از کم دس بارہ سال اسکول میں گزارنے پڑیں گے۔'' جمی نے نہایت معصومیت سے جواب دیا۔

مسرت مصباح، لاڑکانہ

اللہ ہی اللہ

☆ جب کہا جاتا ہے حضرت آپ تشریف لائیے گا تو کہتے ہیں۔ (انشاء اللہ)

☆ دکھ درد میں بے اختیار پکار اٹھتے ہیں۔ (ہائے اللہ)

☆ کوئی کام شروع کرنے سے پہلے کہتے ہیں۔ (بسم اللہ)

☆ اگر تعریف کا موقع ہو تو کہتے۔ (سبحان اللہ)

☆ اگر ملاقات ہو جائے تو کہتے ہیں۔ (السلام علیکم رحمتہ اللہ)

☆ سو کر اٹھتے ہیں تو کہتے ہیں۔ (لاالہ اللہ)

☆ چھینک آ جائے تو فوراً کہتے ہیں۔ (الحمد للہ)

☆ بوقت نکاح کہتے ہیں۔ (امنت باللہ)

☆ خیرات دینے پر کہتے ہیں۔ (فی سبیل اللہ)

☆ معافی مانگتے ہوئے کہتے ہیں۔ (استغفر اللہ)

☆ بوقت رخصت کہتے ہیں۔ (فی امان اللہ)

☆ جب کسی صحابی یا رسول کا نام زبان پر آئے تو کہتے ہیں۔ (رضی اللہ)

☆ کسی بات سے پناہ مانگتے ہیں تو کہتے ہیں۔ (آعوذ باللہ)

☆ خیر و برکت کے لئے کہتے ہیں۔ (بارک اللہ)

☆ کسی کی خوبی بیان کرنا ہو تو کہتے ہیں۔ (ماشاء اللہ)

☆ جھوٹ کے سلسلے میں کہتے ہیں۔ (لعنت اللہ)

مسز نگہت غفار، کراچی

☆☆☆

حرا صدیق: کی ڈائری سے ایک نظم
"کوئی اپنا نہ رہا"
وقت کی گرد نے سب کو دھندلا دیا ہے
وقت......!
وقت چیز ہی ایسی ہے
سب کچھ، سب کا اصل
سب کی حقیقت
سامنے لے آتا ہے
پہلے کی بات اور تھی
پیار، محبت، وفا اور خلوص
یہ سب ملتے تھے تو وقت بنتا تھا
اب
بغض، حسد، کینہ، نفرت اور مفاد
ان سے آج کا وقت بنتا ہے
آج
جس میں بھائی بھائی کا نہ رہا
کوئی اپنا نہ رہا، وقت نے غلام بنالیا ہے سب کو
ان ہی کی خواہشوں کا
ان ہی کی چاہتوں کا
سب ہی کی حسرتوں کا
سب اندھا دھند بھاگ رہے ہیں یہ جانے بغیر
خدا کو بھولنے کے جرم میں ایک کھائی
ہر وقت، ہر لمحہ ان
انتظار کررہی ہے

مریم رباب: کی ڈائری سے ایک غزل
آگے حریم غم سے کوئی راستہ نہ تھا
اچھا ہوا کہ ساتھ کسی کو لیا نہ تھا
دامان چاک چاک گلوں کو بہا نہ تھا
دل کا جو رنگ تھا وہ نظر سے چھپا نہ تھا
رنگ شفق کی دھوپ کھلی تھی قدم قدم
مقتل میں صبح و شام کا منظر جدا نہ تھا
کیا بوجھ تھا کہ جس کو اٹھائے ہوئے تھے لوگ
مڑ کر کسی سمت کوئی دیکھتا نہ تھا
کچھ اتنی روشنی میں تھے چہروں کے آئینے
دل اس کو ڈھونڈتا تھا جسے جانتا نہ تھا
کچھ لوگ شرمسار خدا جانے کیوں ہوئے
اپنے سوا ہمیں تو کسی سے گلہ نہ تھا
ہر اک قدم تھا نئے موسموں کے ساتھ
وہ جو صنم تراش تھا بت پوجتا نہ تھا
جس در سے دل کو ذوق عبادت عطا ہوا
اس آستان شوق پہ سجدہ روا نہ تھا
آندھی میں برگد کی زباں سے ادا ہوا
وہ راز جو کسی سے ابھی تک کہا نہ تھا

اُم خدیجہ: کی ڈائری سے ایک نظم
اب کے برس کچھ ایسا کرنا
اپنے گزرے بارہ ماہ کے
دکھ سکھ کا اندازہ کرنا
بسری یادیں تازہ کرنا
سادہ سا اک کاغذ لے کر
بھولے بسرے پل لکھ لینا
پھر اس بیتے اک اک پل کو
اک اک موڑ کا احاطہ کرنا
سارے دوست اکٹھے کرنا
ساری رسمیں حاضر کرنا

ساری شامیں پاس بلانا
اور علاوہ ان کے دیکھو
سارے موسم دھیان میں رکھنا
اک اک یاد گمان میں رکھنا
پھر محتاط قیاس لگانا
گر تو خوشیاں بڑھ جاتی ہیں
تو پھر تم کو میری طرف سے
آنے والا سال مبارک
اور اگر غم بڑھ جائیں تو
مت بے کار تکلف کرنا
دیکھو پھر تم ایسا کرنا
میری خوشیاں تم لے لینا
مجھ کو اپنے غم دے دینا
اب کے برس کچھ ایسا کرنا

فرح عامر: کی ڈائری سے ایک نظم

''اب کے برس''

اے عمر رواں
آ پاس میرے
اک راز کی بات بتانی ہے
اک درد کی ٹیس سی دل میں ہے
اے عمر رواں
آ پاس میرے
یہ نیم شبی کی خاموشی
یہ نیند کی پلکیں بوجھل سی
یہ پردہ دل
یہ زہر نظر
اک خوف سا ذہن و دل پر ہے
تنہائی میری چپکے سے کہے
اے عمر رواں آ پاس میرے
تجھ سے فقط کہنا ہے مجھے
اک شخص سے ملنا ہے مجھ کو
ملنے کی گھڑی جو ٹھہری ہے
دو چار صدی یا اب کے برس
اے عمر رواں
آ پاس میرے، آ پاس میرے

مسز نگہت غفار: کی ڈائری سے ایک غزل

دنیا سے مہر و محبت اٹھ گئی
بڑھ گئی نفرت مروت اٹھ گئی
راج ہے ہر سمت ظلم جبر کا
امن کی دنیا سے نعمت اٹھ گئی
زاہد و عابد اب بھی ہیں مگر
پر دلوں سے اب عبادت اٹھ گئی
علم تو ہے پر فقدان ادب
بڑھ رہا ہے جہل حکمت اٹھ گئی
دین میں رائج ہے اب رسم و رواج
جو تھی سچی وہ شریعت اٹھ گئی

نعیم امین: کی ڈائری سے ایک نظم

مگر اک ستارہ مہرباں
کئی چاند دھند میں کھو گئے
کئی جاگ جاگ کے سو گئے
مگر اک ستارہ مہرباں
جو گواہ تھا
سر شام سے دم صبح تک
کسی وصل رنگ سی رات کا
کسی بے کنار سے لطف کا
کسی مشکبار سی بات کا
مرے ساتھ تھا
مرے ساتھ تھا

ہما رائے: کی ڈائری سے ایک غزل

یہ معجزہ بھی کسی کی دعا کا لگتا ہے
یہ شہر اب بھی اسی بے وفا کا لگتا ہے
یہ تیرے میرے چراغوں کی ضد جہاں سے چلی
وہیں کہیں سے علاقہ ہوا کا لگتا ہے
دل ان کے ساتھ مگر تیغ اور شخص کے ساتھ

یہ سلسلہ بھی کچھ اہل ریا کا لگتا ہے
نئی گرہ ، نئے ناخن ، نئے مزاج کے قرض
مگر یہ پیچ بہت ابتدا کا لگتا ہے
کہاں میں اور کہاں فیضان نغمہ و آہنگ
کرشمہ سب درد سمت نوا کا لگتا ہے
نبیہ آصف: کی ڈائری سے ایک نظم
''بشارت''
سنو!
یہ خوشبوئیں اعلان کرتی ہیں
کسی کے لوٹ آنے کا
تو پھر لفظوں میں کسے لکھ سکیں گے
اس کی آمد کی کہانی کو
وفا کی حکمرانی کو
محبت کی دعائیں مانگتی شب نے
نئے اک سرخرو دن کے سہانے خواب دیکھے ہیں
یہ کیسا خوشنما احساس ہے
کہ آئندہ برسوں میں
ہر اک موسم، ہر اک دن کی دھنک کرنوں کو
ہم اک ساتھ برتیں گے
سنو! یہ خوشبوئیں اعلان کرتی ہیں
ثمینہ رفیق: کی ڈائری سے ایک نظم
''آس''
میں نے اب کے سال بھی سبز رتوں کا پہلا پھول
اک تیری خاطر شاخ شجر سے توڑ کے
اپنی زرد کتاب میں لا رکھا ہے
کوئی نہ جانے
کبھی کوئی آوارہ بھولا بھٹکا بادل
عمر کے ترسے پیاسے دشت کی
پل میں پیاس بجھا جاتا ہے
کوئی نہ جانے
بعض اوقات ایک بھولی بسری ہوئی یاد بھی
ایسے پوری ہو جاتی ہے
جیسے غیر آباد جزیرے
رستہ بھول کے آنے والے لوگوں سے بس جاتے
ہیں
ثناء حیدر: کی ڈائری سے ایک غزل
کئی بار اس کا دامن بھر دیا حسن دو عالم سے
مگر دل ہے کہ اس کی خانہ ویرانی نہیں جاتی
کئی بار اس کی خاطر ذرے ذرے کا جگر چیرا
مگر یہ چشم حیراں جس کی حیرانی نہیں جاتی
نہیں جاتی متاع لعل و گہر کی گراں یابی
متاع غیرت و ایماں کی ارزانی نہیں جاتی
مری چشم تن آساں کو بصیرت مل گئی جب سے
بہت جانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی
سرخ رو سے ناز کجکلاہی چھن بھی جاتی ہے
کلاہ خسروی سے بوئے سلطان نہیں جاتی
بجز دیوانگی واں اور چارہ ہی کہو کیا ہے
جہاں عقل و خرد کی ایک بھی مانی نہیں جاتی
درثمن: کی ڈائری سے ایک نظم
اے دوستو! یہ نیا سال مبارک ہو تمہیں
عین ممکن ہے کہ کھوئی ہوئی منزل مل جائے
اور کمزور سفینوں کو بھی ساحل مل جائے
شاید اس سال ہی کچھ چین دلوں کو ہو نصیب
شاید اس سال تمہیں زیست کا حاصل مل جائے
صبح کے بھولے ہوئے شام کو شاید گھر آئیں
اپنے غم خانوں میں چپ چاپ ہی خوشیاں در آئیں
شاید اس سال جو سوچا تھا وہ پورا ہو جائے
شاید اس سال تمہاری بھی مرادیں بر آئیں
شاید اس سال شکستہ ہوں مصائب کی سلیں
شاید اس سال ہی صحراؤں میں کچھ پھول کھلیں
راہ ہستی کے دوراہے پہ اچانک اک دن
شاید اس سال ہی کچھ بچھڑے ہوئے آن ملیں
شاید اس سال کوئی ایسی ہوا چل جائے

☆☆☆

حریم شوق کا عالم بتائیں کیا تم کو
حریم شوق میں بس شوق کی کمی ہی رہی
پس نگاہ و تغافل تھی اک نگاہ کہ تھی
جو دل کے چہرہ حسرت کی تازگی ہی رہی
بدل گیا سبھی کچھ اس دیار پاداش میں
گلی تھی جو تری جاں وہ تری گلی ہی رہی
تمام دل کے محلے اجڑ چکے تھے مگر
بہت دنوں تو ہنسی ہی رہی، خوشی ہی رہی
سناؤں میں کیسے افسانہ خیال ملال
تیری کمی ہی رہی اور مری کمی ہی رہی

نازیہ جمال: کی ڈائری سے خوبصورت نظم
''دسمبر سو گیا ہے''

اسے کہنا کتابوں میں رکھے سوکھے ہوئے کچھ پھول
اس کے لوٹ آنے کا یقیں اب تک دلاتے ہیں
اسے کہنا کہ اس کی جھیل سی آنکھیں کسی منظر پر چھا جائیں
تو سب منظر یونہی پھر بھیگ جاتے ہیں
اسے کہنا کہ ٹھنڈی برف پر کوئی کسی کے ساتھ چلتا ہے
تو قدموں کے نشاں پھر سے اسی کے لوٹ آنے
کے ساتھ نشاں دل پر بناتے ہیں
اسے کہنا کہ اس کی بھیگتی آنکھوں کا وہ آنسو
ستارے کی طرح اب بھی ہمیں شب بھر جگاتا ہے
اسے کہنا کہ بارش کھڑکیوں پہ اس کے آنسو پینٹ کرتی ہے
اسی کا نام لکھتی ہے
اسے ہی گنگناتی ہے
اسے کہنا کہ خوشبو، چاندنی، تارے، صبا، رستے، گھٹا، کاجل
محبت، چاندنی، شبنم، ہوائیں، رات، دن، بادل،
سبھی ناراض ہیں ہم سے
اسے کہنا جدائی کے درختوں پر جو سوکھی ٹہنیاں ہیں
وہ ساری برف کی چادر میں کب کی ڈھک چکی ہیں
اور ان شاخوں پہ یادوں کے
جو پتے تھے سنہری ہو گئے ہیں
اسے کہنا دسمبر سو گیا ہے
اور یخ بستہ وہ بھیگی جنوری پھر لوٹ آئی ہے
اسے کہنا کہ لوٹ آئے

سمن رضا: کی ڈائری سے ایک خوبصورت نظم
''دسمبر اب مت آنا''

دیکھ دسمبر اب مت آنا
میرے اندر کتنے صحرا پھیل چکے ہیں
تنہائی کی ریت نے میرے
سارے دریا پاٹ دیے ہیں
اب میں ہوں
اور میرے بنجر پن کو بوجھلتا ہے
دیکھ دسمبر
تیری برفاب شبوں میں
تیری بے خواب شبوں میں
خواب سویٹر کون بنے گا
روح کے اندر گرتی برفیں کون چنے گا
دیکھ دسمبر! اب مت آنا
اور اگر تو آئے بھی تو
اپنے دکھ کی برف پہن کر
دھوپ دیاروں پہن کر
مت جانا
دیکھ دسمبر!
اب مت آنا

☆☆☆

چائینز سوپ

اشیاء

چکن	آدھا کلو
کارن فلور (مکئی کا آٹا)	چار کھانے کے چمچے
پیاز (باریک کٹی ہوئی)	ایک عدد
انڈے (صرف سفیدی)	دو عدد
کالی مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
اجینوموتو	ایک کھانے کا چمچہ
ہری مرچ	دو عدد
سویا سوس	حسب ذائقہ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

چکن کے پیس اچھی طرح دھولیں، ایک ساس پین میں چکن، باریک کٹی ہوئی پیاز، سیاہ مرچ، نمک اور پانی ڈال کر یخنی تیار کریں، گوشت گل جائے تو یخنی چھان کر الگ نکال لیں، ابلی ہوئی بوٹیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں، ایک پیالی پانی میں کارن فلور کا آمیزہ اور چھوٹے چھوٹے گوشت کے ٹکڑے ڈال کر دھیمی آنچ پر چند منٹ تک پکائیں، جب سوپ آپ کی پسند کے مطابق گاڑھا ہو جائے تو انڈے کی سفیدی ملا دیں اور چمچہ سے سوپ میں خوب اچھی طرح مکس کریں، لیجیے سوپ تیار ہے۔

چکن کارن سوپ

اشیاء

چکن (گوشت)	آدھا کلو
پیاز	ایک عدد
لہسن پسا ہوا	پانچ جوے
ادرک	آدھا کھانے کا چمچہ
سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
انڈے	دو عدد
مکئی کے دانے پسے ہوئے	ایک پیالی
کارن فلور	دو کھانے کے چمچے
سیاہ مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
چینی	ڈھائی چائے کا چمچہ
کوکنگ آئل	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

ساس پین میں دس کپ پانی ڈالیں اس میں چکن کی بوٹیاں، پیاز، لہسن، ادرک اور نمک ڈال کر چکن کو ابالیں، یہاں تک کہ پانی چار کپ رہ جائے گوشت اور یخنی کو الگ الگ کر لیں اور گوشت کے ریشے بنالیں، ساس پین میں کوکنگ آئل ڈال کر گرم کریں اور مکئی کے پسے ہوئے دانے ڈال کر بھونیں پھر پانی ڈال کر کچھ دیر ان کو گلائیں مکئی کے دانے نرم پڑ جائیں تو یخنی، چینی، کالی مرچ اور گوشت کے ریشے ڈال کر دھیمی آنچ پر آدھا گھنٹہ تک پکائیں، کارن فلور کو ہلکا سا بھون کر شامل کر دیں، سوپ گاڑھا ہونے لگے تو انڈوں کی سفیدی پھینٹ کر ملا دیں، بہترین مزے دار سوپ تیار ہوگا۔

چکن کارن سوپ اور چلی ساس

اشیاء

چکن ابلا ہوا — آدھا کلو
یخنی — چار پیالی
مکئی کا دلیہ — آدھی پیالی
پیاز باریک کتر لیں — ایک عدد
لہسن — آدھا چائے کا چمچہ
ادرک — آدھا چائے کا چمچہ
سرکہ — ایک کھانے کا چمچہ
سویا سوس — ایک کھانے کا چمچہ
پانی — چار کپ
مسٹرڈ پاؤڈر رائی — ایک چائے کا چمچہ
کوکنگ آئل — دو کھانے کے چمچے
نمک — حسب ذائقہ
چلی ساس — حسب ضرورت

ترکیب

گوشت جو آپ ابال چکی ہیں اور اس کی یخنی الگ کر چکی ہیں اس کے ریشے کر لیں کوکنگ آئل کو ساس پین میں گرم کریں اور اس میں باریک کترا ہوا پیاز مل لیں، خیال رکھیں کہ پیاز سرخ نہ ہونے پائے، اب اس میں مکئی کا دلیہ ڈال کر بھونیں ساتھ ہی لہسن، ادرک، سویا ساس، مسٹرڈ پاؤڈر، سرکہ اور نمک ڈال کر یخنی بھی ملا دیں اور پکنے دیں، پکتے ہوئے سوپ میں گوشت کے ریشے ڈال کر سوپ کو پیالوں میں انڈیل لیں اور چلی ساس شامل کر کے نوش کریں۔

لذیذ چائنیز سوپ

اشیاء

یخنی — چار پیالی
انڈا — ایک عدد
سویا ساس — دو کھانے کے چمچے
انگور کی بیل کے خشک پتے — چار چائے کے چمچے
پاؤڈر بنالیں
نمک — حسب ذائقہ
سیاہ مرچ پاؤڈر — ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب

ابلتی ہوئی یخنی میں سیاہ مرچ اور نمک حسب ذائقہ ملا دیں، انڈے کو اس قید پھینٹیں، کہ اس کا جھاگ ابھر آئے اب اسے کھولتی ہوئی یخنی میں دھار باندھ کر آہستہ آہستہ ملا دیں اور سیٹ ہونے دیں پھر چمچہ سے ہلائیں سوپ کے پیالے میں تیار شدہ سوپ انڈیلیں اس میں سویا ساس ملائیں اور انگور کے پتوں کا پاؤڈر ڈال کر نوش فرمائیں۔

فرانسیسی ویجی ٹیبل سوپ

اشیاء

گاجریں باریک کٹی ہوئی — دو عدد
ٹماٹر — آدھا کلو
چکن اسٹاک — چار پیالی
پیاز — دو عدد
ہرا پیاز — ایک عدد
لوبیا سرخ — ایک کپ
لوبیا سفید — ایک کپ
سویاں — ایک کپ
فرانسیسی پھلیاں کٹی ہوئی — ایک پیالی
لہسن — چار جوے
نیاز بو کی پتیاں — بارہ عدد
زیتون کا تیل — چار کھانے کے چمچ
پنیر — آدھا کپ کچل لیں
نمک، سیاہ مرچ — حسب ذائقہ

ترکیب

تمام سبزیاں اور دونوں طرح کے لوبیا کو ایک کھلے منہ کی دیگچی میں ڈال کر پانی ملائیں اور پندرہ منٹ تک پکنے دیں پندرہ منٹ بعد چکن اسٹاک (یخنی) نمک سیاہ مرچ پسی ہوئی ملا کر سویاں بھی ڈال دیں اور دھیمی آنچ پر آدھا گھنٹہ تک پکائیں یہاں تک کہ گاڑھا آمیزہ ہونے لگے نیاز بو کی پتیاں اور لہسن کو گرینڈ کریں اس میں زیتون کا آئل ملا کر پیسٹ بنالیں اور پکتے ہوئے سوپ میں شامل کر دیں، سوپ تیار ہو جائے تو پنیر شامل کر دیں۔

فش سوپ

اشیاء

مچھلی کا گوشت ابلا ہوا	ایک پیالی
سرکہ	دو کھانے کے چمچ
گاجر کش کی ہوئی	ایک عدد
پیاز باریک کٹا ہوا	ایک عدد
لیموں کا چھلکا	ایک عدد
رائی کے دانے	آدھا چائے کا چمچ
کڑی پتا پسا ہوا	دو کھانے کے چمچ
گوندے کے دانے	سات عدد
پودینے کے پتے	پانچ عدد
نمک	حسب ذائقہ
پانی	حسب ضرورت

ترکیب

سرکہ، پانی، پیاز، گاجر، لیموں کا چھلکا، رائی کے دانے، گوندے کے دانے اور نمک سب کو ساس پین میں ڈال کر ابال لیں آنچ دھیمی رکھیں، پندرہ منٹ بعد تمام آمیزے کو چھان کر سوپ کے پیالے میں ڈالیں اور مچھلی کے گوشت کے ریشے ڈال دیں پودینے کے پتے اور کڑی پتوں کا پاؤڈر چھڑکیں اور سوپ ٹھنڈا ہونے دیں، بے حد لذیذ فش سوپ تیار ہے۔

لینٹل رائس سوپ

اشیاء

چاول ابلے ہوئے	آدھا کپ
یخنی	آدھا کپ
مسور کی دال گرینڈ کی ہوئی	ایک کپ
گاجر کش کی ہوئی	ایک کپ
پیاز براؤن کیا ہوا	ایک عدد
سلاد	ایک گٹھی
نمک	ایک کھانے کا چمچہ
سبز مرچ پیسٹ کی ہوئی	دو عدد
سرکہ	دو کھانے کے چمچ
پانی	حسب ضرورت

ترکیب

مسور کی دال کو پندرہ منٹ کے لئے دھو کر بھگودیں، گرینڈر میں ابلے ہوئے چاول اور مسور کی دال کو ڈال کر گرینڈ کریں ایک ساس پین میں ایک لیٹر پانی ڈال کر دال اور چاول والا آمیزہ ملائیں، کش کی ہوئی گاجر، براؤن کیا ہوا پیاز، نمک ملا کر خوف پکائیں، جب آمیزہ گاڑھا ہونے لگے تو یخنی ملا دیں اور ایک جوش آنے دیں سوپ کے پیالے میں سوپ نکال کر ٹیبل پر لے آئیں ایک ڈش میں سلاد کے پتے کاٹ کر ساتھ رکھیں ورسوسر میں سبز مرچوں کا پیسٹ سرکہ ملا کر رکھ دیں سوپ نوش کرتے وقت اپنی پیالی میں سلاد اور سبز مرچوں کی ساس ملائیں، بے حد لذیذ سوپ تیار ہے۔

چکن کوک ٹیبل سوپ

اشیاء

چکن	آدھا کلو

ٹماٹر	ایک عدد
شلغم	ایک عدد
لہسن	چھ جوئے
ملائی	تین کھانے کے چمچ
ادرک	ایک ٹکڑا
نمک	آدھا چائے کا چمچہ
سیلری	تھوڑی سی
گاجر	ایک عدد
پیاز	دو عدد
میدہ	تین چائے کے چمچ
گھی	آدھا کپ
دار چینی	ایک ٹکڑا
سیاہ مرچ	آدھا چائے کا چمچہ

ترکیب

چکن پیس کو دو کلو پانی میں آگ پر رکھ دیں، اس میں ایک عدد پیاز، ٹماٹر، ادرک، لہسن، نمک مرچ اور دار چینی کا ٹکڑا ڈال کر پکائیں، پکتے ہوئے سوپ میں شلغم چھیل کر دو ٹکڑے کر لیں اور گاجر کے بھی دو ٹکڑے کر کے ڈال دیں، دو گھنٹہ کے بعد چکن کو نکال کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں اور سوپ کو چھان کر الگ دیگچی میں ڈال دیں۔

ایک فرائی پین میں پیاز کو براؤن کریں اور اسے سوپ میں ڈال دیں، پھر میدہ اسی فرائی پین میں بھون کر سوپ میں تھوڑا تھوڑا ڈال کر ملائیں اور اس سوپ کو دوبارہ آگ پر رکھ دیں اور سیلری بھی ملا دیں، پکتے ہوئے آمیزے میں ملائی پھینٹ کر ڈال دیں اور اپنی پسند سے سوپ کو گاڑھا کر کے پیش کریں۔

گرین پیس سوپ

اشیاء

مٹر تازہ دانے	ایک پیالی
یخنی کے لئے ہڈی	ایک کلو
گاجر	ایک عدد
شلغم	ایک عدد
پیاز	دو عدد
ادرک	ایک ٹکڑا
لہسن	چھ پوتھی
آلو	ایک عدد
سبز دھنیا	چند پتے
میدہ	ایک کھانے کا چمچہ
گھی	آدھا کپ
پانی	دو لیٹر
دودھ	آدھا کپ
سیاہ مرچ نمک	آدھا چائے کا چمچہ
سفید زیرہ	آدھا چائے کا چمچہ
دار چینی	ایک ٹکڑا

ترکیب

مٹروں کے دانے ابال کر پیس لیں، میدہ اور دودھ کو الگ رکھ دیں، گوشت کی ہڈی کے ساتھ پیاز، ادرک، لہسن، دار چینی، نمک، مرچ، آلو، شلغم اور سبز دھنیا کاٹ کر ڈال دیں اور دو لیٹر پانی ملا کر پکائیں، دو گھنٹے بعد یخنی کو چھان لیں، ایک عدد پیاز کو گھی میں سرخ کریں اور اس میں دودھ اور میدے والا آمیزہ ڈال دیں، آخر میں پسے ہوئے مٹر ڈال کر مزید پندرہ منٹ تک پکائیں۔

☆☆☆

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں، آپ کی سلامتی، عافیت اور خوشیوں کے لئے دعائیں اللہ تعالیٰ آپ سب کو اور ہمارے پیارے وطن کو اپنی حفظ وامان میں رکھے آمین۔

دسمبر سال رواں کا آخری مہینہ، پے در پے حوادثات حالات سے الجھتا ایک اور سال اختتام کی جانب رواں دواں ہے، آتے جاتے موسم اور چڑھتے ڈوبتے روز و شب اداسی کا احساس گہرا کرتے جاتے ہیں، گزرتے وقت کا ساتھ نہ دے پانے، پیچھے رہ جانے کا احساس ملال کی کیفیت میں اضافہ کرتا ہے، کتنے سالوں سے دن رات کے الٹ پھیر اور موسموں کے تغیر وتبدل کے باوجود وقت جیسے جامد سا ہوگیا ہے۔

وطن عزیز جن بحرانوں کی زد میں ہے، صاحبان اختیار واقتدار کو اس کا احساس وادراک ہے اور نہ ان بحرانوں سے نکلنے کی حکمت عملی کا شعور، دائرے میں گھومتے سفر کا اختتام ہے نہ منزل۔

آنے والے وقت کی بہتری کی دعا کرتے ہوئے امید کا چراغ روشن کرتے ہیں اور اس چراغ کو جلتے رہنا چاہیے کہ۔

خالق کائنات ہر چیز پر قادر ہے اپنی دعاؤں میں یاد رکھئے گا۔

اپنا بہت سا خیال رکھئے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں آپ کا خیال رکھتے ہیں۔

آیئے آپ کے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں ہمیشہ کی طرح درود پاک، کلمہ طیبہ اور استغفار کا ورد کرتے ہوئے۔

یہ پہلا خط رابعہ نورین کا سکھر سے موصول ہوا ہے وہ لکھتی ہیں۔

نومبر کا شمارہ مہوش حیات کے ٹائٹل سے جگمگا رہا تھا، اس سال کا سب سے بہترین ٹائٹل تھا نومبر کا، آگے بڑھے اور ''کچھ باتیں ہماریاں ہیں'' طاہر بھائی نے عدلیہ کے کردار پر بے حد اچھا لکھا، اسلامیات والے حصہ میں حمد ونعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں پڑھیں تو دل سکون ملا، اللہ تعالیٰ ہمیں سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین، انشاء نامہ میں انشاء جی نے اپنی سابقہ روایت کو برقرار رکھا اور پڑھنے والوں کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''دل گزیدہ'' ام مریم کا ناول بے حد دلچسپ موڑ پر ہے ام مریم نے بڑی خوبصورتی سے واقعات کردار کو آگے بڑھا رہی ہے، ہاں ان سے اور نایاب جیلانی سے ایک شکوہ ہے کہ انہوں نے ناول کے صفحات بے حد کم کر دیئے ہیں، پلیز اس طرف توجہ دیں، نایاب جیلانی کی تحریر بھی اس مرتبہ پسندیدگی پر پوری اتری۔

''می رقصم'' بشریٰ سیال کی تحریر نے اپنے سحر میں جکڑ لیا، تحریر انتہائی سادہ مگر دلچسپ پیرائے میں بشریٰ لکھتی ہے، اتنی اچھی تحریر لکھنے پر

بشریٰ سیال مبارک باد کی مستحق ہے، مکمل ناول میں حنا اصغر کی تحریر ''صراط مستقیم'' دل میں اتر گئی، حنا اب آپ اچھا لکھنے لگ گئی ہیں میری نظر سے آپ کی یہ پہلی طویل تحریر گزری ہے اللہ تعالیٰ آپ کی صلاحیتوں کو مزید اجاگر کرے آمین، عمارہ امداد کا ناول ''سود و زیاں کے درمیان'' مصنفہ کی اچھی کوشش تھی، اگرچہ کہیں کہیں وہ پلاٹ پر اپنی گرفت نہیں رکھ پائی مگر پھر بھی بہتر لکھا، ناولٹ میں سونیا چوہدری کی تحریر ''محبت منتظر ہوگی'' معذرت کے ساتھ سونیا اس مرتبہ آپ کی تحریر آپ کی سابقہ تحریروں سے ہٹ کر تھی، لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ سونیا چوہدری کی تحریر ہے پلیز سونیا جی ایک مرتبہ آپ خود بھی اس تحریر کو قاری کی نظر سے پڑھیے گا تو آپ کو خود اندازہ ہوگا کہ گڑبڑ کہاں ہے۔

''تیرہ شبوں کا اجالا'' تہمینہ چوہدری کی اگرچہ پہلی تحریر ہے تو بے حد اچھی کوشش ہے، تہمینہ آپ کی تحریر میں ایک بات جو مجھے ناگوار گزری وہ یہ کہ ''کوئی بھی عورت اپنی بچی اٹھا کر کسی کو نہیں دیتی اور آپ نے عروج کو دیا بھی جس عورت کو اس کا تعلق بازار حسن سے تھا'' بات کچھ ہضم نہیں ہوئی۔

افسانوں میں ٹاپ پر کنول ریاض اور رابعہ افتخار رہیں، نورین شاہد، وجیہہ بخاری اور آسیہ مظہر نے اچھی کوشش کی، مستقل سلسلوں میں رنگ حنا اور حنا کی محفل، مسکراہٹوں کے پھول کھلائے، حاصل مطالعہ سے ہمیشہ کی طرح انتخاب بہترین تھا، بیاض اور ڈائری تو ہے ہی لاجواب جب کہ خطوط والا حصہ تو حنا کا سب سے مقبول سلسلہ ہے، اس میں ہم ہر ماہ نئے نئے ساتھیوں سے ملتے ہیں، ان کے خطوط کے ذریعے۔

رابعہ نورین خوش آمدید اس محفل میں، ایک بار پھر، اس مرتبہ آپ ایک طویل عرصے بعد تشریف لائی ہیں، حنا کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کا تبصرہ آج بھی بھرپور اور بے اچھا لگا، آپ کی تعریف اور تنقید مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہے، دسمبر کا شمارہ پڑھ کر رائے دینا نہ بھولنا ہم آپ کی محبتوں کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

قمر شاہین: خانپور سے لکھتی ہیں۔

آپ کی اس خوبصورت محفل میں پہلی بار شرکت کر رہی ہوں، ماہنامہ حنا بہت پسند ہے، ناول لکھنے اور پڑھنے کا بے حد شوق ہے سلسلے وار ناول ''دل گزیدہ'' اور ''پربت کے اس پار کہیں'' بہت اچھے جا رہے آپ سے میری ریکوسٹ ہے کہ مجھے ناول لکھنے کی اجازت دے دیں، پلیز مجھے اجازت دیں مجھے لکھنے کا بہت شوق ہے، پلیز امید نہ توڑیے گا۔

قمر شاہین خوش آمدید، آپ ضرور لکھئے اور لکھ کر ہمیں بھجوا دیجئے اگر آپ کی تحریر قابل اشاعت ہوئی تو انشاء اللہ ضرور شائع ہوگی شکریہ۔

مسز نگہت غفار: اپنی چاہتوں کے پھول لئے کراچی سے آئی ہیں وہ لکھتی ہیں۔

حمد باری تعالیٰ، نعت رسول مقبولؐ کے جھلملاتے ستاروں کی روشنی میں آگے بڑھے تو پیارے نبی کی پیاری باتیں، ہماری منتظر تھیں ان خوبصورت بابرکت موتیوں کی مالا بہت خوبصورت چوم کر آنکھوں سے لگایا، خوبصورت عبارت پڑھ کر بہت سی معلومات ملیں۔

''میرا دل جو قبطی ٹھہرا'' آسیہ مظہر کی کہانی اچھی لگی راہ راست آنا بھی انسان کی سب سے بڑی فتح اور خوش نصیبی ہے اللہ عبیدہ کی طرح ہر گمراہ شخص کو راہ راست پر لے آئے۔

''یقین کی ڈور'' وجیہہ بخاری کی کہانی بھی

بہت اچھی تھی بہت خوبصورتی اور اچھے انداز میں رشتوں کی نزاکت کو نبھایا گیا اللہ کرے ساری دنیا کے یہ حقیقی رشتے سلامت رہیں۔

''محبت منتظر ہوگی'' سونیا چوہدری کی کہانی بھی بہت خوب تھی اینڈ بے حد خوبصورت تھا اللہ تعالیٰ ہر پیار کرنے والے کو کامیاب کرے۔

''آگ اور ریشم'' رابعہ افتخار کی سبق آموز اور اچھی کہانی بہت پسند آئی بے شک رشتوں میں اختلاف اور ناراضگی ہوتی ہے کسی کا ظرف بہت اعلیٰ تو کسی کا برائے نام ہوتا ہے، مگر جو پہل کر لے صلح کر لیں وہ ہی فاتح کہلاتا ہے اللہ رب العزت ہر رشتے کو خوبصورتی سے سلامت رکھے۔

''چھوٹی چھوٹی باتیں'' نورین شاہد نے بے حد خوبصورت سبق آموز اور وطن پرستی کی منہ بولتی تصویر ہے یہ کہانی ویل ڈن نورین شاہد اللہ کرے ہمارے وطن کے ہر شہری کی سوچ عاشر کی طرح ہو، آمین۔

''میری ڈائری سے'' فاطمہ احمد، شازیہ علی، نمرہ فاطمہ، واجدہ امبر، شازیہ رفیق کی غزلیات اچھی تھیں، بیاض میں فاطمہ محمود، عابدہ خان، رابعہ سعید، صنم حمید، مدیحہ کرن، رنگ حنا میں اتنی سی بات اچھی لگی۔

حاصل مطالعہ میں رابعہ علی، شازیہ رفیق، طاہرہ آصف، زینب شیخ کی تحاریر اچھی لگیں۔

مسز نگہت غفار خوش آمدید صحت و سلامتی کے ساتھ، حنا کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی آمد ہمارے لئے اعزاز ہے اپنی صحت کا خیال رکھیئے گا اور اپنی رائے سے نوازتی رہیے گا شکریہ۔

منہا رمشہ: فیصل آباد سے پہلی مرتبہ اس محفل میں تشریف لائی ہے وہ لکھتی ہیں۔

نومبر کا شمارہ کافی لیٹ ملا، حمد و نعت اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری باتیں پڑھنے کے بعد سیدھا سلسلے وار ناولز کی طرف چھلانگ لگائی، ام مریم آپی ''دل گزیدہ'' بہت فنٹاسٹک جا رہی ہے اس کے صفحات بڑھا دیں پلیز، آپی عمر اور حجاب کی شادی ہونے چاہیے،

حرم اور عباس کی بھی کر دیں ضروری نہیں کہ عباس بھی منیب چوہدری جیسا نکلے بٹ آئی تھنک حرم کا کپل اس فارن نظر آنے والے لڑکے کے ساتھ ہے جس نے قدر کو تھپڑ مارا تھا اور وہ قدر کا بھائی ایزد ہی ہے، ویسے یہ اچھا رہے گا لیکن آپی علی شیر کو اچھا بنا دیں اور علی شیر اور قدر کا کپل ہی بنائیں، سلیمان ہرگز اس ساحرہ سے شادی نہ کرے، ام مریم آپی میں نے سب سے پہلے آپ کا ناول ''تم آخری جزیرہ ہو'' پڑھا تھا، اور تب سے آپ میری فیورٹ رائٹر ہو، اس ناول میں معاذ حسن کا کردار میرا فیورٹ تھا، لیکن آپی آپ کے باقی ناولز میں جہاں حسن کے کردار کی جھلک تو نظر آتی ہے، لیکن معاذ حسن کی نہیں، پلیز معاذ حسن جیسا شوخ شرارتی اور بیباک کردار زیادہ لکھا کریں۔

''پربت کے اس پار کہیں'' نایاب آپی اس کے بھی صفحات بڑھا دیں اور پلیز ہیام کا کردار زیادہ لکھا کریں، مجھے ہیام اور نشرہ کی اسٹوری بہت پسند ہے، ہیام چلبلا اور شرارتی زیادہ لکھا کریں، جہاندار اور نیل بر غائب نہیں ہونے چاہیے، شاہوار اور عشیہ کا کپل اچھا ہے، عروفہ کو بھی اچھا بنا دیں، امام اور حمت کو بھی ملا دیں، آئی تھنک اسامہ اور شانزے کا کپل بنے گا، عینی کو بھی ولید مل جائے گا۔

ناولٹ ''می رقصم'' بھی اچھا جا رہا ہے، فارقلیط حسن اور عروبہ کا کپل بہت اچھا ہے، پلیز فروا اور عیسیٰ ہی کی شادی ہونی چاہیے، عمارہ امداد کا مکمل ناول ''سوز و زیاں کے درمیان'' فنٹاسٹک ناول تھا، لیکن عورت کو زہرہ جیسا کمزور اور سیدھا بھی نہیں ہونا چاہیے ورنہ دنیا تو نوالہ سمجھ لیتی ہے، افسانے بھی سبھی اچھے تھے، آخر میں سندس جبیں آپی کے نام یہ پیغام ہے کہ پلیز ''کاسہ دل'' جیسا ناولٹ لے کر پھر سے جلوہ گر ہوں۔

منہا رمشہ خوش آمدید حنا کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ نے سلسلے وار ناولوں کے کرداروں کے متعلق اپنا تجزیہ پیش کیا بہت اچھا لگا، اب دیکھتے ہیں مصنفین کا کیا خیال ہے اس سب کے متعلق سندس جبین تک آپ کی فرمائش پہنچائی جا رہی ہے، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

شازیہ ہاشم متواتی: کھڈیاں خاص سے لکھتی ہیں۔

حمد و نعت سے دل کو پرنور کرتے ہوئے، پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری باتوں کو روح کی گہرائیوں میں جذب کرنے کے بعد چھلانگ لگائی ''صراط مستقیم'' کی طرف جو بے حد اچھا لگا، حنا اصغر ویلڈن آگے بھی کوشش کرنا کوئی اسلامی موضوع پر تحریر لکھنے کی، پھر بڑے ''می رقصم'' کی طرف بشریٰ سیال مجھے آپ کا ناولٹ اچھا لگتا ہے، مگر یہ کیا، عیسیٰ تہی داماں رہ گیا اور خوشی ہوئی فروا اور عروبہ دونوں بہنیں ہیں بٹ عروبہ کے لئے فروا کے بولے گئے الفاظ تڑپا گئے واہ فارقلیط حسن تجھے اللہ نے تیری محبت تیری جھولی میں ڈال دی قدر کرنا، ''پربت کے اس پار کہیں'' اچھا ہے پلیز رفتار تھوڑی سی فاسٹ کر دیں، ''دل گزیدہ'' بہت اچھا جا رہا ہے، بٹ حمدان اور حجاب کے ساتھ اچھا کرنا، ''تیرہ شبوں کا اجالا'' اچھی رہی، باقی رسالہ پر تبصرہ ادھار کیونکہ زیر مطالعہ ہے۔

شازیہ ہاشم متوانی حنا کے متعلق آپ کی رائے جان کر خوشی ہوئی، اپنی رائے سے ہمیں نوازتی رہیے گا شکریہ۔

☆☆☆